صفحہ ۵۱۰ ارق

ایک اسلام

غلام جیلانی برق

شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، پبلشرز،
لاہور ○ حیدرآباد ○ کراچی

فہرستِ مضامین

حرفِ اوّل

انقلابِ فرانس کوئی ناگہانی حادثہ نہ تھا۔ بلکہ بڑے بڑے مفکرین کی بے پناہ تحریروں نے اس کی بنیاد ڈالی تھی۔ مانٹیسکو (۱۶۸۹ء۔ ۱۷۵۵ء) کی مشہور تصنیف "مکتوباتِ ایران" لوئی چہار دہم کے اعمال پر زبردست نکتہ چینی تھی اسی مفکر کی ایک اور کتاب "روحِ قوانین" نے قدیم نظامِ حکومت کی دھجیاں بکھیر دی تھیں۔ یہی وہ انقلاب انگیز تحریرات تھیں جن سے بعد میں والٹیئر اور روسو متاثر ہوئے۔

والٹیئر (۱۶۹۴ء۔ ۱۷۷۸ء) کے دس ہزار خطوط اور ایک سو تصانیف نے کلیسا کے بخیے ادھیڑ دیئے۔ والٹیئر کہا کرتا تھا۔

"کلیسا کے بدترین دشمن وہ ہیں جو اس کی آغوش میں پرورش پا رہے ہیں" اور یہی صورت حال آج ہمارے معابد کی ہے۔

اس مفکر کے عہد میں شاہی دربار پر ارباب کلیسا قابض تھے۔ ایک مرتبہ جب شاہی اصطبل کے ناظم نے کفایت کے لیے چند گھوڑے بیچ ڈالے تو والٹیئر نے کہا

"اس سے کہیں بہتر یہ تھا کہ شاہی دربار سے چند گدھوں کو نکال دیا جاتا۔"

دایدرو (۱۷۱۳ء۔ ۱۷۸۴ء) فرسودہ مذہبی و سیاسی نظام کا سخت مخالف تھا اور زندگی بھر تقلید اور قدامت پرستی کے خلاف مصروفِ جہاد رہا۔

ہال بش کی مشہور تصنیف "آئینِ فطرت" نظامِ مذاہب و حکومت کے خلاف اعلانِ بغاوت تھی۔ وہ کھونا کہا کرتا تھا۔

"اجارہ داران مذہب وحکومت نے دنیا کو آنسوؤں کی وادی بنا رکھا ہے"۔

مارکلے نے اپنی معرکہ آرا تصنیف "آئین فطرت" میں عمرانیات کا وہ انوکھا فلسفہ پیش کیا کہ افکار میں ایک زبردست انقلاب آگیا اور ذہنوں میں اشتراکیت کے جراثیم پرورش پانے لگے۔

رُوسو (۱۷۱۲ء – ۱۷۷۸ء) جدید فرانسیسی ادب کا بانی اور قدیم معاشی نظام کا دشمن تھا۔ اس کی مشہور تصانیف "معاہدۂ ملی" "اقبال جرم" اور "ایملی" ہیں۔ جن سے بعد میں طالسطائی اور گورکی بھی متاثر ہوئے۔

ان مفکرین کے علاوہ چند اور مصنفین بھی تھے۔ جو انقلاب فرانس کے بانی سمجھے جاتے ہیں۔

قرآن میں اللہ کی عادت یا آئین فطرت کی تفصیل درج ہے۔ اور میں آج اسی آئین فطرت کی تفسیر پیش کرنے لگا ہوں۔ بایں امید کہ شاید مؤرخ مستقبل مجھے بھی اس ذہنی انقلاب کے بانیوں میں شمار کرے جس کی خشت اول حکیم مشرق نے رکھی تھی۔ اور جس کی رفتار بعض مصری اور پاکستانی مفکرین کی بدولت تیز سے تیز تر ہو رہی ہے۔ مجھے وہ زمانہ بہت دور معلوم نہیں ہوتا جب کاروانِ انسانیت ایک ایسی منزل میں داخل ہو جائے گا۔ جہاں کی ملیح فضاؤں میں انسانیت کبریٰ کی شمعیں فروزاں ہوں گی اور جہاں گیر اخوت کی تجلیاں رقصاں۔

مُلا و برہمن کی شعبدہ کاریوں کی وجہ سے آج مذہب کائنات کا سب سے بڑا راز بن چکا ہے۔ آج انسان انسان سے اتنا دور جا چکا ہے جتنا زمین سے آفتاب۔ آج انسان انسان کو مٹانے کے لیے بڑے بڑے مہلک اسلحہ ایجاد کر رہا ہے۔ آج مجھے اقلیم انسانی میں درِ محبت کی ایک کرن تک نظر نہیں آتی۔ آج شبستانِ آدم میں حجاب در حجاب ظلمتیں ہیں اور تہ بر تہ تیرگیاں۔ جس افق سے نبوت کے آفتاب

ابھرا کرتے تھے۔ وہ عظیم ہو چکا اور جو دیئے ہمارے مفکرین نے جلائے تھے وہ بجھ گئے۔ آج کاروانِ آدم اوہام و ظنون کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے اور اس سے ضرورت محسوس ہوئی کہ پھر ایک چراغ شاہراہِ آدم پر جلایا جائے کہ شاید کوئی درماندہ راہی منزل کو پالے ؎

چراغِ خویش برافروختم کہ دستِ کلیم
دریں زمانہ نہاں زیرِ آستیں کردند — اقبالؔ

برقؔ

کیمبلپور۔ اٹوہر، ۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء

اسلام کی سیاستِ خارجہ

آج سے اڑھائی برس پہلے جب حکومتِ اسرائیل وجود میں آئی اور تمام عرب طاقتوں نے مل کر اس پر حملہ کر دیا، تو روس اور امریکہ دونوں کا شدید اختلاف تیسری عالم گیر جنگ کی صورت اختیار کر چکا ہے) ہر دو نے اپنے جیب حربی وسائل سے اسرائیل کی امداد کی کچھ عرصہ پیشتر جب ہندوستان دو حصّوں میں تقسیم ہُوا تو لندن سے دہلی تک اسلامیانِ ہند کے خلاف سازشوں کا ایک جال بچھ گیا۔ اور انگریز، ہندو سکھ سب ہماری تباہی کے لیے میدان میں اُتر آئے۔ ۱۹۱۹ء کی بغاوت اور اگست ۱۹۴۲ء کے ہندوستان گیر فسادات کانگرس کی تحریکِ آزادی کا نتیجہ تھے۔ یا یُوں کہیے کہ کانگرس کے عدم تعاون، فسادات، قتل و غارت اور مسلسل جدوجہد کی وجہ سے انگریز کو ہندوستان سے نکلنا پڑا اور دوسری طرف مُسلمانوں نے لاکھوں نوجوانوں کی قربانی دے کر دو لڑائیوں میں انگریز کے تاج و تخت کو بچایا، لیکن جب تقسیمِ ہند کا وقت آیا، تو لارڈ ماؤنٹ بیٹن[1]، ریڈکلف[2] اور مسٹر ایٹلی[3] نے ہمیں وہ چرکے دیے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی یہ زخم مندمل نہیں ہوں گے۔ دس لاکھ مسلمان مشرقی پنجاب میں کٹوا ڈالے اسی لاکھ کو پاکستان میں دھکیل دیا۔ تمام خزانہ و اسلحہ بھارت کے حوالے کر دیا اور کشمیر کی

---

[1] تقسیم کے وقت وائسرائے ہند۔ [2] تقسیمِ ہند کے متنازعہ مسائل پر فیصلہ دینے کے لیے آیا اور ریڈکلف ایوارڈ کے نام سے ایک نہایت غیر منصفانہ اور ظالمانہ فیصلہ دیا۔

[3] تقسیمِ ہند کے وقت وزیرِ اعظم برطانیہ۔

اسلامی ریاست ہندوستان کے سپرد کر دی۔ تاریخ کے چند ورق اور الٹیے اور دیکھیے کہ ۱۹۱۸ء میں تمام دول مغرب مل کر عثمانیوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ چند صدیاں پیشتر سارا یورپ صلاح الدین ایوبی کے خلاف صف آرا ہے اور پندرھویں صدی کے آخر میں سپین، فرانس اور چند دیگر عیسائی طاقتیں مل کر سرزمین یورپ کو خونِ مسلم سے لالہ زار بنا رہی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کو اسلام سے کیوں عداوت ہے؟ مسلمان کو ہر جگہ کیوں پیٹا جا رہا ہے؟ اور کیوں اس کی بربادی و ہلاکت پر تمام اقوام عالم ادھار کھائے بیٹھی ہیں۔ اس کا جواب صرف ایک ہے کہ ہم قرآنِ حکیم کی عظیم و جلیل سیاست خارجیہ (فارین پالیسی) کو بھول گئے اور اس کی جگہ ایک ایسی ناقص، غلط اور خانہ بر انداز حکمتِ خارجہ وضع کر لی کہ ہم دنیا کے بغض و عناد کا نشانہ بن کر رہ گئے۔

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ انسان کرۂ ارض پر اللہ کا نائب ہے۔ نائب کا کام اللہ کے احکام کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ وہ اپنی مرضی نہیں چلاتا بلکہ اپنے کارفرما کی مشیت و خواہش کو مملکت کا آئین بناتا ہے۔ اللہ کی مشیت کی تفصیل ان تمام صحائف میں ملتی ہے جو حضرت آدمؑ سے لے کر محمد عربی صلعم تک لاتعداد انبیا پر نازل ہوئے تھے۔ اللہ ایک تھا، نسل انسانی ایک تھی، فطرتِ انسانی ایک تھی۔ اس لیے ایک اللہ کا پیغام، ایک نسل انسانی کی اصلاح کے لیے ایک ہی ہو سکتا تھا۔ دس یا دس ہزار نہیں ہو سکتے تھے۔ سچائی ہر زمانے میں ایک تھی۔ اگر مذہب بھی کسی سچائی کا نام ہے تو اسے ہر زمانے میں ایک ہونا چاہیئے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ایک زمانے میں تو کہے کہ انسانی فطرت کی اصلاح و ارتقا کے لیے صداقت و دیانت لازمی ہیں۔ اور چند صدیوں بعد فرمائے کہ انسانی اصلاح صرف بد دیانتی اور بدکاری سے ہو سکتی ہے۔

عصر حاضر کا انسان دل و دماغ کی جلا کے لیے چند چیزوں کو ضروری قرار دیتا ہے۔

یعنی علم، سوسائٹی میں قابلِ تعریف، عقیدہ پاکیزہ، اخلاق شائستہ، گفتگو فواحش سے اجتناب اور رذائل سے احتراز وغیرہ۔ یہ عصرِ حاضری کی تخصیص نہیں، بلکہ ہر زمانے میں یہ اوصاف محاسن شمار ہوتے رہے۔ نسلِ آدم پر کوئی ایسا دور نہیں گذرا، جب تمام سوسائٹی نے مل کر زنا، چوری، فحش گوئی، رذالت، سفاہت، غلاظت، جہالت اور خباثت کو اپنی اصلاح کے لیے ضروری سمجھا ہو۔ اور ایسا ہونا ناممکن بھی تھا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فجور و تقویٰ کا علم انسانی فطرت میں رکھ دیا تھا۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس)	(اللہ نے خیر و شر کا علم انسانی فطرت میں رکھ دیا ہے)

اگر بالفرض انبیاء نہ بھی آتے تب بھی انسان خیر و شر کی ایسی راہیں تجویز کر لیتا جو اکثر و بیشتر الہامی ہدایات کے مطابق ہوتیں۔ یہ تو خدائے جلیل کی خاص نوازش تھی کہ اس نے ہمیں جوڑ نے بکھیرنے سے ہمیں بچا لیا اور خیر و شر کا مکمل دستور العمل ہر زمانے میں اپنے منتخب ایلچیوں کی معرفت ہمیں عنایت کرتا رہا۔ ہر چند کہ یہ ہدایات مختلف زبانوں میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن پیغام ایک تھا۔ حقیقت ایک تھی۔ بشیر جلیل ایک تھا اور امر عظیم ایک تھا۔ جو پیام حضرتِ خلیلؑ نے بابلی زبان میں دیا تھا اسی کو حضرت کلیمؑ و مسیحؑ نے عبرانی میں اور حضور علیہ السلام نے عربی میں دہرایا تھا۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (شوریٰ-۱۳)	(ہم نے اے رسول! تمہیں وہی دین دیا ہے جو تم سے پہلے حضرت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا گیا تھا۔ اس دین کو تھام کر متحد ہو جاؤ اور اختلاف سے بچو)
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	(یہ قرآن اللہ نے نازل کیا۔ جیسے

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۙ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ ؕ وَ اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ○ (الشعراء)

(روح الامین نے تیرے دل میں بھر دیا تاکہ تو دنیا کو بدکاری کے نتائج سے آگاہ کرے۔ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے جو گذشتہ انبیاء کے صحائف میں بھی موجود ہے)

کس قدر صاف اعلان ہے۔ اس حقیقت کا کہ اللہ کا دین ہر زمانے میں ایک تھا۔ قرآن نے اُسی دین سے پھر حجاب اُٹھایا۔ اسی حقیقت کو پھر زندہ کیا اور فرمایا کہ اسلام کوئی نیا مذہب نہیں۔ بلکہ یہ تمہارے اسلاف کی وہی قدیم راہ ہے۔ جسے تم ترک کر چکے تھے۔ اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلو اور اُسی صراطِ مستقیم اور اُسی شاہراہِ عظمت کی طرف واپس آؤ۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَ یَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (النساء)

(نزولِ قرآن سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہاری گمراہیوں کو واضح کریں۔ اور ان اسلاف کی راہوں پہ پھر ڈال دیں، جنہیں تم چھوڑ چکے ہو)۔

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی (الاعلیٰ)

(یہ قرآن پہلی کتابوں یعنی صحائف ابراہیم و موسیٰ میں بھی موجود ہے۔)

قرآنی سیاست کی تعمیر اتحادِ آدم کی بنیادوں پہ اٹھائی گئی تھی۔ اس لیے اللہ نے بار بار اختلاف و افتراق کے نتائج سے ڈرایا اور مختلف عبارتوں اور طریقوں سے واضح کیا کہ ہمارا محمد (صلعم) کسی نئی جماعت یا فرقے کا بانی نہیں وہ کوئی نئی گدی جمانے کے لیے نہیں آیا۔ وہ کسی نئی تحریک کا علمبردار نہیں۔ وہ تجدد و مداہنت نہیں چاہتا۔ وہ لیڈری

نہیں لگتا۔ وہ کسی قسم کا حزب الاختلاف نہیں بنانا چاہتا۔ بلکہ قسمت سے بھاگے ہوئے
بندوں کو اللہ کی طرف بلانا چاہتا ہے۔ وہ بکھری ہوئی کلیوں سے ایک حسین گلدستہ تیار
کرنا چاہتا ہے۔ وہ منتشر بوندوں کو سمندر کا جلال اور فلاتِ پریشاں کو صحراؤں
کی پہنائیاں عطا کرنا چاہتا ہے۔ اس کا مقصد ائتلاف ہے افتراق نہیں۔ اتحاد ہے
انتشار نہیں۔ وہ گذشتہ صحائف کی تنقیص نہیں کرتا۔ وہ پہلے انبیاء کی تحقیر نہیں کرتا۔ بلکہ
ایک عجیب انداز احترام سے کہتا ہے۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۔ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ۔ فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۔ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۔ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۔ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۔ قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ
(عبس)

(یہ قرآن طالبِ رشد و ہدایت کے لیے مکمل دستور ہے۔ اس کی تعلیمات اُن مقدس، عظیم اور بلند صحیفوں میں موجود ہیں۔ جنہیں جلیل المرتبت اور مُطہر النفوس انبیاء اپنے ہمراہ لائے تھے۔ مر جائے انسان۔ اِس حقیقت کو تسلیم کیوں نہیں کرتا)

سمع و بصر اور فہم و خرد۔ یہ سب چھن چکے ہیں۔ اس لیے تسلیم نہیں کرتا۔ صرف اس
غلط تصور سے کہ دیگر اقوام کے صحائف غلط ہیں یا ناقص ہیں اور میری کتاب بہترین۔
میں خود بہترین اور میرا دین بہترین ہے۔ زمین و آسمان فساد سے بھر گئے۔ انسان نے
اُچھل اُچھل کر اور میری امت کے نعرے لگا لگا کر اپنے جنس کے سینے چاک کئے۔ معصوم
بچوں کو دیواروں کے ساتھ میخیں لگا کر لٹکا دیا۔ عبادت گاہوں کے مقامات مقدس جہالت میں جلتے
سینے الاؤ سے بھر دیئے اور حسین نوجوانوں کو گہرے کھڈوں میں دھکیل کر شیطانی قہقہے
لگائے۔

قُتِلَ الْإِنسَانُ مَا أَكْفَرَهُ (انسان کتنا بڑا کافر ہے۔)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ اس ایک غلط تصور کے نتائج کس قدر بھیانک نکلے۔
اللہ تعالیٰ حاملینِ قرآن کو اس فتنہ سے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اس لیے بار بار اعلان فرمایا کہ تمام انبیاء کی تعلیم ایک تھی۔ دستور العمل ایک تھا۔ پیام ایک تھا۔ بلکہ کتاب بھی ایک ہی تھی جو ہم مختلف نسلوں اور مختلف زمانوں میں بار بار نازل کرتے رہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ.

(ابنِ آدم ایک ہی امت ہے۔ جس کی طرف ہم مختلف انبیا بھیجتے رہے ہیں۔ لیکن انہیں جو کتاب دی تھی وہ ایک تھی)

الکتاب (مفرد) کہا ہے نہ کہ کتب (جمع)، بلکہ ایک مقام پر تو یہاں تک فرما دیا کہ قرآن میں باقی انبیا کے صحائف بھی موجود ہیں۔

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ. (البینہ)

(محمد (علیہ السلام) وہ مقدس دستور پیش کر رہے ہیں۔ جس میں گذشتہ انبیا کی تمام کتابیں موجود ہیں۔)

چونکہ قرآن میں پہلے صحائف بھی موجود تھے۔ اس لیے قرآن کے لیے جمع کا صیغہ (صُحُفًا) استعمال فرمایا۔ بدیگر الفاظ قرآن کیا ہے۔ تورات، انجیل، تلمود، زبور، وغیرہ اور صحائف گذشتہ کا ایک نام ہے۔ قرآن دیکھا آپ نے کہ نسلِ آدم کو ایک کنبہ اور ایک امت بنانے کے لیے اللہ سبحانہٗ نے کیا شاندار نسخہ پیش فرمایا کہ صحائفِ انبیا کو ایک کتاب سمجھو۔ ان کی تعلیم ہر لحاظ سے ایک تھی انسان کا مذہب ہر زمانے میں ایک تھا اور ایک ہے۔ اس لیے آؤ، اختلاف کی دیواریں گرا دو۔ افتراق کی خلیجیں پاٹ دو اور مختلف مذاہب کے مصنوعی اور گندے نقاب چہرے سے اتار پھینکو۔

تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان کر گلے مل جاؤ۔

اللہ نے قرآن میں جہاں ہمیں حضور علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ پہ چلنے کا حکم دیا وہیں ہمیں یہ ہدایت بھی کی کہ دیگر انبیا علیہم السلام کی حیات ہائے مقدسہ کا بھی مطالعہ کرو اور ان کے نقوشِ قدم پہ چلو۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْآخِرَ (ممتحنہ)	(ان انبیائے کرام کی زندگی اُن لوگوں کے لیے اُسوۂ حسنہ ہے جو اللہ اور قیامت سے اُمیدیں باندھے ہوئے ہیں۔

تعصب ایک بڑا خطرناک مرض ہے۔ جو انسان کو وحوش و بہائم سے بدتر بنا دیتا ہے۔ یہ تعصب ہی ہے جو ہمیں گذشتہ انبیا کے سوانح حیات نہیں پڑھنے دیتا۔ اور نہ اُن کے اوصاف کو اوصاف سمجھنے دیتا ہے۔ ہم میں کتنے ایسے مسلمان موجود ہیں۔ جنہوں نے تورات و زبور کی صورت بھی کبھی دیکھی ہو۔ جنہوں نے انجیل میں حضرت مسیح علیہ السلام کے اُسوۂ حسنہ کا مطالعہ کیا ہو اور اُن کی روحانیت و صداقت سے لبریز مواعظ سے فائدہ اُٹھایا ہو۔

ایک مرتبہ میں نے ایک مُلّا نما مسلمان سے کہا کہ انجیل شریف میں حضرت مسیح کا پہاڑی خطبہ بے حد مؤثر، دلکش اور سبق آموز ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجئے گا۔ کہنے لگا۔ "ڈاکٹر صاحب! مرنے سے پہلے میرا ایمان تو خراب نہ کرو"۔ کیا کہنا اس دلچسپ ایمان کا۔ دنیائے اسلام ایسے مسلمانوں سے بھری پڑی ہے جن کا ایمان نہ شیکسپیئر پڑھنے سے خراب ہوتا ہے، نہ ارسطو کی ہفوات سے اور نہ کوک شاستر کے مطالعہ سے۔ لیکن اللہ کے مقدس کلام کو جو حضرت مسیحؑ جیسے اولوالعزم رسول کی وساطت سے ہم تک پہنچا تھا، چھُو بھی لیں تو اُن کا ایمان تباہ ہو جاتا ہے۔ یہ ہے

غلط بینی۔ کج فکری اور کج فہمی کی انتہا۔

قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (اللہ انہیں قتل کرے یہ کہاں بھٹک رہے ہیں!)

آج سے بارہ برس پہلے راولپنڈی میں صرف ایک ہی کالج تھا۔ یعنی گارڈن کالج، جس کی عنانِ نظم و نسق امریکی مشن کے ہاتھ میں ہے۔ میرے ایک متدین اور پختہ قسم کے مسلمان دوست نے مفلس ہونے کے باوجود اپنا بچہ لاہور کے ایک کالج میں داخل کرادیا۔ اور گھر کے کالج سے فائدہ نہ اٹھایا۔ میں نے وجہ پوچھی، تو فرمانے لگے:

"گارڈن کالج میں انجیل پڑھائی جاتی ہے۔ جس سے متاعِ ایمان کے غارت ہوجانے کا خطرہ ہے۔" میں نے عرض کی۔ اے کے نصاب میں فارسی، اردو اور انگریز شعرا کا عشقیہ کلام بھی شامل ہے۔ جس میں عشق بازی کی تعلیم اور عیاشی کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ایرانی شاعری عریاں امرد پرستی کا سبق دیتی ہے۔ رندی و میخواری کی تلقین کرتی ہے۔ خدا اور رسول کا تمسخر اڑاتی ہے۔ نہیں، بلکہ صریحاً توہین کرتی ہے۔ مثلاً

زاہد بہ طنز گفت، حرام است مے مخور
گفتم کہ چشم و گوش بہ ہر خر نمی کنم
(حافظ شیرازی)

یا

ابریق مے مرا شکستی ربی | بر من در عیش را ببستی ربی
بر خاک بریختی مے لعل مرا | خاکم بدہن، مگر تو مستی ربی
(عمر خیام)

ان خرافات سے تو آپ کے لڑکے کا ایمان خراب نہیں ہوتا۔ بلکہ تازہ ہوتا ہے لیکن اگر حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ ارشادات سن پائیں۔

سنگباری سے اپنے ایمان کو بچائیں تو کیونکر۔

ان، تو یہی عرض یہ کرنا تھا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو ایک ہی پیغام اور ایک ہی کتاب دی گئی تھی۔

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ (السجدة)

(اے رسولؐ ہم تمہیں وہی پیغام دے رہے ہیں جو گزشتہ انبیا کو دیا گیا تھا)

پیغام لانے والے سب کے سب جلیل المرتبت انبیا تھے اور پیغام دینے والا وہی ذی الجبروت رب تھا، جس کی صناعی و خلاقی کے صد رنگ کرشمے تم ارض و سما میں عیاں و نہاں دیکھ رہے ہو۔ اُس علیم و حکیم کی علمی سطح ازل سے ایک ہے اور ابد تک ایک رہے گی۔ اُس نے آج تک جو کچھ کیا وہ سراپا حیرت تھا اور جو کچھ کہا وہ سراپا اعجاز تھا۔

اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ آغاز میں جب اللہ تعالیٰ نے آم کا درخت پیدا کیا تھا، تو اس کے ساتھ مدتوں گندے آم لگتے رہے۔ بعد میں جب اللہ تعالے کافی تجربہ کار ہو گیا، تو تب ہی آم ترقی پا کر مالدہ۔ لنگڑہ اور دوسہری بن گئے۔ تو مولانا جھٹ کہیں گے لَقَدْ كَفَرَ (تم کافر ہو) اور اگر وہی شخص یہ کہہ دے کہ آغاز میں وحی صرف ایک قوم اور ایک خطۂ زمین تک محدود ہوا کرتی تھی۔ وہ تمام نسل انسانی کی ہدایت کے لیے ناکافی تھی۔ اور اس میں قرآن کی فصاحت و بلاغت نہیں تھی تو آپ جھٹ کہہ اٹھیں گے۔ (مختلف رہیں بہت خوب کہا) مولانا سے کون پوچھے کہ حضرت! جب اللہ کی تمام صفات ہر لحاظ سے مکمل ہیں، اور کلام بھی اس کا ایک وصف ہے۔ تو پھر آپ تورات کی زبان کو بلحاظ فصاحت قرآن کی زبان سے کمتر کیوں سمجھ رہے ہیں۔ کیا نزولِ تورات کے وقت اللہ کو صحائف اتارنے کا پورا تجربہ نہیں تھا؟

اس لیے یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ فصاحت و بلاغت ، پاکیزگی مضامین اور
اعجاز معانی کے لحاظ سے اللہ کا کلام ہر زمانے میں بے مثال و عظیم الشان تھا ۔ اگر
قرآن ہدایت و نور ہے تو تورات بھی یقیناً شفا و فرقان تھی ۔ انسانی کلام میں نشیب و
فراز ممکن ہے ۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی نظم دوسری
سے کمتر درجے کی ہو ۔ لیکن خدائی کلام کے متعلق ایسا فرض کرنا اللہ کی صریح
توہین ہے ۔

قرآنی سیاست خارجہ کی تعمیر چار ستونوں پر استوار کی گئی ہے ۔ انہیں میں سے ایک
یہ اعلان ہے کہ دنیائے انسانی کا مذہب ایک ہے ۔ آپ ان فسادات سے آگاہ ہیں
جو اختلاف مذاہب کی بنا پر دنیا میں ہوتے رہے ۔ اگر آج ہم نشر و اشاعت کے
تمام وسائل کو استعمال میں لا کر یہ حقیقت دنیا کے ذہن نشین کر دیں کہ اے آدم
کے بیٹو! تمہارا مذہب ایک ہے ۔ تم کیوں حماقت و جہالت کا مظاہرہ کر رہے
ہو اور خواہ مخواہ کیوں لڑ رہے ہو تو انقلاب انگیز اعلان کے دو حقیقی نتائج برآمد
ہوں گے ۔ اول : دنیا میں مذہبی لڑائیاں ختم ہو جائیں گی ۔ دوم دنیا ہمیں اپنا
محسن سمجھ کر ہماری طرف مائل ہو جائے گی ۔ اور یہ دونوں وہ مقاصد ہیں ۔ جنہیں
اسلام حاصل کرنا چاہتا ہے ۔

دوسرا ستون اللہ نے حضور کو عربوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا ۔ سوال پیدا ہوتا
ہے کہ کیوں؟ اس کا ایک ہی جواب ہے کہ جس طرح سمندروں،
ہواؤں اور بادلوں کا مالک پیاسے کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے گھٹاؤں کے قافلے
بھیجتا ہے ۔ اسی طرح جب انسان کی روح شدت تشنگی سے مضطرب ہو جاتی ہے تو
اس کی رحمت انبیا کی صورت میں نازل ہوتی ہے ۔ حضرت کرشن علیہ السلام
فرماتے ہیں ۔

چوہنیا ودیں شسست گرو ہے
لیائیم خوبیہ را . آ . تشنگل نے
(گیتا ترجمہ نیفی)

چھٹی صدی عیسوی کے آخر میں اہل عرب کی دنیا نے دل احتراق والتہاب کا وہ المناک منظر پیش کر رہی تھی کہ رحمت بے قرار ہو گئی، اور کوہ فاران کے دامن سے سیلاب بن کر پھوٹ نکلی۔ یہ امتیاز صرف عربوں کو حاصل نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہر ملک، ہر قوم اور ہر خطۂ زمین باران الہام سے فیض یاب ہوتا رہا۔ سطح زمین کے ہر حصے میں انسان آباد تھے۔ ہر مقام پر اللہ نے ان کی روحانی و جسمانی تربیت کا انتظام کیا۔ ہر جگہ بارشیں برسائیں۔ کھیتیاں اگائیں۔ پھل پھول پیدا کئے۔ زمین کے بطن سے سمندر اور چشمے پانی کے چشمے نکالے۔ ہر جگہ سورج، چاند اور ستاروں کی کرنیں نور و قوت کے خزائن انڈیلنے کے لیے بھیجیں۔ ہر مقام پر انسان کو سمع و بصر کی نعمت سے نوازا۔ ایک محکم اور مکمل جسمانی نظام عطا کیا۔ اور قوائے فکر و نظر سے بہرہ ور بنایا۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ جس اللہ نے انسان کی جسمانی غور و پرداخت کے لیے گھٹاؤں، ہواؤں، پہاڑوں، آفتابوں اور مہتابوں کا پرشکوہ نظام قائم کیا تھا، وہ انسان کی روحانی تربیت سے بالکل غافل تھا، کبھی نہیں۔ جسمانی و روحانی تکمیل کی دونوں پر ذاتاً میں تقاضائے ربوبیت تھا۔

أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَشَفَتَيْنِ وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ (البلد)	(کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم نے انسان کو دو آنکھیں، دو ہونٹ اور ایک زبان دینے کے بعد دو راہیں بھی دکھا دیں)

میں اس حقیقت پر مکمل ایمان رکھتا ہوں، کہ تمام جہانوں کے رب نے تمام ملکوں اور قوموں کی طرف انبیا بھیجے تھے۔

یہود و نصاریٰ کی طرح ہندو اور اہل چین بھی قوم کہلاتے ہیں۔ ان کی کمسار کروڑوں سے متجاوز ہے۔ یہ لوگ ازمنہ قبل از تاریخ سے اپنے ممالک میں آباد ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس اللہ نے صرف چند لاکھ عربوں کی طرف سینکڑوں انبیاء مثلاً نوح، ابراہیم، موسیٰ اور محمد علیہ السلام بھیجے تھے کیا اس کے پاس چالیس کروڑ چینیوں اور تیس کروڑ ہندوؤں کے لیے کوئی پیغمبر نہیں تھا۔ یقیناً تھا۔ سنو اللہ کا فیصلہ:

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)	(ہم نے ہر قوم کی طرف ہادی و رہبر بھیجے)

سورۂ فاطر میں اس مضمون کو یوں ادا فرمایا:

وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ ٥	(ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا آیا)

ایک مولوی صاحب سے ان آیات کے متعلق گفتگو ہوئی۔ تو فرمانے لگے:
ہادی و نذیر کے لیے نبی ہونا ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہندوستان و چین میں سر سید جلال الدین الثانی یا بابا گرونانک جیسے رہنما گزرے ہوں اور نبی کوئی نہ آیا ہو۔ جب میں نے قرآن کی یہ آیت پیش کی:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا	(ہم نے یقیناً ہر قوم کی طرف کوئی نہ کوئی رسول بھیجا تھا)

تو آپ لاحول پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے۔

آیات بالا سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اللہ کے انبیاء تمام اقوام کی طرف آئے تھے جو ایک رب کائنات سے ایک نسل انسانی کی طرف ایک ہی پیغام لاتے تھے اس پیغام کو عربی میں اسلام، اردو میں اطاعت و تعمیل، فارسی میں "خود را بخدا سپردن" یعنی اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا اور انگریزی میں سرنڈر (SURRENDER) یا

(سبا ۱۳: ۱۹ ، ۵ تا ۱۳) یعنی خدائی احکام کے سامنے جُھک جانا لکھتے ہیں چونکہ ان صحائف کا پیغام ایک تھا۔ بالکل وُہی جو قرآن میں موجود ہے۔ اس لیے ہم یہ اعلان کرنے پر مجبور ہیں کہ اسلام کا اجارہ صرف ہمارے پاس ہی نہیں بلکہ دُنیا کی ہر قوم اس نعمت سے بہرہ ور ہے اور ظاہر ہے کہ جو فرد یا قوم ان اسلامی صحائف پر عمل پیرا ہوگی۔ وُہی مسلم کہلائے گی۔ حضرت نوحؑ اور ان کے پیرو مسلم تھے۔ حضرت نوح فرماتے ہیں۔

وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (مجھے اللہ نے مُسلم بننے کا حکم دیا ہے)

حضرت ابراہیمؑ اپنی اولاد کو ہدایت کرتے ہیں:

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (تم مرتے دم تک مُسلم رہنا)

حضرت موسیٰؑ یہودیوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں:

فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ (اگر تم مُسلمان ہو تو صرف اللہ پہ تکیہ کرو)

جب ساحرینِ فرعون حضرت موسیٰؑ پر ایمان لاتے ہیں۔ تو کہتے ہیں:

رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِينَ (اے رب ہمیں استقلال دے اور آخری دم تک اسلام پہ قائم رکھ)

حضرت یوسفؑ دُعا مانگتے ہیں:

تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ (مجھے اسلام میں موت دے اور صالحین میں شامل کر)

حضرت مسیحؑ کے حواری ایمان لانے کے بعد کہتے ہیں:

قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (اے اللہ ہم ایمان لے آئے۔ تو ہمارے مُسلمان ہونے پر گواہ رہنا)

یہ تو ان اقوام کا ذکر تھا جن کے انبیاء کا تذکرہ قرآن میں ملتا ہے۔ بلیسیوں

اقوام ایسی بھی ہیں جن کے انبیا کا ذکر قرآن میں موجود نہیں.

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ

(ہم تم سے پہلے دنیا میں اپنے انبیا بھیجتے رہے۔ جن میں سے بعض کا ذکر قرآن میں موجود ہے اور بعض کا نہیں۔)

چونکہ یہ تمام انبیا صرف ایک مذہب یعنی اسلام کی تبلیغ کرتے رہے اس لیے ان کے پیرو مسلم کہلاتے تھے. مجھے یوں نظر آتا ہے کہ آغاز میں صرف ایک امت تھی جس کا مذہب اسلام تھا. بعد میں آ گئے پادری، برہمن، مثلاً پنڈت، گیانی، پوپ، مفتی اور قاضی. ان لوگوں نے انسانی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا. اسلام کی دھجیاں اڑا دیں اور ابن آدم کو یہود و نصاریٰ، ہندو، یعنی سنی و شیعہ اور وہابی و احمدی میں بانٹ کر رکھ دیا.

وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ○

(نسل آدم ایک ہی امت تھی. لیکن گروہوں میں بٹ گئی. اگر ہماری حکمتیں حائل نہ ہوتیں. تو ہم اس اختلاف کا یہیں فیصلہ کر دیتے.)

بہر حال یہ حقائق کسی مزید تشریح کے محتاج نہیں کہ خدائی مذہب کا نام اسلام تھا. اور اس کے پیرو مسلم کہلاتے تھے. بعد میں یہ لوگ یہود و ہنود بن گئے اور پھر سنی و شیعہ کہلانے لگے. آج تم میں اور اُن میں دیواریں نہیں بلکہ طویل و عریض پہاڑ حائل ہو گئے ہیں. ہمارا یہ قرآنی و خدائی فرض ہے کہ ہم کوہ الوند کی بلندیوں سے چیخ کر اعلان کریں کہ اے آدم کے بیٹو! تمہارا مذہب ایک ہے. تم اپنی کتابوں پہ غور کرو. ہم اپنی پہ غور کرتے ہیں. تم اپنی تعلیم کا خلاصہ تیار کرو، ہم اپنی کا.

پھر مل کر بیٹھیں اور سوچیں کہ کیا ہم دونوں کی تعلیمات میں کوئی چیز متضاد موجود ہے۔ اگر نہ ہو اور یقیناً نہیں، تو پھر کیوں نہ ہم مل کر کام کریں۔ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلیں۔ بھائیوں کی طرح آگے بڑھیں۔ امن و سلام قائم کرنے کے لیے ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور اس زمین کو راحت و اخوت کی جنت بنا دیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ (اے صحائف والو، آؤ مشترک احکام پر مل کر عمل کریں۔)

یہی وہ عالمگیر اخوت، اتحاد عالم، محبت اور جمعیت آدم تھی۔ جس کا خواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھا تھا۔ اور جس کی تفسیر حکیم مشرق نے ان الفاظ میں پیش کی تھی۔

مکہ نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام ؟ کہ جمعیت آدم ؟
(ض۔ ک)

اور یہ تھا اسلامی سیاست و حکمت خارجہ کا دوسرا محکم ستون۔

تیسرا ستون

اسلامی جہانبانی کا مقصد دنیا میں امن قائم کرنا اور کرۂ ارضی کو دارالسلام بنانا ہے۔

وَاللّٰهُ یَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۔ (اللہ تمہیں دعوت دیتا ہے۔ کہ دنیا کو دارالسلام بناؤ)

اور اس مقصد کا حصول اس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک اقوام عالم جبر و ستم، غصب حقوق اور حرص و آز سے دست بردار نہ ہو جائیں جب تک برطانیہ کی چشم آز ایران و بحرین کے تیل پہ لگی ہوئی ہے۔ جب تک فرانس مراکش الجیریا اور انڈو چائنا کی دولت سے دست کش نہیں ہوتا۔ جب تک امریکہ کی لوٹ کھسوٹ عربستان میں اور ہالینڈ کی جزائر شرق الہند میں ختم نہیں ہوتی۔ دنیا میں

قیامِ امن کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ غصب حقوق، ظلم، لوٹ کھسوٹ اور فسق و فجور کا لازمی نتیجہ بدامنی ہے۔ اگر کسی علاقے میں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہوں اور لوگ کھلم کھلا فواحش کے مرتکب ہوتے ہوں، تو وہاں امن نہیں ہو سکتا۔ بدامنی ایک لعنت ہے، جو بدکاری یعنی کفر کا نتیجہ ہے۔ اور امن ایک نعمت ہے جو عدل و انصاف، بلند کرداری اور خیر و معروف یعنی اسلام سے حاصل ہوتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	(اگر ہم اپنے نیک بندوں کو دنیا کی
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	آقائی عطا کر دیں تو وہ شب و روز
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا	ہمارے سامنے جھکیں (اقاموا الصلوٰۃ)
عَنِ الْمُنْکَرِ (حج)	ہمارے غریب بندوں کی بہتری پہ اپنی

دولت خرچ کریں (اٰتوا الزکوٰۃ)، وہ عدل و احسان، رحم، محبت، خدمت خلق اور نیکی کا حکم دیں (معروف)، اور ہر قسم کی بدکاری، ستم کاری (منکر) کا استیصال کر دیں۔)

امن و سماء پہ ایک سرسری سی نگاہ ڈالو، تمہیں ہر چیز مومن و ساجد نظر آئے گی۔ سورج وقت پر نکل اور ڈوب رہا ہے۔ ستاروں کے قافلے نہایت باقاعدگی کے ساتھ اپنی فضا میں جولاں پہ رواں ہیں۔ ہوائیں کندھوں پہ گھٹاؤں کے ڈول لیے اپنی منزل کی طرف جا رہی ہیں۔ شہد ہر جگہ شہد بنا رہی ہے۔ دریا ہر مقام پر نشیب کی طرف بہہ رہے ہیں۔ اور نور ہر جگہ اپنے مرکز کی طرف مائل بہ پرواز ہے۔ یہ کیوں؟ اس لیے کہ کائنات کا ہر منظر اپنے مستقر کو جا رہا ہے۔ اپنے ضابطے پر چار و ناچار چل رہا ہے اور از عرش تا فرش مشیت الٰہی کی تعمیل میں مصروف ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارض و سماء میں کہیں کوئی بدنظمی جیسی برہمی نہیں، نقص نہیں، فتور نہیں۔

فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ۔ (اس کائنات کو بار بار دیکھو، کیا تمہیں کوئی فتور نظر آتا ہے؟)

کیسے نظر آئے جب تمام کائنات ساجد و راکع ہے۔ مومن و مسلم ہے اور اپنے قرآن (دستور العمل) کی تعمیل پر ہمہ تن محو ہے۔ اسی تعمیل، اسی تسلیم اور اسی رکوع و سجود کا دوسرا نام دین یا اسلام ہے۔ جسے حامل قرآن سطح زمین پہ نافذ کرنا چاہتا ہے۔ کیا کوئی ایسا انسان موجود ہے۔ جو تسلیم و سجود کی عظمت و افادیت سے منکر ہو۔ کوئی ہے جو کفر و عصیان کو باعث جلال و عظمت سمجھتا ہو۔ اگر ہے تو اُسے کہو کہ کائنات کے ایمان و اسلام پہ نظر ڈالو اور اپنے نقطۂ نگاہ کی اصلاح کرو۔

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ۝ (آل عمران)

(کیا یہ لوگ اسلام کے بغیر کسی اور دین کی تلاش میں ہیں؟ کیا یہ دیکھتے نہیں کہ زمین و آسمان کی کل کائنات مسلم ہونے پر مجبور ہے اور ہر چیز منازل ارتقا طے کرتے ہوئے (الیہ یرجعون) اللہ کی طرف جا رہی ہے)

اگر فضائے آسمانی کا کوئی کرہ ایک لمحے کے لیے آئین تسلیم (اسلام) کو چھوڑ دے، تو ربّ السمٰوٰت اُسے کسی مہیب ستارے پہ دُہ پٹخنی دے کہ اُس کی حیات کا فراز کا نشان تک باقی نہ رہے۔ آقائے کائنات شجر و حجر، جن و بشر اور شمس و قمر سے مکمل اطاعت، تسلیم، انقیاد اور اسلام چاہتا ہے۔ اور کیوں نہ چاہے ہے کوئی ایسا حاکم جو نافرمانی کو پسند کرتا ہو۔ کوئی نہیں اس لیے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران)

(اسلام کے بغیر کوئی اور دین ہمارے سامنے لے کر آؤ گے تو ہم اسے ٹھکرا دیں گے)

کائنات بڑی عظیم ہے۔ اس کے سمندروں میں جلال ہے۔ پہاڑوں میں جلال ہے۔ کوہساروں میں عظمت ہے۔ فضاؤں میں رفعت ہے۔ طوفانوں میں ہیبت ہے۔ سیلابوں میں سطوت ہے کیوں؟ اس لیے کہ یہ پابند تسلیم ہے۔ اگر انسان بھی کائنات کا دین اختیار کرے تو وہ کائنات کا ہم آہنگ و ہم قدم بن جائے۔ وہ چلے تو تاروں کا ہم سفر ہو کر۔ گائے تو آبشاروں کا ہم نوا بن کر۔ ہنسے تو کلیاں مسکرا دیں۔ روئے تو گھٹائیں برس پڑیں۔ اٹھے تو لاکھوں حشر اٹھ پڑیں۔ بیٹھے تو کائنات کا دل بیٹھ جائے اور تیر چلائے تو ندا آئے۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

(یہ تیر تم نے نہیں چلایا: بلکہ ہم نے چلایا ہے۔)

قطرہ سمندر سے باہر کتنا حقیر ہے۔ اور سمندر میں کتنا عظیم۔ یہ کائنات تسلیم و انقیاد کا ایک سمندر ہے۔ ہم خوگر تسلیم بن کر اس کائنات کا ایک جزو بن جاتے ہیں۔ نہیں نہیں بلکہ پوری کائنات بن جاتے ہیں۔ جھکنا (تسلیم) ہی وہ زینہ ہے جو انسان کو انسانیت کبریٰ کے اُفق اعلیٰ پر پہنچا دیتا ہے۔ اور اسی کا نام اسلام ہے۔ جو امن عالم کا محافظ اور عظمت آدم کا ضامن ہے۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اسلام کا مقصد قیام امن ہے۔ جو اقوام عالم کے تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ آخر دنیا کے دو ارب پچاس کروڑ انسانوں کی اکڑی ہوئی گردنوں کو امر الٰہی کے سامنے جھکا دینا کوئی کھیل نہیں۔ دوسری طرف بین الملی تعاون کا حصول بھی کوہکن کے جوئے شیر سے کم نہیں۔ مذہب انسان کی

وہ ذکی حس ہونی رگ ہے کہ ذرا ہاتھ لگ جائے تو ساری فضا نالہ و شیون سے گونج اٹھتی ہے۔ ایک انسان ذاتی توہین، گالیاں، مار پیٹ، چوری اور حوادث مرگ و فراق برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے خدا، مذہب، کتاب، رسول اور مرشد کے خلاف ایک لفظ تک نہیں سن سکتا۔ اگر ان میں سے کسی ایک کی تعریف کی جائے تو وہ بے حد خوش ہوتا ہے۔ ظہور پاکستان سے پہلے راولپنڈی کے ایک نامدھاری سکھ مسلمانوں کے ہاں سیرت کے جلسوں میں رسول کریم صلعم کی حیات مطہرہ پر تقریریں کیا کرتے تھے۔ ہر تقریر کے بعد دو چار روز تک سردار موصوف کی وسعت نظری و پاک نگاہی کا چرچا رہا کرتا تھا۔ دوسری طرف ایک مرتبہ ایک مسلمان پروفیسر نے ایک کالج کے احاطہ میں کہیں کہہ دیا کہ سقراط، کرشن اور محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اقوال پاکیزگی و حقیقت کے لحاظ سے ہم سطح ہیں بس پھر کیا تھا۔ ملائی ذہنیت نے اس کی وہ خبر لی کہ توبہ ہی بھلی۔ دوسری اقوام کے انبیا پر ایمان لانا۔ ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنا۔ ان کے مناقب بیان کرنا۔ انہیں ہر لحاظ سے محمد صلعم کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیمات قرآن کہنا ہمارا مذہب تھا لیکن اسے کیا کریں کہ بعض غیر مسلم اور علم اپنا سارا زور قلم اور سہ پہر ڈول کی ساری طاقت انبیائے سلف کی توہین و تحقیر پر صرف کر رہے ہیں۔ کیا ہر جمعہ کو ہمارے خطبات میں یہ جملہ نہیں دہرایا جاتا:

وَالسَّلَامُ عَلٰی خَیْرِ الْاَنْبِیَاءِ (اللہ کے بہترین پیغمبر یعنی محمد صلعم پر سلام ہو)

اور کیا اس کا مطلب صریحاً یہ نہیں کہ باقی انبیا ہمارے رسول سے گھٹیا ہیں۔ کیا ان خطیبوں کی نظر سے یہ حدیث نہیں گذری:

لَا تَقُوْلُوْا اَنَا خَیْرٌ مِّنْ ... (مت کہو کہ میں یونس پیغمبر سے

یونس۔ (افضل حسین)

کیا ان امۃ الاسلام کے قرآن سے یہ آیات غائب ہو چکی ہیں؟

كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ - (البقرہ)

(ہم مسلمان اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں اور اس کے تمام انبیاء پر یوں ایمان لاتے ہیں کہ کسی کو چھوٹا بڑا نہیں سمجھتے)

امن عالم کے مشکل اور تعاون اقوام کے متلاشی مسلمانوں کے لیے ضروری تھا کہ دنیا کی تمام اقوام یعنی عرب و عجم، فرنگ و حبش، چین و ہند اور ایران و یونان کے انبیاء مثلاً موسیٰ و عیسیٰ، ابراہیم و محمد، رام و کرشن، سقراط و کنفیوشس اور زرتشت و بدھ علیہم السلام کی صداقت اور ان کے صحائف پر ایمان لاتا، ان کی تعلیمات پر مقالے لکھتا، انہیں تعلیم قرآن سے ثابت کرتا، کسی کو چھوٹا بڑا نہ کہتا، سب کی برابر تعظیم کرتا، سب پر برابر درود و سلام بھیجتا، سب کا کلمہ پڑھتا، سب کے احکام مانتا اور سب کو نسل آدم کا ہادی و راہنما تسلیم کرتا۔ لیکن ہماری حالت کیا ہے۔ ہم[1] وید و گیتا کی تعلیم کو پڑھے بغیر مشرکانہ کہتے ہیں۔ تورات و انجیل کو بلا تحقیق محرف ٹھہرا چکے ہیں۔ زرتشت کو ایک آتش پرست ملحد قرار دیتے ہیں۔ مہاتما بدھ کو منکر خدا بتاتے ہیں۔ اور سقراط کو محض ایک مشکک فلسفی کا درجہ دیتے ہیں۔ کیا آپ اس حقیقت کو بھول گئے کہ اللہ نے ہر قوم کی طرف انبیاء بھیجے تھے۔ کیا ہند و چین قوم نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو پھر ان کے انبیاء پر تم کیوں ایمان نہیں لاتے۔ ان کی کتابوں کو کیوں تسلیم نہیں کرتے۔ کیا آپ نے

---

[1] مزید تفصیل و تحقیق اوراق آئندہ میں آئے گی۔ برق

قرآن عظیم میں یہ وعید نہیں دیکھی۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا (النساء)

(جو شخص اللہ و ملائکہ، آسمانی صحائف اس کے انبیا اور یوم آخر کا انکار کرتا ہے، وہ بہت بڑا گمراہ ہے۔)

مزید تشریح اس آیت میں دیکھیے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۝ (النساء)

(جو لوگ اللہ اس کے انبیا میں تفریق پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض انبیا کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور اس طرح وہ بین بین چلنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں کافر ہیں اور ہم نے ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے تمام انبیا پر بلاتفریق ایمان لاتے ہیں ہم عنقریب انھیں اس اربلند سیاست کا اجر دیں گے)

ہم نے بعض انبیا کی توہین کی۔ بعض کا انکار کر دیا اور پہلے صحائف کی تردید پر بے شمار کتابیں لکھیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اقوام عالم ہم سے متنفر ہو گئیں۔ سب نے مل کر ہمیں ستانے اور ہر ملک میں ہمیں رگیدا، پیٹا اور رسوا کن عذاب دیا۔ آج کہ مسلمانان عالم میں حیات تازہ کے آثار ہویدا ہیں۔ اور اسلام کی عظیم سیاست کے مختلف پہلو آشکارا ہو رہے ہیں۔ کوئی عجیب نہیں۔ اگر ہم میں وہ مسلمان پھر

پیدا ہو جائیں۔ جو تمام انبیاء و صحائف کی صداقت کا اعلان کر کے دنیا کامل متحد ہو لیں۔ اور اس طرح اس مقصد کو پا لیں، جس کے لیے ہمیں اکٹھا کیا گیا تھا۔

أولئك شرف يذ تيسيمة اجوركم۔

الہامی صحائف کا انداز بیان بڑا پُراسرار، پیچیدہ اور سہل ممتنع ہوا کرتا ہے ہو سکتا ہے کہ تورات کی کوئی ہدایت بظاہر قرآن کے خلاف نظر آئے یا گیتا کی کوئی آیت آپ کی کسی آیت سے متصادم ہو رہی ہو۔ اس کا علاج یہ نہیں کہ آپ قلم اٹھا کر تورات و گیتا کی تکفیر و تردید پر فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیں اور ایک ارب ہنود و نصاریٰ کو اپنا دشمن بنا لیں۔ بلکہ یہ ہے کہ خود سوچیں، اپنے اہلِ فکر و نظر سے پوچھیں، پادریوں اور برہمنوں سے ملیں، اگر پھر بھی اطمینان نہ ہو تو کوئی تاویل کریں، یا انتظار کریں، شاید سائنس کا کوئی انکشاف یا علم النفس کا کوئی جدید نظریہ اس گرہ کو وا کر دے، کیا آپ کو قرآن میں بیسیوں متصادم اور مشکل آیات نظر نہیں آتیں۔ مثلاً ایک مقام پر ہے کہ انسان اپنی بدکاری سے گمراہ ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ درج ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے۔ اس تصادم کی کیا تاویل ہے۔ اگر نہیں پھر بھی آپ قرآن پر مکمل ایمان رکھتے ہیں۔ تو یہی سلوک تورات و گیتا سے بھی کیجئے۔ ہم پہلی کتابوں کے محافظ (وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ) بنائے گئے ہیں۔ اس لیے ہمارا فرض ان کی حفاظت ہے نہ کہ تردید و تکذیب۔

وَلَا تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا

(تم کتاب والوں سے جب کوئی علمی بحث کرو۔ تو انتہائی تہذیب و شائستگی سے کام لو۔ ہاں اگر کوئی زیادتی کرے

کو ناکام۔ یا مسلمان ورزشی کو صحت کا صلہ دے، اور انگریز کو بیمار بنا دے۔
ہزار ہا مشاہدات اور ہزار ہا سال کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کسی ایک موقع پر بھی اللہ نے صلہ کو عمل سے جدا نہیں کیا۔ اُس نے جہاں عمل محنت اور کوشش دیکھی، وہاں انعامات کی بارش برسا دی۔ اور جہاں غفلت کاہلی اور کام چوری نظر آئی۔ وہیں ناکامی، نامرادی اور رسوائی کی سزا دے دی۔ موجودہ اقوامِ عالم کی مثال ہمارے سامنے ہے جن اقوام میں ضبط، ایثار، محنت، تلاشِ علم، اتحاد، صبر، عزم، یقین اور تسخیرِ عناصر جیسے اعمالِ صالحہ پائے گئے۔ اللہ نے انہیں تمکن فی الارض، عزت، جلال اور آلائِ کائنات کے انعامات سے نوازا۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝

(ہم نے اُنہیں بقا کی تفصیل (الذکر) کے بعد زبور میں یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث وہ لوگ قرار پائیں گے جن کے اعمال صالح ہوں گے۔

اور جو لوگ دعا کو عمل، کاہلی کو توکل، انتشار کو وحدت، دلق و دریدہ کو گلیمِ فقر، یونانی خرافات کو معراجِ علم، کلمہ کو کلیدِ جنت، تقریر کو فلسفہ اور راہبی کو کمالِ تجرد سمجھتے تھے۔ اللہ نے انہیں رسوا کن سزائیں دیں۔ انہیں اورنگِ جہانبانی سے اٹھا کر فرشِ ذلت پر دے پٹکا۔ انہیں اپنے گھروں سے باہر نکال دیا۔ اُن پر افلاس، امراض، قرض، رُوسیاہی اور قحط کی وبائیں مسلط کیں۔ اُن کی اصلی دولت دوسرے سمیٹ کر لے گئے۔ وہ ایک ایک ڈالر کے لیے امریکہ کے محتاج ہو گئے۔ اُن کے علمی، صنعتی اور فوجی اداروں پر فرنگ مسلط ہو گیا۔ ان کے پاس اسلحہ نہیں۔ جرّاف نہیں۔ ماہرینِ علوم نہیں، اہلِ فنون نہیں۔ ان کے وسیع بیابانوں میں سڑکیں نہیں۔ اُن کی خام اجناس کے لیے صنعت گاہیں نہیں، تجربہ گاہیں

نہیں۔ رصدگاہیں نہیں۔ الغرض مذہبی پندار ذہنی غرور اور ایک پست قسم کے اسلام کے بغیر یہاں کچھ بھی نہیں۔ ایک طرف محنت، عمل، یقین، پہاڑوں کو ہلا دینے والا ایمان، آسمانوں کو الٹ دینے والا عزم، روح افزا علم، جہاں گیر حقائق اور حیات انگیز بینات ہیں اور دوسری طرف لایقینی، بے مقصدی، بے راہی، بے عمل پندار، لایعنی غرور، مردہ عقیدہ اور حیات سوز خانقاہیت کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عمل پسند اللہ کی نگاہ میں یہ دونوں گروہ برابر ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اعمال کا فیصلہ نتائج سے کرو۔ پہلے ان اقوام کے اعمال کا جائزہ لو۔ پھر اُن انعامات کی بارشوں کو دیکھو جو اِن پر پیہم برس رہی ہیں اور اس کے بعد اگر گوشِ حق نیوش وا ہو۔ تو اس فیصلے کو سنو:

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ كَمَن زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم (محمد)	(ایک گروہ کے پاس حقائق و بینات ہیں اور دوسرے کو کج نظری کی وجہ سے اپنی بد اعمالیاں بھی حسین نظر آتی ہیں اور وہ مبتلائے پندار ہے (اتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُم) یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے)

اس جہانِ اسباب و علل میں ایک مثال بھی تو ایسی نہیں ملتی کہ کسی نے کام کیا ہو اور وہ اجر سے محروم کر دیا گیا ہو۔ کسی نے پانی پیا ہو اور اس کی پیاس نہ بجھی ہو۔ پیٹ بھر کر روٹی کھائی ہو اور بدستور بھوکا ہو۔ اصولِ صحت کا پابند رہا ہو اور پھر بیمار ہو۔ یا صحت کو تباہ کرنے کی پوری کوشش کی ہو اور پھر صحت مند ہو۔ بلندیوں کی راہوں پہ چلا ہو اور ذلیل ہو گیا ہو۔ یا رسوائی و ذلت کا سامان فراہم کیا ہو۔ اور معزز بن گیا ہو۔ حصولِ علم پہ برسوں صرف کئے ہوں اور جاہل رہ گیا ہو۔ یا علم کے قریب تک نہ پھٹکا ہو اور عالم بن گیا ہو۔ اللہ نے اعمال کے ساتھ اُن کے صلے

یُوں باندھ دیتے ہیں کہ انہیں کوئی جنتر منتر ایک دوسرے سے جُدا نہیں کر سکتا۔

قَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ ۔ (کاتب تقدیر کا قلم اعمال کے صلے معین کرنے کے بعد خشک ہو گیا)

تقدیر کیا چیز ہے ؟ یہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں ماپنا۔ تولنا، معین کرنا۔ اللہ نے ہر عمل کو اچھی طرح تول کر اس کا ایک صلہ معین اور مُقدر کر دیا اب اس صلے کو ہماری کوئی تدبیر، کوئی دُعا اور کوئی امکانی کوشش اس عمل سے جدا نہیں کر سکتی۔

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۔ (زلزال) (جو شخص نہایت چھوٹی سی نیکی کرے گا اُس کا پھل پائے گا۔ اور اگر ذرہ بھر بدی کرے گا۔ تو اُس کی سزا بھگتے گا)

جو لوگ دُنیا میں حصولِ علم کے لیے محنت کرتے ہیں۔ انہیں علم ملتا ہے۔ جو دولت کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ انہیں دولت دستیاب ہوتی ہے۔ جو زہد و رہبانیت کو اپنا نصب العین بنا لیتے ہیں۔ اُنہیں اُس نعمت سے نوازا جاتا ہے۔ اللہ نے آج تک یہ نہیں دیکھا کہ کام کرنے والا کون ہے؟ کس مذہب کا پیرو ہے؟ سر مُنڈا ہوا ہے یا ہاتھ بھر چوٹی لٹکا رکھی ہے۔ ڈاڑھی منڈا ہے یا ڈاڑھی میں حرم نشین ہے یا بندۂ دیر۔ عابد یزداں ہے یا پرستارِ اہرمن۔ تمو، خداؤں کا قائل ہے۔ یا تین سو ساٹھ بتوں کا پجاری۔ اُس نے اس کا عمل دیکھا اور جھٹ صلہ دے دیا۔ وہ علم مانگتا تھا تو اُسے آئن سٹائن، سپنسر، گوئٹے، رازی، سینا اور ہومر بنا دیا۔ کہ وہ دولت چاہتا تھا، تو اُسے فورڈ، باٹا، ڈالمیا، اور آدم جی کی دولت دے دی۔ وہ روحانیت کا طلب گار تھا تو اُسے نانک، والمیک،

تہذیب و ہایر یز کی عظمت عطا کردی۔ خدا کے لیے مجھے صرف ایک ایسی مثال بتا دو۔ جہاں اللہ نے صلہ کو عمل سے جدا کر دیا ہو۔ مت بھولو۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی ثُمَّ یُجْزٰهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی (النجم)۔

(انسان صرف کوشش سے بنتا ہے ہم اس کی کوشش پر ضرور غور کریں گے اور اُسے پورا پورا بدلہ دیں گے)

صرف یہی نہیں، بلکہ اس دنیا میں بھی اپنی کوششیں کام آئیں گی۔

یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی (النازعات)

یوم محشر میں بھی انسان اپنی دنیوی کوششوں کو یاد کرے گا۔

اگر ہم کسی انگریز کے سامنے اپنا یہ عقیدہ بیان کریں کہ غیر مسلم کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، تو وہ ہمارے اس احمقانہ نظریے پر کھل کھلا کے ہنس دے گا اور کہے گا "ویل! ایک عیسائی کا منصف بڑھاؤ ہو جانا مانگتا ہے تو پھر ہم کو خدا نے اتنا علم، دولت اور اتنی بڑی سلطنت کیسے دے دیا۔ (دوبارہ قہقہہ) کیا یہ سب کچھ محنت کا پھل نہیں ہے"؟

یہ غلط ہے اور ہزار بار غلط ہے کہ روئے زمین پر کوئی ایسا انسان بھی موجود ہے جو کوشش کے ثمرے محروم رہا ہو۔

اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

(تمہیں تمہارے اعمال کا اجر یقیناً ملے گا)

کُلُّ امْرِئٍۢ بِمَا کَسَبَ رَهِیْنٌ

ہر انسان کے عمل کے ساتھ اس کے نتائج بندھے ہوئے ہیں۔

---

[1] ممکن ہے آپ یہ کہیں کہ قرآن میں اعمال کفار کے غارت ہو جانے کا ذکر ملتا ہے جواب کا انتظار کیجئے۔ برقؔ

آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر ایک مسلمان کسی غریب طالب علم کو ایک کتاب خرید دے، تو وہ پوری جنت کا مالک بن جائے گا۔ اور دوسری طرف سردار دیال سنگھ کالج بنا جائے، یا سر گنگا رام بڑے بڑے شفا خانے اور میڈیکل کالج فی سبیل اللہ بنا جائے، تو یہ کسی اجر کے مستحق نہیں ہوں گے؟ کیوں؟ کیا قیامت کا اللہ کوئی اور ہوگا؟ کیا اس کا نظام جزا و سزا وہاں مختلف ہوگا۔ کیا وہاں خیر و شر کا مفہوم بدل جائے گا؟ جس اللہ نے ہمیں یہاں کاہلی کی سزا ناکامی و نامرادی کی صورت میں دی اور اقوام فرنگ کو اُن کے بلند اعمال کے صلے میں عالیشان بنا ڈالا، کیا وہاں وہ اللہ کے بلند اعمال کو کاہلی اور ہماری کاہلی کو عمل سمجھ کر جزا و سزا کا معیار بدل ڈالے گا؟ کبھی نہیں۔

مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى
(جس شخص نے اس دنیا میں اندھوں کی سی زندگی بسر کی۔ اُسے وہاں بھی دنیا کے نور و ضیا سے محروم کر دیا جائے گا)

فریب خوردہ مسلمانو! اللہ کے اس فیصلے پر غور کرو:

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ (مزمل)
(تم کوئی نیکی کرو۔ اللہ کے ہاں اُسے موجود پاؤ گے۔)

اور ان آیات کو بار بار پڑھو:

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (الزمر)
(ہر انسان[1] کو اس کے عمل (محنت کوشش) کا پورا پورا صلہ دیا جائیگا اللہ انسانوں کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے)

فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ
(محنت کرنے والوں کو ہمیشہ عمدہ اجر ملتا ہے۔)

---

[1] انسان کہا۔ مسلمان نہیں کہا۔ برقی

کتنا بڑا ظلم ہے۔ اگر ایک مسلمان کسی اندھے حافظ کو حلوے کی ایک پلیٹ دیکر جنت کا مستحق بن جائے اور سر جیمز جینز کا تمام علم۔ اُس کی روشن تصانیف تہذیب انسانی کے ارتقا میں اس کی لازوال خدمات اور اس کے تمام ایمان افروز کائناتی انکشافات محض اس لیے ضائع جائیں کہ وہ کلمہ شریف نہیں پڑھتا۔ اگر حقیقتاً خدائے قرآن کا فیصلہ وہی ہے۔ جس کی تفصیل ہمارا بے بصر اور کج نظر ملا پیش کرتا ہے، تو اس فیصلے کو میرا صدرے سلام۔

لیکن

مجھے یقین ہے کہ جو خدا مسلم و کافر سب کو روشنی و حرارت عطا کرتا ہے اُن کی کھیتیوں پر برابر برابر بارش برساتا ہے۔ اور اس دُنیا میں اِن کو تول تول کر اعمال کے صلے دیتا ہے وُہ اس دنیا میں بھی اُن سے بے انصافی یا بے حسابی نہیں کرے گا۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ (انبیآ)

(ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو نصب کریں گے اور کسی انسان پر قطعاً ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی شخص کا عمل رائی کے بیج جتنا بھی باریک ہوگا۔ تب بھی ہم اسے صلہ دیں گے اس لیے کہ ہم بہت بڑے حسابی ہیں۔)

کہتے ہیں کہ تمام اعمال ساقط جائیں گے۔ مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں ہمارے نیک اعمال اور غیر مسلموں کے صرف بُرے اعمال ساقط جائیں گے۔

بے شک اگر اعمال کے پارسل باندھنے کا کام حضرت مولانا کے سپرد ہوا، تو یہ غیر مسلموں کے سہارا جتنے اعمال ہیں اٹھا کر باہر پھینک دیں گے اور دنیا ڈھیلا تک ہمراہ لے جائیں گے۔ آیئے ذرا دیکھیں کہ اللہ کا فیصلہ کیا ہے۔

وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ	(ہم نے اعمال کو انسان کے گلے کا ہار
فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ	بنا دیا ہے اور قیامت کے دن اعمال
الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا	ایک کتاب کی صورت میں مفصل لکھے
(بنی اسرائیل)	ہوئے اس کے سامنے آجائیں گے)

میں نے ایک ہندو کو دیکھا، کہ اپنے باغ میں باقاعدگی سے پانی دیتا، وقت پر کھاد ڈالتا۔ مضر حشرات سے پھلوں کو بچاتا اور نہایت تندہی سے نگرانی کیا کرتا تھا۔ جب پھل کا موسم آیا، تو اس کے درختوں کے ساتھ دگنا پھل لگا اور ساتھ والے سست اور نااہل مسلمان کا باغ قلت آب، حشرات اور بے توجہی کی وجہ سے برباد ہو گیا۔

سنہ ۱۹۲۶ء میں میرے دو دوست ایک ہندو اور ایک مسلمان ولایت میں اعلیٰ تعلیم کے لیے گئے۔ اڑھائی برس کے بعد ہندو سائنس کی ڈاکٹریٹ لے کر واپس آیا۔ اور مسلمان پانچ برس تک ناکام ہوتا رہا۔ اللہ نے قطعاً پروا نہ کی کہ یہ مسلمان بڑے ادب سے کلمہ شریف پڑھتا ہے۔ اسلئے اسے ڈاکٹر بنا دیا جائے اور اس عامل اور محنتی ہندو کو ناکامی کے جہنم میں دھکیل دیا جائے ہمارے مولانا فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں تو اللہ تعالیٰ سب کو اعمال کا اجر دیتا ہے۔ لیکن آخرت میں غیر مسلموں کو نظر انداز کر دے گا۔ یعنی آپ کا مطلب یہ ہے کہ خدا صرف اسی دنیا میں انصاف کرتا ہے اور وہاں قبائے انصاف اتار کر چنگیز و ہلاکو کا روپ دھار لے گا۔ لاحول ولا قوۃ۔

میرے بھائی! اتنا تو سوچئے کہ اس زمین کے باغات وانہار اور آخرت کی جنت وعسبیل کا مالک اللہ ہے جو اللہ یہاں ایک غیر مسلم کو صلۂ اعمال کی بنا پر جنات وعیون کا مالک بنا رہا ہے وہ اگلی دنیا میں اپنی اس عادت کو کیوں بدلے گا۔ ہمارے اعمال یوم ولادت سے شروع ہوتے ہیں۔ اور موت آنے پر ختم ہو جاتے ہیں۔ انہی اعمال پر دنیوی و اُخروی انعامات تقسیم ہوتے ہیں۔ انہی اعمال سے دنیا وعقبیٰ میں حُسن پیدا ہوتا ہے۔ جب ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ نے بعض اقوام کو اُن کے اعمال کی وجہ سے دنیا کی جہانبانی، عزت، علم، قوت، دولت اور جلال وجمال جیسے انعامات عطا کر دیئے ہیں، تو انہی اعمال کی بنا پر انہیں آخرت میں کیوں رسوا کرنے لگا۔ جب اللہ نے انہیں یہاں جنات وانہار کا اہل سمجھا، تو وہاں بھی اُن پر رحمت کی بارشیں برسائے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ عادل ہے اور کسی کا عمل ضائع نہیں ہونے دیتا۔

اِنَّا لَا نُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنكُم مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ	(ہم کسی مرد یا عورت کا عمل ضائع نہیں کرتے۔)

سوال ا تصریحات بالا سے تو واقعی ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عمل ضائع نہیں ہوتے اور مسلم وغیر مسلم سب رحمت الٰہی سے فیضیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم میں بار بار لکھا ہے کہ اچھے اعمال کے ساتھ ایمان کا ہونا ضروری ہے۔ اور ایمان سے مراد تمام انبیاء، ملائکہ، یوم آخرت اور اللہ کو تسلیم کرنا ہے ایک بندہ اس قسم کے ایمان سے خالی ہوتا ہے اسلئے اُس کے اعمال کا ضائع ہو جانا یقینی ہے۔

فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ	اگر کوئی شخص نیک عمل کرے بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ہم اس کے اعمال کو

وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ ۝ (انبیا) ضائع نہیں کریں گے اور ہم اس کا ہر عمل لکھ رہے ہیں ۔)

جواب :۔ اس خدشہ کے دو جواب ہیں ۔ اوّل : یہ کہ ایمان کے بیشتر اجزا غیر مسلموں میں بھی موجود ہیں ۔ وہ اللہ کے قائل ہیں ۔ ہندوؤں کے مذہبی صحائف پرمیشور ، ایشور ، برہما (صفاتی نام) وغیرہ کے ذکر سے لبریز ہیں ۔ سکھوں کا جپجی "ست سری اکال" (ہمیشہ رہنے والا خدا سچا ہے) صریحاً بتاتا ہے کہ یہ بھی خدا کو مانتے ہیں ۔ یہی حال یہود ، نصاریٰ اور دیگر اقوام کا ہے ۔ آج کی دنیا میں افریقہ کے حبشیوں میں بھی ایسا شخص ملنا مشکل ہے ، جو بادلوں ، بجلیوں اور طوفانوں کے رب کا قائل نہ ہو ۔ جو یہ سمجھتا ہو کہ انسانی دل کی مشین خود بخود چل رہی ہے ، آنکھوں میں بصارت آنفاً فاً آگئی ہے ، یہ بادل اپنی مرضی سے بنتے اپنی کاریگری سے بجلیاں چمکا کر چلے جاتے ہیں ۔ ایسا نامعقول احمق اور کودن انسان اس زمانے میں کہیں موجود نہیں ۔ ہر انسان اپنے خالق کے وجود کا قائل ہے ۔ یہ الگ بات ہے کہ موسیٰ والے گڈریے کی طرح خدا کے متعلق اس کے تصورات آپ سے مختلف ہوں ۔ صرف قائل ہی نہیں بلکہ کسی نہ کسی طرف منہ کر کے اپنے مخصوص رنگ میں اس کی عبادت بھی کرتا ہے ۔ کوئی قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتا ہے ۔ کوئی شمال کی طرف منہ کر کے تورات کی تلاوت کرتا ہے ۔ کوئی مشرق کی طرف پانی اچھالتا ہے ۔ کوئی جلتی ہوئی آگ کے اردگرد گھومتے ہوئے اس کی حمد و ثنا کے ترانے گاتا ہے اور کوئی پالتی مار کر اس کے تصور میں محو رہتا ہے ۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۔ (البقرہ) (ہر قوم کا قبلہ عبادت جدا ہے تم اس بات پر ان سے مت جھگڑو بلکہ بلند اعمال کی طرف بڑھو ۔ کہ ہم

اعمال کو دیکھتے ہیں۔)

قبلہ کوئی ہو مقصد اللہ کی عبادت ہے اور اللہ ہر طرف موجود ہے۔

اَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ (بقرہ)

(جدھر منہ پھیرو اللہ اسی طرف موجود ہے۔)

اللہ نے قرآن میں عبادت کی کوئی خاص صورت معین نہیں کی کہیں فرمایا کہ ہمارا ذکر کرو۔ کہیں صلوٰۃ کی تاکید کی اور کہیں قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبہم۔ (اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہوئے) تقدیس کا حکم دیا۔ قرآن نے عبادت کی ان تمام صورتوں کو منظور کیا ہے۔ بلکہ ایک مقام پر تو یہود و نصاریٰ کی عبادت کو بھی "سرکاری طور پر" تسلیم کر لیا ہے۔

وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعۡضَہُمۡ بِبَعۡضٍ لَّہُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذۡکَرُ فِیۡہَا اسۡمُ اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ (الحج)

(اگر اللہ انسان کی دست درازیوں کو نہ روکتا۔ تو عیسائیوں کے گرجے اور اعتکاف خانے، یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کی عبادت کی جاتی ہے۔ سب منہدم ہو جاتیں۔)

ذکر و عبادت کے یہ مختلف طریقے ازل سے دنیا میں موجود ہیں۔ جن سے کبھی کسی نبی نے تعرض نہیں کیا۔ جس طرح ورزش، تعلیم اور تحریر کے مختلف طریقے قابل اعتراض نہیں۔ بلکہ مستحق ستائش ہیں۔ اسی طرح عبادت کے مختلف طریقے بھی مستحسن و قابل تکریم ہیں۔

لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَکًا ہُمۡ نَاسِکُوۡہُ فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی

(ہر قوم کا طریقۂ عبادت تم سے جدا ہے۔ خبردار! اس معاملہ میں اُن

اُدْعُمْ مُسہا۔ (۱ لیک) سے بحث ومباحثہ میں نہ اُلجھنا)۔

قرآنی سیاست کی بلندی دیکھئے کہ اس نے خود کوئی طریقۂ عبادت معین نہیں کیا۔ دوسروں کی عبادت کو سرکاری طور پر تسلیم کر لیا اور ہمیں حکم دے دیا کہ عبادات کے معاملے میں کسی سے ہرگز بحث نہ کرو۔ دوسری طرف بھارت کے مہا سبھائیوں کی سیاست دیکھئے کہ گذشتہ چند روز میں تراویح پڑھنے والے مسلمانوں پر سات جگہ بم پھینک چکے ہیں۔ اور مُلّا کی سیاست دیکھئے کہ آمین بالجہر اور رفع یدین پر آدھی اسلامی دُنیا کو کافر بنا چکا ہے۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ دُنیا کے تمام انسان اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ فرشتوں اور دیوتاؤں کے بھی قائل ہیں اور یوم آخرت کو بھی کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم کرتے ہیں۔ یوم الدین (مکافات کا دن) یا الیوم الآخر پر ایمان لانے سے مراد نظریہ مکافاتِ عمل کو ماننا ہے۔ جو لوگ صلہ و عمل کے قائل نہیں۔ یعنی نیکی نہیں کرتے اور بدی کرنے کے بعد خدائی انتقام سے نہیں ڈرتے۔ وہ عموماً بدلگام ہو کر انسانی بستیوں کے لیے لعنت بن جاتے ہیں۔ طیش میں آئے تو ہمسیوں کے سر توڑ ڈالے۔ کوئی چیز پسند آگئی تو زبردستی چھین لی اور کسی دوشیزہ پر نظر چڑھ گئی تو اُٹھا کر شبستان میں لے گئے۔ یہ یوم آخرت یعنی اپنی عدل اور انتقام فطرت کا ہی خوف ہے۔ جو انسان کو انسان بننے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ خدائی انعامات ہی کی آرزو ہے۔ جو ہمیں غریب پروری اقربا نوازی اور مساکین و مسافرین کی امداد کی ترغیب دیتی ہے۔ اگر ہمیں یہ یقین نہ ہوتا کہ ایک غریب کو دیا ہوا ایک پیسہ کل ستر گنا ہو کر واپس آئے گا کہ نیکی کا بدلہ نیکی ہے کہ اللہ اعمال کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ کہ رحم کرنے والے پر ہمیشہ رحم کیا جائے گا۔ کہ دوسروں کی امداد کرنے والوں کی سدا امداد کی جائے گی۔ تو ہم اتنے رکھ

کیوں اٹھاتے۔ اپنی کمائی غربا کو کیوں کھلاتے۔ تعمیر مساجد و مدارس کے لیے گھر گھر چندے کیوں مانگتے پھرتے۔ یتیموں کی کیوں پرورش کرتے، مظلوم کو ظالم سے کیوں چھڑاتے یہ سب کچھ ہم اس لیے کرتے ہیں کہ اس طرف ایک آنہ دے کر اُس ہاتھ ایک روپیہ لے لیتے ہیں۔ جس ہستی سے ہمارا معاملہ ہے وہ بہت فیاض و عادل ہے۔ وہ کسی کی محنت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ کسی نیکی کو نہیں بھولتا اور کسی عمل کو بے صلہ نہیں رہنے دیتا۔ ہم اس کی فیاضیوں کی خاطر نیکی کرتے ہیں۔ اور اُس کے انتقام (اِنَّ اللّٰہَ عَزِیزٌ ذُو انْتِقَامٍ) کے خوف سے بدکاری و عصیاں سے بچتے ہیں۔

خدائی جنت کی تمنا اور اُس کی گرفت کا خوف ہر انسان کے دل میں پایا جاتا ہے۔ جب بجلیاں کڑکتی ہیں، تو وسط افریقہ کا ایک عریاں حبشی تک پکار اُٹھتا ہے۔ "آج دیوتے غضب سے کھول رہے ہیں" آج سے ایک ماہ پیشتر جب اٹلی میں ایک آتش فشاں پہاڑ پھٹا اور اُس سے ہولناک آوازیں نکلیں، تو اردگرد کی تمام بستیاں سجدے میں گر کر خدائی غضب سے پناہ مانگنے لگیں۔ اگر صلۂ اعمال کی توقع نہ ہوتی، تو سر گنگا رام لاکھوں روپے خیراتی اداروں پہ کیوں صرف کرتا۔ دیال سنگھ اپنی ساری جائداد نشر تعلیم کے لیے کیوں وقف کر جاتا۔ مسٹر نوبل کئی کروڑ پونڈ بہترین تصانیف، قیام امن، جدید سائنسی نظریات اور ایجادات وغیرہ پہ انعام دینے کے لیے کیوں دے جاتا۔ انگلستان کی عام آبادی کئی کھرب پونڈ دے کر آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیاں کیوں بناتی۔ اس طرح کے لوگ جو صرف اللہ کی خاطر سب کچھ دینے پہ تیار رہتے ہیں۔ ہر قوم اور ہر ملک میں لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ملتے ہیں۔ اس لیے یہ کہنا غلط نہیں کہ تمام اقوام عالم صلۂ اعمال اور نظریۂ جزا و سزا یعنی

یوم آخرت پہ ایمان رکھتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ آخرت کے تصور میں
قدرے اختلاف ہو۔ ہم اور یہود و نصاریٰ جنت و جہنم کے قائل ہیں۔
مہاتما بدھ جنت کو انتہائی روحانی جنت یعنی نروان کے نام سے یاد کرتا ہے۔
اور ہندو یہ کہتے ہیں کہ انسان دنیا میں کئی جنم لیتا ہے اور بالآخر سورگ (جنت)
یا نرک (جہنم) میں جا پہنچتا ہے۔ بہرحال آخرت سے کسی کو انکار نہیں۔ باقی
رہے انبیاء تو مسلمانوں کے بغیر باقی تمام اقوام انبیاء پہ جزوی ایمان رکھتی ہیں
کوئی دو انبیاء کو مانتی ہے۔ کوئی دس کو، کوئی دس ہزار کو اور مسلمان سب کے آگے
سر تسلیم خم کرتا ہے۔ قرآن حکیم کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انبیاء کے متعلق
صرف جزوی ایمان کو کافی سمجھتا ہے۔ بلکہ صاحب قرآن نے جہاں اقوام عالم
کو جزائے اعمال کی بشارت دی ہے۔ وہاں انبیاء کا ذکر تک نہیں کیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ
مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا وَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (البقرہ)

سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی تھی۔ جہاں یہود مسلمانوں کے استیصال
کے لیے ہر ممکن تدبیر سے کام لے رہے تھے کبھی سامنے آکر لڑتے۔ کبھی خفیہ
سازشیں کرتے۔ کبھی قبائل کو بھڑکاتے اور کبھی کفارِ مکہ کا ساتھ دیتے تھے۔
حالات کا تقاضا تو یہ تھا۔ کہ حضور علیہ السلام ساری قوم کو مردود و ملعون
قرار دیتے۔ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس محارب قوم کے نیک
افراد کو بھی صلۂ اعمال کی بشارت دی۔ لاؤ مسلمانوں کے بغیر دنیا کی کوئی اور
قوم جس کا رویہ اپنے بدخواہ اور جانی دشمنوں کے ساتھ بھی اس قدر بلند۔

حالی ظرفانہ اور عادلانہ ہو۔

آیت بالا قرآن حکیم میں صرف دو سورتوں میں ملتی ہے یعنی بقرہ و مائدہ میں۔ دونوں مدنی ہیں۔ دونوں میں جا بجا بُرے یہود پہ لعنت بھیجی گئی ہے۔

وَبَاۤءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ (بقرہ)	(یہود اللہ کے دوہرے غضب کا شکار ہیں۔)
لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ	(یہود کے لیے دنیا میں ذلت ہے)

لیکن اچھے یہود کو رحمت ایزدی کی بشارت دی گئی ہے۔ ایک مقام پر ہے:

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ	(قوم موسیٰ یعنی یہود میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے جو سچائی کی راہیں دکھاتی اور سچے فیصلے کرتی ہے)

کسی قوم کے ملعون ہونے کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس کا ہر فرد بدکار و بدمعاش بن جاتا ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ اکثریت کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔ قوموں کا زوال اکثریت کے فسق و فجور کا نتیجہ ہوتا ہے۔ کسی قوم کی تقدیر کا فیصلہ کرتے وقت ساری قوم کے اعمال تولے جاتے ہیں۔

وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۔	(جس قوم کے اعمال صالحہ کم ہو جائیں اُسے غلامی کے جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔)

بُری سے بُری قوم میں بھی اچھے افراد موجود ہوتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ	(اگر یہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل اور اپنے دیگر صحائف پر عمل کرتے،)

مِنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝ (مائدہ)

تو ہر طرف سے اُن پہ نعمتِ ایزدی کی بارشیں برستیں۔ ان میں ایک جماعت تو بڑی نیک ہے۔ لیکن ان کی اکثریت بدکار عمل کی ہے۔)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(مائدہ)

(اے رسول! ان اہلِ کتاب سے ذرا پوچھو تو سہی۔ کہ کیا تم ہمیں اس بات کی سزا دے رہے ہو کہ ہم خدا، قرآن اور پہلے صحائف پہ ایمان کیوں لائے تمہاری اکثریت بدکاروں کی ہے)

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۔

(تم اہلِ کتاب کی اکثریت کو بدکار و حرام خور پاؤ گے۔)

(مائدہ)

ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ کہ اللہ تعالیٰ آیۂ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا میں نیک یہود و نصاریٰ کو مژدۂ رحمت سنا رہا ہے۔ یہ لوگ خدا و آخرت پہ تو ایمان رکھتے تھے۔ لیکن ہمارے حضورؐ کی رسالت کے قائل نہ تھے۔ ممکن ہے کہ ملّا میری اس تحریر پہ بھڑک اُٹھے اور کہے کہ لوگو! یہ زندیق و ملحد نجات کے لیے ایمان بر محمد (علیہ السلام) کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اجی حضرت مولانا! مجھ پہ مت برسیے۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ رہا، قرآن کا سنا رہا ہوں۔ اللہ کا فیصلہ پیش کر رہا ہوں۔ قرآن اللہ کا۔ اسلام اس کا۔ جنت اس کی۔ اور رحمت اُس کی۔ اگر وہ کسی نیک یہودی یا عیسائی پہ نوازش کرنا چاہتا ہے تو آپ کو کیوں تکلیف ہو رہی ہے۔ جنت آپ کی نہیں۔ آپ کے ابا!

کی نہیں۔ سب کچھ اللہ کا ہے۔ وہ جسے چاہے اور جو چاہے بلا حساب دے دے۔ یہاں آپ کی آنکھوں کے سامنے عیسائی اللہ کے تمام انعامات سے لطف اندوز ہو رہا ہے۔ سلطنت اُس کی۔ علم اُس کا۔ فضائیں اُس کی، ہوائیں اُس کی۔ باغ اُس کے۔ نہریں اس کی۔ دانش اُس کی حکمت اُس کی اگر کل اللہ اُس کی آخرت بھی سنوار دے، تو آپ اُس کا کیا بگاڑ سکتے ہیں: خدا کا یہ فیصلہ سنئے اور سوچئے:

لَيْسُوا سَوَاءً مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَٰئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝

(سب اہل کتاب بُرے نہیں۔ اُن میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو رات کو جاگ کر کلامِ الٰہی (تورات و انجیل) کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور خدا کے سامنے سجدے میں گر جاتے ہیں یہ لوگ خدا و آخرت پہ ایمان رکھتے ہیں۔ خیر کی تبلیغ کرتے ہیں اور شر سے روکتے ہیں۔ یہ بھلے کام کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں۔ یہ لوگ صالحین ہیں یہ اپنے نیک اعمال کا پورا پورا بدلہ پائیں گے۔ اور اللہ اہل تقوےٰ کو خوب جانتا ہے۔)

غیر مسلموں کے اعمال کو ضائع کرنے والے دوستو! پھر سُن لو۔ وُہ اپنے نیک اعمال کا پُورا پورا بدلہ پائیں گے؛ اور نوٹ کر لو کہ یہ اہل کتاب حضور علیہ اسلام کی رسالت کے قائل نہیں تھے۔ بلکہ اُن کا ایمان خدا و آخرت تک

محدود تھا۔

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ سورۂ بقرہ والی آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ سورۂ مائدہ میں بھی معمولی تغیر کے ساتھ دہرائی گئی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (المائدہ ۶۹)

تغیر صرف اتنا ہے کہ بقرہ میں هَادُوْا کے بعد وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئِیْنَ آتا ہے اور عَمِلَ صَالِحًا کے بعد فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ کا ٹکڑا ہے۔ لیکن مطلب کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں۔

ترجمہ: (مسلم ہوں یا یہودی، صابی (ستارہ پرست) ہوں یا عیسائی ان میں سے جو کوئی خدا و آخرت پہ ایمان لا کر نیک کام کرے گا، اسے نہ کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ گزند پہنچے گا۔

اور سورۂ بقرہ میں ہے فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ کہ ان تمام کو اللہ کی طرف سے پورا پورا اجر ملے گا۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (بنی اسرائیل)

(ہم کافر و مومن سب کی امداد کیا کرتے ہیں۔ تمہارے رب کے عطا صرف کسی ایک قوم کیلئے مخصوص نہیں)

ماحصل: تصریحات بالا کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ نے اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کو قبولِ اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں۔ مومن کے معنی ہیں "ایمان والا"۔ ایمان لاکھوں چیز پہ ہو سکتا ہے۔ خدا پر، لاکھوں انبیاء پر، آخرت، بہشت، سزا، صحائف

پر، علم ریاضی کے حقائق پر، شمس و قمر کی حرکت پر۔ زوالِ کائنات پر، موت پر، بہشت پر، صوم وصلوٰۃ پر، حج و زکوٰۃ پر، فرضیت جہاد پر، جبریل و میکائیل پر، زندگی کی وکھوں سچائیوں پر۔ لیکن اللہ نے امتحان کے سلسلے میں جس ایمان کو فیصلہ کن کوالیفکیشن قرار دیا ہے، وہ اللہ اور آخرت پر ایمان ہے۔

دوسرا جواب: اپنے گرد و پیش پہ نگاہ ڈالیئے۔ آپ کو چار گروہ نظر آئیں گے

اوّل: جو رسولِ عربی صلعم کی رسالت کے قائل بھی ہیں اور آپ کی تعلیم پر عامل بھی یہ لوگ سچے مسلم ہیں۔

دوم: جو نہ حضور کی رسالت کے قائل ہیں اور نہ عامل، یہ لوگ بالاتفاق بُرے ہیں۔

سوم: جو زبانی زبانی رسالت کے قائل اور عملاً کافر ہیں مثلاً وہ مسلمان جو جھوٹ بولتے، سودے کم تولتے۔ وعدوں کو توڑتے، حرام کھاتے دوسروں کو نقصان پہنچاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، ڈاکے ڈالتے، انتشار پھیلاتے جُوا کھیلتے اور شراب پیتے ہیں اور ایسے مسلمانوں کی تعداد کم نہیں۔

چہارم: جو لساناً رسالت کے قائل نہیں، لیکن عملاً مومن ہیں۔ ان معنوں میں کہ وہ تمام محرمات سے بچتے اور خیرات میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیتے ہیں وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ دھوکہ نہیں دیتے۔ داؤ نہیں کھیلتے، فریب نہیں جانتے۔ سچے صادق الوعد، طیب العمل، پاکیزہ گفتار اور بلند کردار ہیں اتنے بلند کہ کروڑوں روپے کے صرف سے ایک دوا تیار کرتے ہیں اور ساری دُنیا میں مفت بانٹتے ہیں پچھلے دنوں امریکہ نے تپ دق کی ایک حیرت انگیز دوا سٹیپٹو مائیسین تیار کی اور صرف پاکستان کے ایک کروڑ انسانوں کو یہاں آ کر مفت ٹیکے لگائے۔ ان کے اقوال کی

حکیمیت متانت اور صداقت کا یہ عال کہ سارا جہاں نطشے، ٹولسٹے، گوئٹے، شیکسپیئر اور برگساں کے اقوال کو دہراتا اور اپنے فلسفے کی تائید میں پیش کر رہا ہے ان کی فکر و نظر کا یہ عالم کہ انہیں قطرے میں دجلہ، ذرّے میں صحرا اور جزو میں کل نظر آتا ہے۔ ان کے علم کی یہ کیفیت کہ فضائیں مسخر ہو گئیں، سمندر دب گئے۔ زمین سمٹ گئی۔ پہاڑ پھٹ گئے اور معادن کے خزانے اُن کے سامنے اُگل دیئے قلم میں یہ زور کہ تہذیب انسانی بجلی کی رفتار سے منازل سر کرنے لگی۔ اس قسم کے بلند اور پاکیزہ محسنین انسانیت آج ہر قوم میں ملتے ہیں۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ تیسرے اور چوتھے گروہ کے متعلق اسلام کا فیصلہ کیا ہے۔؟

جہاں تک تیسرے گروہ کا تعلق ہے۔ ان کا رویہ ایک مکروہ قسم کی منافقت اور مکاری ہے۔ وہ زبانی زبانی خدا و رسول پہ ایمان لاتے ہیں اور عملاً سرتا پا فسق و کفر میں ڈوبے ہوتے ہیں۔ ان کی مثال اس ہشیار و مکار ملازم کی ہے جو دن میں کئی مرتبہ آقا کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی شان میں قصائد مدحیہ پڑھتا ہے۔ لیکن شام کو چوروں سے مل کر اس کے گھر میں نقب لگواتا ہے۔ یا اس کلرک کی ہے، جو افسر کے سامنے اخلاص و وفا شعاری کے بڑے بڑے دعوے کرتا ہے۔ لیکن عملاً اُس کے ہر حکم کو توڑتا ہے۔ کام پر دیر سے آتا ہے۔ دفتر کے راز باہر پہنچا دیتا ہے اور اوپر سے آئے ہوئے احکام کو گم کر دیتا ہے۔ یا اُس نوسرباز کی ہے۔ جو ہر صبح ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پہ جا کر آداب بجا لاتا ہے۔ تعریفوں کے پُل باندھتا ہے اور اپنی جان تک خدمت سرکار میں پیش کرتا ہے۔ لیکن عملاً جرا چار سو بیس ۴۲۰ کا مرتکب

ہوا ہے۔ جنبلی نورت بناتا ہے۔ مطربوں سے مل کر ڈرامے کراتا ہے۔ اور بازاروں میں رنگا فساد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام کی زبانی خوشامد محض فریب ہے اور ان کی عملی زندگی از سرتا پا کافرانہ ہے۔ آج مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو مساجد میں اپنی عبدیت کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملاً ابلیس کی پرستش میں مصروف ہیں۔ وہ جھوٹ بولتے، وعدے توڑتے، چور بازاری کرتے، عدالتوں میں جھوٹی قسمیں کھاتے، رشوتیں لے کر انصاف کا نام دے کر فروخت کرتے، غریبوں، یتیموں اور کسانوں کا حق دباتے ہیں۔ کیا یہ لوگ مومن ہیں!

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝ (البقرہ)

کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو زبانی خدا و آخرت پر ایمان لانے کا دعوےٰ کرتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ مومن نہیں۔ یہ لوگ اپنے زبانی ایمان سے اللہ اور اس کے مومن بندوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ اس فریب کے نتائج انہیں خود بھگتنا پڑیں گے لیکن وہ اس بات کو سمجھتے نہیں۔

ہم صفحات گزشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔ کہ مذہب ہر زمانے میں ایک تھا تمام انبیاء صرف ایک دین یعنی اسلام لائے تھے اس لیے کسی ایک نبی کا سچا پیرو لازماً تمام انبیاء کا پیرو سمجھا جائے گا۔

تمثیل: فرض کیجئے، حکومت پاکستان انگریزی، اردو، پشتو، سندھی، بلوچی، کشمیری اور بنگالی زبانوں میں ایک ہی مضمون کے پوسٹر چھاپتی ہے اور لوگوں کو ہدایت کرتی ہے کہ گندم کے فالتو ذخائر کا اعلان کرو۔ اس کے بعد

کسی زمیندار کی نظر سے اُردو کا اعلان گزرتا ہے اور وہ اس کی تعمیل کرتا ہے کیا یہ زمیندار باقی زبانوں کے پوسٹروں کا قائل تصور نہیں ہوگا بالکل اسی طرح اللہ نے مختلف اقوام کی طرف ان کی اپنی زبان میں ایک ہی دستور العمل مختلف زبانوں میں بھیجا۔ زبانیں مختلف تھیں، لیکن پوسٹروں کا مضمون ایک تھا سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عبرانی پوسٹر کا قائل عربی پوسٹر کا قائل تصور نہیں ہوگا؟ یقیناً ہوگا منطق یہی کہتی ہے عقل یہی چاہتی ہے۔ اللہ کا فیصلہ یہی کچھ ہے۔ اگر اللہ کے ہاں عربی پوسٹر کے بغیر باقی سب بیکار ہوتے تو وہ اہل کتاب سے کیوں کہتا کہ تم تورات و انجیل پر عمل کرو۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ۔ (اے رسول! اہل کتاب سے کہہ دو کہ جب تک تم تورات و انجیل پر عمل نہیں کرو گے، کامیاب نہیں ہو گے)

آج اگرچہ اقوام عالم جہاں کہیں مل بیٹھتی ہیں۔ مصر و سوڈان، ایران و پاکستان کی تباہی کے منصوبے باندھتی ہیں۔ دنیائے اسلام کو لوٹنے اور برباد کرنے کے وسائل سوچتی ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان اقوام کے اخیار کو بھی جزائے اعمال سے محروم کر دیں۔ خود حضور علیہ السلام کے خلاف یہود و نصاریٰ اکثر مدینہ میں سازشیں کیا کرتے تھے۔ لیکن آپؐ نے ایک نیک عیسائی یعنی نجاشی کی وفات پر صحابہ کرام کو جمع کر کے فرمایا تھا۔

اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی صَاحِبِکُم (بخاری) (آؤ، اس نیک انسان کی وفات پر نماز جنازہ پڑھیں)

دوسری طرف پاکستان میں ان مسلمانوں کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے جو حضرت قائد اعظمؒ کے جنازہ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ یہاں کیمبلپور میں

بھی جامع مسجد کے خطیب نے جنازہ کی قیادت سے انکار کر دیا تھا۔ اسی طرح حضورؐ نے ایک نیک ہمدرد شاعر ابن ابی العقنعت کی بیٹی کا جو جنگی قیدیوں میں شامل تھی۔ بے حد احترام فرمایا تھا۔ کسی بری قوم کے تمام افراد برے نہیں ہوتے۔ کچھ اچھے بھی ہوتے ہیں جنہیں اپنے اچھے اعمال کا اجر ملتا رہے گا۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ
رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ
وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ
اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ لَا
خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ
اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ
اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝
(النساء)

(اے رسول! تم محض اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بچ گئے۔ ورنہ منافقین کے ایک گروہ نے تمہیں راہِ راست سے ہٹانے کے لیے مکمل منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے منصوبے خود انہیں کو نقصان پہنچائیں گے اور تمہارا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس لیے کہ اللہ نے تمہیں ایک روشن کتاب اور محکم حکمت عطا کی ہے اور تمہیں وہ کچھ سکھایا ہے جو تم نہیں جانتے تھے اور یہ سب اللہ کا فضلِ عظیم ہے ان کے اکثر مشورے تخریبی ہوتے ہیں۔ ہاں اگر ان میں سے کوئی خیر و صدقہ کی تبلیغ کرے، فسادات کو مٹائے، اصلاحِ خلق کے وسائل اختیار کرے اور ان تمام اقدامات کا مقصد اللہ کی خوشنودی ہو، تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے)

ہمارے حضورؐ کی وسعتِ نظری، سلامتِ فطرت اور عدل و انصاف کا یہ عالم

حالانکہ ایک یہود و نصاریٰ کو مغفرت کی بشارت سناتے تھے۔ ان کے اخیار پر صلوٰۃ جنازہ پڑھتے تھے۔ سازشی منافقین کے اعمالِ صالحہ کو اجرِ عظیم کا مستحق سمجھتے تھے اور ایک آتش پرست بادشاہ یعنی نوشیرواں عادل کے عہد میں پیدا ہونے پر فخر کیا کرتے تھے۔

وُلِدْتُ فِي زَمَانِ الْمَلِكِ الْعَادِلِ [1] (حدیث) — مجھے فخر ہے کہ میں نوشیرواں عادل کے زمانے میں پیدا ہوا تھا

اور دوسری طرف ہم پیروانِ رسول کا یہ عالم ہے کہ اپنے بغیر سارے جہان کو کافر سمجھتے ہیں اور اپنے گھر کا یہ حال کہ اہلِ حدیث، اہلِ قرآن، شیعہ، دیوبندی، بریلوی، سہارنپوری سب کافر، ہماری مساجد جدا، ہماری احادیث جدا، ہماری فقہ جدا اور بعض معتقدات کے مطابق ہمارے قرآن بھی الگ الگ۔ پھر ہماری کفر بار توپوں کا کمال دیکھئے کہ ان کی زد سے نہ امام غزالی بچے نہ امام اعظم، نہ احمد بن حنبل، نہ ابنِ تیمیہ، نہ بخاری، نہ شافعی، نہ شاہ ولی اللہ، نہ سرسید، نہ اقبال اور نہ مشرقی۔ ظاہر ہے کہ جو مُلّا اپنے ائمہ، اپنے اکابر، اپنے رجال الحکمت، اپنے اساطین العلم اور اپنے جلیل القدر محسنین کو برداشت نہیں کر سکتا، وہ دوسری اقوام کے صالحین کو کیسے رحمتِ ایزدی کا مستحق سمجھ سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مُلّا قابلِ الزام نہیں۔ یہ قدرتی سی بات ہے کہ بیمار جس طرح ایک دیوانہ اپنے آپ کو شہنشاہ سمجھ بیٹھتا ہے اور اسے کسی دلیل سے قائل نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح مُلّا اپنے آپ کو مشیتِ ایزدی کا رازداں، اجارہ دارِ قرآن، اسرارِ نبوت کا مفسر اور عقلِ کل کا ہمسر سمجھ بیٹھا ہے۔ آپ اسے لاکھ سمجھائیں کہ قبلہ! قرآن کی سیاست اور اس کی حکمِ جلیل

---

[1] افسوس کہ اس حدیث کا ماخذ یاد نہیں رہا۔ (برقؔ)

کی مشیت کو سمجھنا آپ کے بس کی بات نہیں، لیکن جہاں سے ہمیشہ ایک ہی جواب ملے گا:

• کافر: من ہمہ دانم، من ہمہ آنم ؂

اگر ہم سے کوئی پوچھے، کہ لیلیٰ کا حقیقی بندہ کون تھا؟ تو ہم جواب میں یہی کہیں گے کہ مجنوں۔ جو لیلیٰ کی تلاش میں عمر بھر پھرتا رہا۔ جس کی انتظار میں اس کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور جس کی محبت اس کے رگ و ریشہ میں رُوح بن کر سمائی ہوئی تھی۔ شیریں کا بندہ فرہاد تھا۔ جس نے اشارہ پا کر ساری زندگی کوہکنی میں گزار دی۔ اسی طرح اللہ کے بندے وہ ہیں۔ جن کی زندگیاں تلاشِ معانی میں کٹ گئیں۔ جن کی نظریں حُسنِ کائنات میں جذب ہو گئیں۔ جن کی رفتارِ فکر نے کاروانِ علم و دانش کو تیز گام بنا دیا۔ جن کی تعلیم درسگاہوں نے دنیا کو قوت و ہیبت کے راز سکھائے۔ جن کی مشعل نگاہوں نے بطونِ ارض کے خزائن دیکھ لیے جن کے اعمالِ صالحہ ان کی رفعت (علوّ و غلو) کے ضامن بن گئے اور جن کے سامنے ساری کائنات سربسجود ہو گئی۔ ولا کہ ہم جن کی جہالت و ظلالت کا تعفن سارے جہان میں پھیل چکا ہے۔ جن کے ادبار و ہلاکت کی داستانیں ارض و سما سُنا رہے ہیں۔ جو روس و امریکہ کے آستاں پر سربسجود ہو کر زندگی کی بھیک مانگ رہے ہیں جن کے صحرا ونائن سے خالی جن کے دریا سفائن سے خالی جن کے مدارس میں علم نہیں، مساجد میں ایمان نہیں، اعتقاد فاسد، تصورات مسخ اور اعمال ضعف و مرگ کا پیام۔

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (ظلمت کی تہیں جمی ہوئی ہیں)۔

اگر یہ درست ہے کہ ہمارا جلیل القدر رسول نور و ضیا کا قاصد (یُخْرِجُکُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ)، قوت و ہیبت کا مبلغ (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا

وَسَتَكْتُمْ مِنْ قُوَّتِي عُلُوْ وَرِفْعَت رَا نُنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ) کا مژدہ سنایا ہوا۔
آفاقی عناصر کا پیام اور مشاہدہ انصافا کہو۔ کہ رسولؐ کے سچے مومن کون ہوں گے
وہ جن کی زندگیاں قوت و رفعت کی مجسم پیکر بن گئیں یا ہم جن کی ذلت و شکست
پر تمام کائنات کا تاسف شاہد ہے۔ ہم گزشتہ پانچ سو برس سے یہ دین اور رفیع سبا سے
چیتے ' اہم ترین مسائل کو سلجھانے میں مصروف ہے۔ اور خدا و رسول کے عمل مسلمان
تمام انعامات سمیٹ کر لے گئے اور ہمیں کان سے پکڑ کر کوچہ سے نکال دیا۔
ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ (اور کل بد عمل کی سزا یہی ہو سکتی تھی)
تفاصیل بالا سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ ہم قولی مسلمانوں میں کفار کی کمی
نہیں اور غیر مسلموں میں عمل مسلمانوں کا قحط نہیں۔ بہ نگاہ اللہ مومن کی دو قسمیں ہیں
اول قولی و عملی مسلمان۔ دوم عملی مسلمان۔ لفظ مومن (کُلُّهُمْ مُؤْمِنٌ) ہر دو
اقسام کو محیط ہے اور اللہ نے ہر دو کو اجر عظیم کی بشارت دی ہیں۔ آئیے آپ
کو اس مسئلہ پر ایک اور راز دار قدس یعنی حضرت مسیح صلی اللہ علیہ وسلم کا
فیصلہ سنا دیں۔

"ایک باپ کے دو بیٹے تھے۔ ایک دن اس نے بڑے بیٹے کو کہا۔
کہ "بیٹا جاؤ اور آج باغ میں کام کرو"۔ اس نے کہا "میں نہیں جاؤں گا
لیکن بعد میں چلا گیا۔ پھر اس نے دوسرے بیٹے کو یہی بات کہی۔ اس نے کہا
"بہت اچھا جناب"! لیکن نہ گیا۔ بتاؤ ان دونوں میں سے کون اپنے باپ
کی مرضی بجا لایا" (انجیل متی۔ باب ۲۱، آیات ۲۸-۳۱)

مجموع مطلب اسلامی خلافت کا مقصد دنیا میں قیام امن تھا یہ عظیم
مقصد اقوام عالم کے تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا
تھا۔ اور تعاون جذبات خلوص و محبت کے بغیر محال تھا۔ اس لیے خدا نے

قرآن نے پیروان قرآن کو چار روشن انقلاب انگیز ہدایات دیں۔

اوّل: کہو، کہ نسلِ انسانی کا مذہب ایک ہے۔

دوم: کہو، کہ ہر قوم کی طرف انبیا مبعوث ہوئے۔

سوم: کہو، کہ ہم تمہارے عظیم المرتبت انبیاء اور زندگی بخش صحائف پر بلاتفریق ایمان لاتے ہیں۔ ہم کسی نبی کو چھوٹا اور کسی کتاب کو ناقص یا نامکمل نہیں سمجھتے۔

چہارم: کہو۔ کہ ہم دنیا کے نیک انسانوں کو اپنا ہم مذہب بھائی اور مستحق ایزدی کا مستحق سمجھتے ہیں۔

اور پھر حکم دیا کہ ان انقلابی اعلانات کے بعد اقوام عالم کو تعاون کی دعوت دو اگر رنجشات کو دور کرنے کے لیے ہر مذہب کے لوگ ٹمپرنس سوسائٹی کے ممبر بن سکتے ہیں۔ اگر معاشرتی تعلقات کی خاطر ہر انسان بلاتفریق رنگ و مذہب "خلق برادری" میں شامل ہوسکتا ہے۔ اگر روس کا مقابلہ کرنے کے لیے دُنیا کی اتحادی مسلم اور غیر مسلم سلطنتیں "انجمن اقوام متحدہ" کا روپ دھار سکتی ہیں تو دُنیا میں ایک ایسی مجلس کا قیام بھی ممکن ہے۔ جس کا مقصد قیام امن، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہو۔

حضور علیہ السلام نے جو خطوط فرمانروایان روم و افریقہ کو لکھے تھے ان میں یہ جملہ موجود ملتا ہے۔

اسلم، تسلم، یؤتک الله اجرک مرتین۔ (اگر تم میرے پیرو بن جاؤ، تو اللہ سے دوہرا اجر پاؤ گے)

یعنی ایک اجر میری پیروی کا اور دوسرا پیروی مسیح کا اور خط کے آخر میں یہ آیت درج ہوتی تھی:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا
إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ
بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِن
تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا
مُسْلِمُونَ ۝

(اے رسول!) اہل کتاب کو کہو کہ آؤ، ان احکام پر مل کر عمل کریں جو تمہارے اور ہمارے مابین یکساں مشترک ہیں مثلاً اللہ کے بغیر کسی اور کی غلامی نہ کریں۔ اس کی خدائی میں کسی اور کو شریک نہ بنائیں اور نہ انسانوں کو رب سمجھیں۔ اگر تم ہماری اس دعوت کو قبول نہ کرو۔ تو پھر گواہ رہنا۔ کہ ہم خدائی احکام کی بجا آوری پر مجبور ہیں۔)

آج ہم نے چھوٹے مسائل مثلاً نہری پانی نہروں کی تقسیم، گندم اور چاول کے تبادلے، پٹ سن کی خرید فروخت اور دیگر ہر قسم کے معاملات پر بحث کرنے کے لیے ہمارے نمائندے کبھی واشنگٹن جاتے ہیں اور کبھی دہلی و ماسکو میں لیکن آج تک کسی کو یہ خیال نہیں آیا کہ اسلامی بنیادوں پر اشتراک عمل کی بھی کوئی سبیل سوچیں۔ مصر و عرب اور ایران و پاکستان کے شیوخ الاسلام آج تک اس صراط مستقیم پر ایک قدم نہیں چلے۔ انہوں نے ان کے ہاں سے تورات و قرآن کی مشترک باتیں معلوم کرنے کی کبھی تکلیف نہیں کی۔ ہمارے شمس العلماء بھی عنکبوت کی طرح صومعہ سے نکل کر خانقاہ میں قید رہے اور انہوں نے کبھی کسی برہمن کو دعوت نہ دی کہ آؤ قرآن اور وید اور گیتا کی بنیادوں پر ہم ایک مشترک لائحہ عمل وضع کریں اور دیکھیں کہ کون کون سی باتیں غیر مشترک ہیں۔ ہماری حکومت جس کا منصب نیابت الٰہی اور جس کا مقصد قیام امن کی خاطر اقوام عالم سے اشتراک ہے۔ نے بھی آج تک اس پہلو کی طرف توجہ نہیں کی اور کرتے بھی کیسے؟ کہ علماء میں گھری ہوئی ہے اور علماء کا کام قرآن سے ناسمجھ

کو زندہ کرنا چاہیے، بلکہ انقلابی اسلام کو لوٹانا ہے، یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ مذہب نیکی کا دوسرا نام ہے۔ اگر آج ہم مختلف اقوام مثلاً یہود، نصاریٰ مسلم، ہندو، بدھ، صابی و مجوس کے دس دس بچوں کو امتحان کے ہال میں بٹھا کر ایک سوال دے دیں کہ بتاؤ نیکی کیا ہے؟ تو سب کے جوابات کچھ اس طرح کے ہوں گے۔

خدا کو ماننا، سچ بولنا، ماں باپ کی خدمت کرنا، چوری، زنا، جھوٹ، دھوکہ بازی، شراب نوشی اور جھگڑے فساد سے بچنا۔ سودے کم نہ تولنا، وعدہ کو پورا کرنا، انسانی خدمت خلق خدا سے محبت۔ غریبوں کو کھانا کھلانا، گرے ہوئے کو اٹھانا۔ بھٹکے کو راہ دکھانا وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ یہی اوامر و نواہی ہیں اور انہی کا دوسرا نام اسلام ہے وہی اسلام جو تمام انبیاء کے صحائف مطہرہ میں بلاکم و کاست پایا جاتا ہے۔ کیا ہمارے شیوخ الاسلام، ہندوؤں کے برہمن اور اہل کتاب کے پوپ مل کر اس قسم کے مشترک احکام کی کوئی فہرست تیار نہیں کر سکتے؟ قطعاً نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ وہ جمع ہوتے ہی زنار و تسبیح، ختنہ و بپتسمہ، داڑھی اور چوٹی کی وسیع بحثوں میں اُلجھ پڑیں گے اور اصل معاملے کے قریب تک نہیں جائیں گے ہمارا مُلا اس قدر بے کار ہو چکا ہے کہ تکفین و تدفین کی رسومات کے بغیر دنیا کے کسی اور میدان میں قیادت کے قابل ہی نہیں رہا۔ بقول بہار ایرانی ؎

زیں دستہ چہ خواہی کہ ہمیں پیشہ دانش
گہوارہ[1] تراشی است کفن دوزد و گریہ

---

[1] تابوت

اس لیے یہ جدید قسم کے سیاستدانوں کا فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں۔ اقوامِ
عالم کے مفکر ملا سے مل کر قرآن، گیتا، تورات، تعلیمات زرتشت، ژند وغیرہ کی
بنیادوں پر ایک مشترک دائرہ عمل بنائیں۔ اختلافات کو ختم کریں جرمنی میں یہودیوں
کو فلسطین میں عربوں کو اور بھارت میں مسلمانوں کو اس خونخوار دیو کے چنگل
سے چھڑائیں، جسے پادریوں، برہمنوں اور ملاؤں نے انسانی خون پلا پلا کر موٹا کر رکھا
ہے، اور ابن آدم کو امن و سلام کی اس روشن دنیا میں لے جائیں۔ جہاں صلح و محبت
کے چشمے رواں ہوں۔ فضاؤں میں پریم کے چراغ جل رہے ہوں۔ بلند و پست پر
انسانیت کبریٰ کے علم لہرا رہے ہوں اور اجرام گردوں اس خوف سے کانپ
رہے ہوں کہ۔

کہیں ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

گزشتہ دس صدیوں میں ہماری سیاست خارجہ ملا کے دست قدرت
میں رہی۔ اس نے پہلے طوائف کی تردید و تحقیر میں وہ انسانیت برانداز مقالے
لکھے۔ وید و گیتا کی مقدس تعلیم کو مخرب اخلاق ثابت کرنے کے لیے اتنا زور لگایا
حضرت رامچندر اور حضرت کرشن علیہما السلام پہ وہ دل آزار حملے کیے۔ حضرت
بدھ علیہ السلام کے نروان کا وہ حلیہ بگاڑا۔ تورات و انجیل کی تحریف پہ شعلہ بست
کے وہ دریا بہائے اور غیر مسلم اقوام کے جہنمی، کشتنی، سوختنی اور گردن زدنی ہونے
پہ وہ وہ دلائل دیئے کہ زمین و آسمان نفرت سے بھر گئے۔ دنیا نے مسلمان کو
آستینِ انسانیت کا سانپ سمجھ لیا اور اس کا سر کچلنے کے لیے لاٹھیاں اور بھالے
پتھر اور ٹھیکرے لے کر ہر طرف سے پل پڑے۔ اسے ہر میدان میں وہ پیٹا۔ اسے
اٹھا اٹھا کر وہ پٹخنیاں دیں۔ اس کی حیات ناصبور کے ہر پہلو پر اس قدر چرکے
لگائے کہ اس شکستہ ناؤ کی کوئی کل سیدھی نہ رہی۔ جن کی تورات پہ یہ حملے

کیا کرتا تھا۔ انہوں نے اسے پہلے فرانس و ہسپانیہ سے نکالا۔ پھر مشرقی یورپ سے اُسے رخصت کیا۔ پھر عقاب کی طرح جھپٹ کر افریقہ کے شمالی ساحل پر آلیا یوکرائن کے گندم زاروں سے نکالا۔ ترکستان کا تخت چھینا اور اب ہنود کے ساتھ مل کر ہند و پاک کے برِاعظم سے اس کے تخم تک کو مٹانے کے منصوبے باندھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہُوا کہ ہم نے اقوامِ عالم کو نجس قرار دے کر اُن کے لہو کو حلال سمجھا۔ اُن کے انبیا و صحائف کی توہین کی اور انہیں گالیاں دینا کارِ ثواب خیال کیا۔ ذرا ملاحظہ فرمایئے کسی مُلا کی گھڑی ہوئی یہ حدیث:

وَمَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ صَدَقَۃٌ — (جس مسلمان میں صدقہ کی ہمت نہ ہو۔
فَلْیَلْعَنِ الْیَھُوْد۔ — وہ یہود پر لعنت بھیجا کرے)

تو جب یہودیوں پر لعنت برسانا ہمارے اِں کارِ خیر سمجھا جاتا ہو تو وہ کیوں ہمارا لحاظ کریں، وہ کیوں نہ ہمیں سانپ سمجھ کر ڈسنے سے پہلے کچل ڈالیں۔ اس لیے اہلِ سُنے فلسطین میں جو کچھ کیا وہ ہمارے ہی کرتُوتوں کی سزا تھی۔ کسی زمانے میں ہمارے خلقِ عظیم کی دُور دُور تک دھاک بندھی ہوئی تھی۔ دنیا ہمارے شمائل و خصائل کی اس قدر گرویدہ تھی کہ جب دشمن کے دباؤ کی وجہ سے حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کا ایک شہر حمص چھوڑنا پڑا۔ تو الوداع کے وقت یہود، نصاریٰ کے امرا و مذہبی اکابر آبدیدہ ہو گئے اور سب سے بڑے پادری نے کہا:

> "تم لوگ بڑے پاکیزہ اخلاق، عادل اور رحم دل تھے۔ مقدس تورات کی قسم کہ اگر ہمیں کہیں اپنا حاکم خود چُننے کا موقعہ ملا، تو ہم صرف تمہیں منتخب کریں گے۔"

اور اب یہ حال ہے کہ زمین کی پہنائیاں ہم پر تنگ ہو رہی ہیں اور دُنیا کی ۶۲۔ اقوام ہمیں کچلنے کی قسم کھائے بیٹھی ہیں۔ یہ تھا وہ عذاب مہین جس سے

جیسا اللہ نے فرمایا تھا۔

کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ ہم اپنی سیاست و معاشرت کو قرآنی بنیادوں پر استوار کریں۔ اقوامِ عالم کے انبیا و صحائف پر ایمان لائیں۔ اُن کے احبار کو نجات و مغفرت کی بشارتیں سنائیں اور اس کے بعد انہیں ساتھ ملا کر ایک نئی جمعیت اقوامِ متحدہ کی بنیاد ڈالیں۔ جس کا مقصد قیامِ امنِ عامہ ہو۔

مت بھولیے کہ کئی ہزار برس سے اقوامِ عالم کے انبیا و صحائف پر آگ برس رہی ہے۔ اُن کے جذبات نفرت و عناد سے بے حد متنفر ہو چکے ہیں جنہیں محبت میں بدلنا کوئی کھیل نہیں۔ اس لیے حکومتِ پاکستان کو اس مقصدِ عزیز کے لیے ایک بہت بڑا ادارہ قائم کرنا پڑے گا۔ جس کا کام ہو گا انبیا و صحائف کی صداقت کا بار بار اعلان کرنا۔ اُن پر ایمان لانا۔ وحدتِ مذاہب پر مقالے لکھنا اور تقریریں کرنا اور پورے زور سے اشتراکِ عمل کی دعوت دینا یہ کام معمولی تغیر و تبدل کے بعد اپنے سفیروں سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

اگر آج ہم دہلی میں جا کر مندرجہ بالا حقائق کا اعلان کر دیں، تو خدا کی قسم ٹنڈن کھا سے۔ نہرو جی اور سردار تارا سنگھ ہم سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ اور بھارت کے چار کروڑ مسلمانوں کی جان بچ جائے اور اگر یہی اعلانات ہم واشنگٹن، لندن، ماسکو اور جنیوا میں دُہرا دیں تو دنیا کی رائے ہمارے متعلق بدل جائے بیسیوں اقوام ہماری دوست بن جائیں۔ اور ہماری سیاست و معاشرت میں غیروں کے لگائے ہوئے عقدے خود بخود کھل جائیں۔ کوئی ہے جو اللہ کی اس آزمودہ سکیم کو ایک بار پھر آزمائے؟ فَھَل
جن ترا مجلس ترا شنید۔

سوال: اگر تمام انبیا کا مذہب ایک تھا، تو پھر کیا وجہ ہے کہ تورات میں

بعض ایسی چیزیں حرام کردی گئی تھیں، جو قرآن میں حلال ہیں۔ کیا یہ اختلاف اس امر کی دلیل نہیں کہ تمام انبیا کا دین ایک نہیں تھا!

جواب ا بیشک یہودیوں کو بعض طیبات کے استعمال سے روک دیا گیا تھا، لیکن یہ پابندی ان کی بعض بدکاریوں کی سزا تھی۔ پاکستان کی جیلوں میں اخلاقی قیدیوں کو پھل، میٹھے شربت، برف اور دیگر لذائذ سے روک دیا جاتا ہے۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ چیزیں حرام ہیں، اور غیر قیدی بھی نہیں کھا سکتے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا۝ (النساء)

(ہم نے یہودیوں کو ان کی بدکاریوں کی سزا یہ دی تھی کہ بعض حلال اور پاکیزہ اشیاء کا استعمال ان کیلئے ممنوع قرار دے دیا تھا، اسلئے کہ وہ دنیا کو اللہ کی راہوں سے روکتے سود کھاتے اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر دبا لیتے تھے۔ ایسے بدکاروں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے)

جب یہود کی حالت قدرے بہتر ہو گئی، تو حضرت مسیح علیہ السلام نے اس پابندی کو دور کر دیا۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ (مسیح علیہ السلام تورات کا مصدق

---

[1] ہندو صاحبو کار مدت مدید سے سود کھا رہے ہیں اور غریبوں کا مال دبا رہے ہیں ان کے ہاں بھی گوشت کے حرام ہونے کا عقیدہ موجود ہے۔ ممکن ہے کسی پیغمبر نے ان پر بھی یہودیوں والی پابندی لگا دی ہو۔

التَّوْرَاةِ وَلِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (آل عمران)

تھا اور بعض اُن اشیا کو حلال کرنے آیا تھا۔ جو یہود پر حرام کر دی گئی تھیں)

اس پابندی کی مثالیں ہمیں اپنے گھروں میں ہر روز نظر آتی ہیں کہ والدین شریر بچے کو بطور سزا سینما میں نہیں لے جاتے۔ یا دو چار روز تک اس کو میٹھا نہیں دیتے۔ بس یہی کیفیت تھی اُس پابندی کی جو یہود پر عائد کی گئی تھی۔

حبطِ اعمال

سوال: آپ کہتے ہیں کہ کسی عمل کو اس کے صلہ سے جدا نہیں کیا جا سکتا لیکن دوسری طرف قرآنِ حکیم میں بیسیوں آیات اس موضوع پر ملتی ہیں۔ کہ کفار کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ (ان کے اعمال ضائع ہو گئے) اس اُلجھن کو دُور کیجئے۔

پہلا جواب: اگر کفار کے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں، تو پھر اُنہیں جہنّم میں کیوں بھیجتے ہیں۔ جہنّم کی سزا بھی تو اعمال ہی کا نتیجہ ہے۔ اگر اعمال ضائع ہو چکے تو پھر سزا کیسی؟ یہ مشکل اس لیے پیدا ہوئی کہ آپ حبط اعمال کا مفہوم نہیں سمجھے۔

دوسرا جواب: حبط اعمال کے سلسلے میں اللہ نے دو اور تعبیرات سے بھی کام لیا ہے کہیں فرمایا اَضَلَّ اَعْمَالَہُمْ اور کہیں کہا وَ لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَکُمْ۔ آیئے پہلے ان الفاظ کی لغوی تحقیق کریں۔

۱۔ حَبِطَ حَبْطاً وَحُبُوطاً : ضد فَسَدَ۔ یعنی فاسد ہونا۔ خراب ہونا بگڑ جانا۔

حَبِطَ البعیرُ حَبَطاً : اونٹ کا ہاضمہ بگڑ گیا۔

۲۔ ضَلَّ ضَلَالاً وضَلَالَۃً : ضد اِھْتَدٰی۔ ہدایت۔ راست روی اور سچائی کی ضد۔ تذبذب حیرت حق و باطل کی آمیزش۔

خَلَّ الْمَاءَ فِي اللَّبن :	دودھ میں پانی ملا دیا گیا۔
نَاقَةٌ ضَالَّةٌ :	ایسی ناقہ جس کا مالک معلوم نہ ہو
أَعْمَالٌ ضَالَّةٌ :	ایسے اعمال جن کو مالک اپنا ہی ماننے کیلئے تیار نہ ہو۔ یعنی بُرے اعمال۔

۳۔ بَطَلَ يَبْطُلُ بُطُولاً وَبُطْلاناً : مِنْهُ الْبَاطِلُ ضِدُّ الْحَقِّ۔ باطل کے معنی ہیں حق کی ضد و نقیض۔

بَطَلَ خَسِرَ :	خراب ہو گیا، فاسد ہو گیا، بگڑ گیا۔
بَطَلَ فِي حَدِيثِهِ :	اُس نے بیہودہ سرائی کی، خراب و فاسد باتیں کہیں۔
هُوَ رَجُلٌ بَطَّالٌ :	وہ ایک بیکار انسان ہے۔

۴۔ عَمِلَ عَمَلاً : صَنَعَ وَمَهَنَ یعنی محنت، کوشش اور کام۔

۵۔ فَسَدَ فَسَاداً۔ الْفَسَادُ ضِدُّ الصَّلاحِ۔ بگڑ جانا، خراب ہو جانا، فاسد ہو جانا۔

فَسَدَ دَمُهُ :	اس کا خون فاسد (گندا) ہو گیا۔
تَفَاسَدَ الْقَوْمُ :	مِنْهُ وَقَعَ الْخِلَافُ وَالْعَدَاوَةُ۔ قوم فاسد ہو گئی یعنی اس میں پھوٹ اور دشمنی پڑ گئی۔

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ اعمال کے مفہوم میں کوشش اور محنت بھی شامل ہے۔ اور حبطِ اعمال۔ ابطالِ اعمال یا ضلالتِ اعمال کا مفہوم ہے، اعمال کا فاسد ہو جانا بگڑ جانا۔ یعنی خراب نتائج پیدا کرنا۔ دنیا کا کوئی عمل بےنتیجہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن اعمال کا نتیجہ بُرا ہو، انہیں قرآن کی اصطلاح میں اعمالِ باطلہ یا فاسدہ کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص صحبتِ بد میں پڑ کر بٹیر بازی، تاش، تماش بینی، بھنگ نوشی اور فحش گوئی جیسی عادات بد کا شکار ہو جائے۔ تو عرب کہیں گے حَبِطَتْ اَعْمَالُہٗ اس کے اخلاق بگڑ گئے یا اس کے اعمال فاسد ہو گئے، یہی محاورہ دو اور مواقع پر بھی استعمال ہو سکتا ہے، مثلاً ایک طبیب دو چار ماہ کی مسلسل محنت کے بعد ایک کشتہ تیار کرتا ہے۔ اس کا نادان ملازم تھوڑا سا سنکھیا پیس کر کشتے میں ملا دیتا ہے۔ اس موقع پر عرب کہیں گے حَبِطَتْ اَعْمَالُہٗ (اس کی محنت رائگاں گئی) یا ایک سخت محنتی طالب علم امتحان کی تاریخ بھول جاتا ہے (میں خود ایک دفعہ اس حادثہ کا شکار ہو چکا ہوں) تو ہر آدمی کہے گا کہ اس کی محنت رائگاں گئی۔

لفظ عمل چال، داؤ اور فریب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ آپ کسی قوم سے لڑ رہے ہیں۔ دشمن آپ کے سلسلۂ آب رسانی کو تباہ کرنے کے لیے آدھی رات کو چند سپاہی روانہ کرتا ہے۔ وہ دبے پاؤں آپ کے واٹر ورکس کی طرف بڑھتے ہیں ابھی ایک فرلانگ کا فاصلہ باقی ہوتا ہے۔ کہ اتفاقاً وہاں گشتی گارد آ جاتی ہے اور دشمن کی چال کو ناکام بنا دیتی ہے ایسے موقعہ پر بھی یہ محاورہ استعمال ہو سکتا ہے۔ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ (ان کی چال ناکام ہو گئی) یا فَکَانَ سَعْیُھُمْ (ان کی کوشش بیکار ثابت ہوئی)

تو گویا حبطِ اعمال کے تین مفہوم ہوئے۔

اوّل: محنت کا رائیگاں جانا اور یہ وہ حادثہ ہے جو ہر انسان کو خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، قدم قدم پر پیش آتا ہے۔ مہاتما گاندھی کی تحریکِ عدم تعاون کو چھورا چوری کے واقعہ (ہندو مسلم فساد) نے ناکام بنا دیا۔ حضرت اسماعیل شہید اور سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہما کی کوششوں کو چند افغانوں کی غداری نے اکارت کیا تھا اور واٹر لو کے میدان میں نپولین کی ایک لغزش

نتائج کے تمام منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔ ہم میں سے ہر شخص کی زندگی ایسے غلط اقدامات سے لبریز ہے۔ جن کی وجہ سے بار ہا کیے کرائے پر پانی پھر جاتا ہے اور ہم اپنے مقصد سے ہماحل دور ہو جاتے ہیں۔

میں ایک ایسے ہونہار نوجوان سے آگاہ ہوں، جس نے تعلیم کے دوران میں بے حد محنت کی۔ یونیورسٹی سے وظائف لیے اور آخر سول سروس کے سب سے بڑے امتحان میں نہایت امتیازی حیثیت حاصل کی۔ ملازمت میں آپ کے جدو مختلف مراحل طے کرتا ہوا ایک بہت بڑے منصب پر جا پہنچا آخر رشوت لیتے ہوئے پکڑا گیا اور ذلیل ہو کے نکال دیا گیا (حبطت اعمالہٗ)

جس طرح بعض نیک اعمال تمام چھوٹی بڑی غلطیوں اور لغزشوں کو ڈھانپ لیتے ہیں (اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْہِبْنَ السَّیِّئَاتِ۔ بعض نیکیاں برائیوں کو ڈھانپ لیتی ہیں) مثلاً قائد اعظم کا صرف ایک کارنامہ (تعمیر پاکستان) ان کی تمام زندگی پر چھا گیا۔ اسی طرح بعض بداعمالیاں زندگی بھر کی محنت پر پانی پھیر دیتی ہیں جعفر بنگال، صادق دکن اور قائد کشمیر کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں۔ اس صورت حال کو بھی قرآن نے حبط اعمال سے تعبیر کیا ہے۔ نیک اعمال ضائع نہیں ہوتے، بلکہ ایک بہت بڑی بدعملی کے پیچھے چھپ جاتے ہیں۔ قائد کشمیر اپنے ایثار، مجاہدہ، حمیت ملی اور جفا طلبی کی بدولت برسوں قوم کی آنکھوں کا تارا بنا رہا۔ لیکن جونہی اس نے مسلمانان ہند سے غداری کی۔ وہ ساری قوم کے غیظ و غضب کا ہدف بن گیا۔ اس کی بیس سالہ قیادت اس کے گزشتہ نیک اعمال کی جزا تھی۔ وہ ان اعمال کی بدولت بیس برس تک مسلمانوں کے دلوں پہ حکومت کرتا رہا اور اب وہ اس کی سہالہ غداری کی اوٹ میں چھپ گئے ہیں۔

دوم: دوسری صورت ہے اعمال کا بے اسد ہو جانا اور یہ صورت بھی غیر مسلموں سے مخصوص نہیں، بلکہ مسلم و غیر مسلم سب میں پائی جاتی ہے۔ بری صحبت، لہو و لعب، مے نوشی، ارتکاب فواحش، اسراف، دروغ گوئی اور رشوت سے سب کے اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔

سوم: اور تیسرا مفہوم ہے دشمن کی چال کو ناکام بنا دینا۔

تشریحات بالا کی روشنی میں آیات ذیل کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے:

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝ (کہف)	(آؤ میں تمہیں زیاں کاروں کے متعلق کچھ بتاؤں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں صرف دنیوی منافع تک محدود رہیں اور اپنے اعمال کے متعلق بڑے خوش ظن رہے یہ لوگ الٰہی احکام اور نظام جزا و سزا (لقائہ) کے منکر تھے۔ اُن کے اعمال فاسد ہو گئے۔ (حبطت اعمالہم) اور اس لیے ہم ان کے اعمال کو تولے بغیر انہیں سپرد جہنم کر دیں گے)

اس آیہ میں حبطت اعمالہم کی یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے کہ ان کی چھوٹی موٹی نیکیاں اُن کی مہیب بدکاریوں کے پیچھے یوں چھپ گئیں کہ وزن اعمال کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی۔ نجات کے لیے اعمال صالحہ کا زیادہ وزنی ہونا ضروری ہے۔

وَأَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ۝ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ۝	(واں نجات وہی پائے گا جس کے نیک اعمال کا وزن زیادہ ہوگا)

اور جس شخص کے کروڑوں اعمال میں صرف دو چار نیکیاں ہوں، اس کے اعمال

کو تو اتنا وقت ضائع کرتا ہے۔ اس لیے ایسے فاسد الاعمال افراد کو بلا وزن آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

اس دنیا میں بت خانے تو بڑے بڑے موجود ہیں مثلاً سومنات۔ برزین۔ کوشی وغیرہ۔ لیکن سب سے بڑا بت صرف ایک ہے یعنی انسانی نفس جس کا دوسرا نام ابلیس ہے۔ ابلیس (نفس) ازل سے ابو آدم کی تباہی میں سرگرم ہے۔ اس کے بڑے بڑے حربے دو ہیں۔ یعنی غضب اور شہوت ان حربوں سے اس نے انبیا تک کو پچھاڑ دیا۔ مثلاً حضرت آدم نے تمنائے خلود (شہوت) شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا اور حضرت موسیٰؑ نے فرطِ غضب میں ایک قبطی کو قتل کیا اور انہیں ہتھیاروں سے اس نے نمرود فرعون کے بڑے بڑے قلعے سر کیے۔ غصہ و شہوت کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر قابو پانا جنگاہِ ہستی کی سب سے بڑی کامیابی ہے، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ اصلی موحد وہ نہیں جو پتھر کے بے ضرر اور بے جان بتوں کو توڑ ڈالے۔ بلکہ وہ ہے جو نفس کی سرکشی، بغاوت، طغیان۔ اور تمرد کو شکست دے۔ پتھر کی مورتیاں بالکل مسکین، بے ضرر، غریب اور کمزور ہوتی ہیں، آپ صرف ایک ٹھوکر سے سارا بت خانہ فنا کر سکتے ہیں۔ لیکن نفس سے لڑنا گویا ایک خوفناک اژدہے سے مقابلہ کرنا ہے۔ اس مقابلہ کو ہمارے صوفیہ نے جہادِ اکبر کا نام دیا تھا اور اسی جنگ میں کامرانی کو قرآن نے توحید اور شکست کو شرک کہا ہے۔

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهٗ هَوٰىهُ	(ذرا اس انسان کی حالت دیکھو جس نے اپنی خواہشات (نفس) کو اپنا رب بنا لیا)

یہ شرک انسان کو ابلیس بنا دیتا ہے۔ اس کے اعمال فاسد ہو جاتے ہیں

اور وہ دنیائے انسانی کے لیے زحمت بن جاتا ہے۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ (الزمر)

(اگر تم نفس کے پیچھے چلے تو لازماً تمہارے اعمال فاسد ہو جائیں گے اور تم گھاٹے میں رہو گے)

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (محمد)

(جو کافر دنیا کو اللہ کی راہوں سے روکتے تھے، تم نے ان کی چالوں کی دھجیاں بکھیر دیں)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ (محمد)

(کفار کے لیے تباہی (تعسا) اور ان کی کوششوں کی بربادی (اضل اعمالھم) مقدر ہو چکی ہے، یہ اس لیے کہ یہ لوگ آسمانی ہدایات سے نفرت کرتے ہیں اور اسی بنا پر اللہ نے ان کے اعمال کو خراب اور گندہ کر دیا ہے)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَشَاقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ (محمد)

(جو کافر کہ اللہ کی راہوں سے روکتے اور رسولؐ کو گزند پہنچاتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اس کی وحی سچی ہے۔ انہیں کہہ دو کہ وہ اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ بہت جلد ان کی کوششوں کو ناکام بنا دے گا۔)

ہر محفل کے الگ الگ آداب ہوتے ہیں۔ بزرگوں کی محفل میں خاموش بیٹھ کر سننا، باتوں میں دخل نہ دینا اور انتہائی فرمانبرداری کا مظاہرہ کرنا ہی تقاضائے انسانیت ہے۔ اگر بالفرض کسی کالج کے اساتذہ یا طلبہ پرنسپل کے سامنے چلا چلا کر باتیں

کریں اور قہقہے لگائیں تو پرنسپل کا رعب جاتا رہے گا اور سارے کالج میں بد
نظمی سی پھیل جائے گی۔ اسی طرح اگر حضور علیہ السلام کی محفل میں صحابۂ کرام
چلا چلا کر باتیں کرتے، تو حضور کا رعب دلوں سے اُٹھ جاتا اور تسلیم و انقیاد
کے وہ مظاہرے جو ہیبتِ رسالت کا نتیجہ تھے ختم ہو جاتے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ کَجَهْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ (الحجرات)	(اے اہلِ ایمان! تم اپنی آواز رسولؐ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور نہ اُن کے سامنے چلا چلا کر باتیں کیا کرو جیسے کہ تم ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ رعبِ رسالت کم ہو جائے اور تمہارے اعمال فاسد ہو جائیں۔)
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ (محمد)	(ایمان والو! خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ترکِ اطاعت سے اپنے اعمال کو خراب نہ کرو)

سوال: قرآن میں بار بار یہ آیات آئی ہیں کہ بعض لوگوں کو آخرت میں بالکل
محروم کر دیا جائے گا۔ کیا اس کا مطلب صریحاً یہ نہیں کہ ان کے نیک
اعمال ضائع ہو جائیں گے؟

جواب: جو لوگ اس دنیا کی لمبی زندگی میں ایک کام بھی آخرت کے لیے نہ
کریں اور ایک قدم بھی اللہ کی راہوں پر نہ چلیں، بتائیے! انہیں آخرت
میں کس بات کا اجر دیا جائے؟ انگریز کے زمانے میں ہزاروں ایسے
بزرگ تھے جن کا کام تھا انگریزوں کی ضیافتیں، خوشامدیں اور قومی
لیڈروں کے خلاف مخبریاں دینا۔ ان کا مقصد خطاب، جاگیر، ترقی، کرسی۔

منصب اور دنیا کی جھوٹی عزت تھی۔ سو یہ سب کچھ انہیں مل گیا۔ انہوں نے خدا کے لیے کیا کیا؟ کوئی یتیم خانہ کھولا؟ کوئی شفاخانہ بنوایا؟ کسی درسگاہ کی بنیاد رکھی؟ جہاد آزادی میں دو چار لاکھ روپیہ دیا؟ آخر اُن کے اخروی کارنامے کون سے ہیں جن کا اجر انہیں وہاں ملنا چاہیئے۔ اس قسم کے لوگ ہر زمانے میں تھے اور آج بھی ہر جگہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ انکا کام شکم پری، دولت اندوزی اور نفس پروری سے دلیں۔ ان کے متعلق اللہ کا فیصلہ سنیئے:

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ؕ

(جو لوگ اس دنیا میں رہ کر آخرت کی کھیتی بوتے ہیں، ہم ان کی کھیتی میں برکت ڈالیں گے اور جو لوگ یہاں دنیوی منافع کمانا چاہتے ہیں ہم ان کی محنت کو بھی بار آور کریں گے۔ لیکن وہ یاد رکھیں کہ انہیں آخرت میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔)

انسانی اتحاد کی راہ پر سب سے بڑی رکاوٹ مذہب کا مسخ شدہ تخیل ہے۔ مختلف مذاہب کے پیرو محض اس لیے ایک دوسرے کے لہو کے پیاسے بنے ہوئے ہیں کہ کیوں موہن لعل عیسےٰ و موسیٰ کے پیش کردہ تصورات مذہب کا قائل نہیں ہم نے آج تک اس اختلاف کو کم کرنے کے لیے ایک لفظ تک نہیں کہا اور ایک قدم تک نہیں اٹھایا۔ ہم اختلاف کی آگ کو ہوا دینے کے لیے سب کچھ کرتے رہے تردید مذاہب پر لاکھوں کتابیں لکھیں۔ ہر مسجد، ہر مندر اور ہر کلیسا میں کروڑ در کروڑ تقریریں کیں۔ لیکن کسی بھلے مانس کو یہ خیال نہ آیا۔ کہ ایک خدا کی ایک شریعت مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء کو مختلف زبانوں میں دی گئی۔ کوئی وجہ اشتراک تلاش کریں اور عناد و تعصب سے بچ کر سوئی اقوام کو محبت، اتحاد اور انسانیت کبریٰ

کی شاہراہ پہ ڈال دیں۔

مجھے انسان کا مستقبل بہت روشن نظر آتا ہے۔ جس انسان نے فطرت کے راز ہائے سربستہ کو ڈھونڈ کر فطرت پہ قابو پالیا۔ جس نے پہاڑ اُلٹ دیئے۔ سرکش سمندروں کو مطیع و منقاد بنا لیا اور کائنات کے بظاہر متضاد و مختلف مناظر میں جذب و ایتلاف کی ایک دنیا ڈھونڈ ڈالی۔ وہ کسی روز مذاہب کے سطحی اختلافات میں بھی وحدت و محبت کے وہ عوالم دیکھ لے گا۔ جن کے بغیر کاروانِ انسانیت منزل کمال تک نہیں پہنچ سکتا۔

اس سلسلے میں قرآن نے جو راہ تجویز کی ہے، اُس کی تفصیل صفحات گذشتہ میں دی جا چکی ہے، یعنی یہ اعلان:

۱۔ کہ مذہب ہر زمانے میں ایک تھا۔

۲۔ کہ اللہ نے ہر قوم کی طرف انبیاء بھیجے۔

۳۔ کہ ان میں تفریق ناروا ہے۔

۴۔ کہ کسی انسان کا عمل ضائع نہیں ہوتا۔

اگر آج دول اسلامیہ کے وزرائے خارجہ مغرب و مشرق میں قرآن حکیم کی اس عظیم سیاست کا اعلان کر دیں، تو مجھے یقین ہے کہ اس جہانِ بغض و عناد میں اس انوکھی صدا کی طرف ہر فرد اور ہر قوم متوجہ ہو جائے۔ روس، امریکہ اور بھارت کی نفرت باہم سے محبت میں بدل جائے اور ہماری بے شمار سیاسی و اقتصادی مشکلات کا خاتمہ ہو جائے۔

چند بروئے تو دکشی جلوۂ صبح و شام را
چہرہ کشا! تمام کن جلوۂ ناتمام را

———— اقبال

صحائفِ مقدسہ

اس وقت دنیا میں بیسیوں مذاہب رائج ہیں۔ لیکن وہ مذاہب جن کے پیروؤں کی تعداد کروڑوں تک پہنچ چکی ہے، صرف چار ہیں۔ یعنی اسلام، عیسائیت آریہ دھرم اور بدھ مت۔ ہم اس مقالہ میں صرف انہی مذاہب کے انبیا و صحف کا جائزہ لیں گے۔

ہر مذہب کے پیرو کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف میرا مذہب سچا ہے اور دنیا کے باقی تمام مذاہب اور ان کے پیرو جھوٹے، فاسق، کافر اور جہنمی ہیں۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکہ دیکھ لینا اور اپنا شہتیر تک نظر نہ آنا انسانی فطرت کی مشہور بیماری ہے۔ اپنی صورت، اپنے لباس، اپنے رسم و رواج، اپنے عقائد، اپنے معابد اور اپنے مناسک کو اچھا سمجھنا اور صرف اپنے بیٹے کو حسین ترین بچہ خیال کرنا ذہن انسانی کی وہ کجی ہے جسے آج تک کوئی دور نہ کر سکا۔ یہی وہ ٹیڑھا پن ہے۔ جو انسان کو انسان کا دشمن بنا دیتا ہے۔ مشرقی پنجاب میں دس لاکھ انسانوں کا قتل، فلسطین میں عربوں کے خون کی ارزانی، نواکھلی اور جمتوں کے زہرہ گداز مظالم اور بھارت میں آئے دن کے فسادات اسی ٹیڑھے پن کا کرشمہ ہیں۔ اگر آج کائنات کا نظم دنستق کسی برہمن کے حوالے کر دیا جائے، تو وہ سب سے پہلے مسلمانوں پر اور اس کے بعد دیگر اُمتوں پر رزق کے تمام دروازے بند کر دے۔ ان کی کھیتیوں پہ بارشیں برسانا چھوڑ دے۔ ان کے کنوؤں میں زہر بھر دے۔ ان کے پھلوں میں کیڑے ڈال دے اور اللہ سے سمع و بصر بلکہ زندگی تک چھین لے اور

اگر کسی مُلّا کو بھی اختیارات مل جائیں، تو وہ اپنے بغیر باقی سب کو جہنم میں اُٹھا پھینک دے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ برہمن ہے نہ مُلّا اور نہ پادری۔ بلکہ وہ ربّ کائنات ہے۔ جس کے ذہن میں کوئی ٹیڑھ پن نہیں۔ اس کی رحمتوں سے سب فیضیاب ہو رہے ہیں۔ اس کے انعامات سب کو مل رہے ہیں اسکی ہوائیں گھٹائیں اور فضائیں سب کے لیے ہیں۔ اس کے میزانِ عدل میں ڈاڑھیاں، قبائیں، زنّار، چوٹی، دھوتی، نام، نسل، رنگ، نسبتیں، غلط عقیدے، انسان کی تعصبات اور مذہبی یعنی زہریلی ذہنیتیں نہیں تلتیں۔ بلکہ صرف اعمال تولے جاتے ہیں۔ وہاں ہر بدکاری کو جہنم میں پہنچ دیا جاتا ہے۔ اور ہر نکوکاری پہ خواہ وہ ہندو پیش کرے یا یہود و مسلم، علم، دولت، قوت، زندگی اور تمکن فی الارض جیسے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ اگر آنکھیں ہیں تو دیکھ لو۔ تمہارے سامنے یہ انعامات تمہارے سوا سب کو مل رہے ہیں۔ تم اپنے آپ کو لاکھ طفل تسلیاں دو۔ کہ ابھی یہ دنیوی نعمتیں عارضی ہیں کہ دنیا مسلمان کے لیے زندان اور کافر کے لیے جنت ہے کہ دارِ عقبیٰ کی تمام نعمتیں صرف ہمارے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن قرآن تمہارے ان بے بنیاد تصورات کی ہنسی اُڑاتا ہے اور کہتا ہے اس مرض کا شکار صرف تم ہی نہیں بلکہ اس نشا میں ہر قد سوا پاؤں گزرا ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۰ (بقرہ)

(اہل کتاب کا یہ دعویٰ ہے کہ جنت میں صرف یہود یا نصاریٰ جائیں گے یہ ان کے ذہنوں کا ٹیڑھ پن (امانیہم) ہے انہیں کہو کہ اپنے اس قول کی تائید میں کوئی دلیل پیش کرو۔)

یہ بیماری صرف یہود و نصاریٰ میں نہیں تھی۔ بلکہ بقول ربِ قرآن ہر اُمّت

ولایعقل قوم اس مرض میں مبتلا ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ (البقرہ)	(یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے عقائد کی کوئی حقیقت نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کا ایمان کوئی چیز نہیں۔ حالانکہ دونوں کتاب پڑھتے ہیں۔ (یہ کچھ یہود و نصاریٰ تک ہی محدود نہیں) بلکہ ہر لایعقل قوم کے عقائد ایسے ہی ہوتے ہیں)

ہے کوئی جو اس حقیقت سے انکار کر سکے اور ہے کوئی جو اپنے ذہن و نظر کی کمی کو دیکھ لینے کے بعد اپنی اصلاح پہ آمادہ ہو جائے، کوئی نہیں اور قطعاً کوئی نہیں۔

بزرگوں سے سنا تھا کہ اسلام آسان ہے۔ بیشک اعمال کے لحاظ سے بہت سادہ اور آسان سا مذہب ہے۔ لیکن عقائد کے لحاظ سے نہایت مشکل اور دشوار ہے۔ مولانا ابوالبرکات حضرت سید حافظ حاجی عبدالصبور سہروردی سے گیتا کی صداقت تسلیم کرانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا تارا سنگھ سے کلمہ پڑھوانا صداقت تک پہنچنے کے لیے زندگی بھر کے تعصبات و مسلمات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور اتنی بڑی قربانی کون کرتا ہے کہ ماں، باپ، محلے کے مُلّا، سوسائٹی، پیر اور ماحول کے قائم کردہ آثار و نقوش کو یک قلم چھوڑ دے اور نئے تصورات کو قبول کر لے۔ اپنے والدین، اپنے گھر، اقارب، احباب، کھلیان، کھیتوں اور اپنے ندی نالوں سے زیادہ محبوب وہ تصورات و عقائد ہوتے ہیں۔ جن کی بنیاد ماں کی گود میں پڑتی ہے اور پھر ایک خاص ماحول میں جوان ہوتے ہیں۔ یہ

تصورات بزرگوں کی عزیز یادیں بن جاتے ہیں جن میں ماں باپ کی تائید گہرائی اور مذہبی رہنما کی قبولیت تقدس پیدا کر دیتی ہے۔ کملا دیوی نے کہا: "بیٹا! مسلمان پلیہ ہوتا ہے۔ اس سے چھو جاؤ تو کپڑے بدل کر فوراً نہالو۔" اس آگیا کو فرمانبردار رام کمار نے سنا۔ پتا جی نے اس کی تائید کر دی۔ مہاپُرش پنڈت شری نارائن شاستری نے مزید تاکید کرتے ہوئے فرمایا کہ مسلّا[1] چھو جائے، تو ان کے بھوجن[2]، جل[3]، شریر[4] اور آتما[5] تک بھرشٹ[6] ہو جاتی ہے۔" رام کمار دوستوں کے پاس آیا۔ بازاروں میں گیا۔ پاٹ شالہ اور ودیا مندر میں داخل ہوا۔ ہر جگہ یہی آواز اس کے کان میں پڑی۔ چنانچہ رام کمار کی ذہنیت مسخ ہو گئی۔ اور اس کے دل و دماغ پر تعصبات کی تہیں جم گئیں۔ پھر ایسی آواز آغاز میں محض ایک ہلکا سا اثر پیدا کرتی ہے اور آخر میں ایک محکم، راسخ اور تر بہ تر تعصب کی شکل اختیار کر لیتی ہے جسے نہ انگریز کی دو سو سالہ روشن تعلیم بدل سکتی ہے اور نہ خود مسلمانوں کی نو سو سالہ حکومت۔

آپ نے اندازہ فرما لیا کہ میرا کام کتنا کٹھن اور مشکل ہے کہ میں اس تعصّب زدہ، اوہام آلودہ، خرافات اندوز اور اسیرِ تقلید برہمن دنیا کو یہ کہہ رہا ہوں کہ آؤ ہم قیامِ امن کی خاطر ایک دوسرے کے انبیاء و صحائف پہ ایمان لائیں۔ آؤ ہم سچ کو سچ اور نور کو نور کہیں۔ میری اس صدا کا اس وقت ناقوس و جرس کے شور میں گم ہو جانا یقینی ہے۔ لیکن میں مستقبل سے مایوس نہیں ہوں۔ مستقبل کے روشن دماغ انسان کا مذہب یقیناً وہی ہوگا، جسے آج سے تیرہ سو برس پہلے حضور علیہ السلام نے آخری مرتبہ پیش فرمایا تھا اور جس کے بعض روشن پہلوؤں سے نقاب اٹھانے کی سعادت آج مجھے بھی نصیب ہو رہی ہے۔

---

[1] مسلمان [2] کھانا [3] پانی [4] جسم [5] روح [6] ناپاک

بائبل: بائبل کے دو حصے ہیں۔ عہد نامۂ قدیم اور عہد نامۂ جدید۔ اوّل الذکر میں مختلف انبیا کے اُنتالیس صحیفے ہیں اور موخر الذکر میں ستائیس۔ میزان چھیاسٹھ۔ اس زمانے میں الہامات کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی پیغمبر کے تمام اقوال و اعمال ایک کتاب میں جمع کر دیئے جاتے تھے۔ اور یہ کتاب ایک قسم کی سوانحعمری بن جاتی تھی جس میں اس نبی کے تمام حالات ولادت سے وفات تک لکھ دیئے جاتے تھے۔ لکھنے والا عموماً کوئی اُمتی ہُوا کرتا تھا۔ ہر چند کہ یہ لکھنے والے اپنے انبیا کے عشق میں سرشار اور سچی عقیدت میں چوٹی تک ڈوبے ہوئے ہوتے تھے اور تمام واقعات کو پُوری تحقیق کے بعد سُپردِ قلم کیا کرتے تھے۔ لیکن آخر انسان تھے۔ اس لیے بالکل ممکن ہے کہ اُن سے کوئی لغزش ہوگئی ہو کوئی واقعہ غلط لکھ گئے ہوں یا کوئی بات خلافِ حقیقت کہہ دی ہو۔

علمائے اسلام نے آج تک جس قدر اعتراضات ان صحائف پہ کیے ہیں۔ اُن کا ملخص یہ ہے:۔

اوّل: کہ ان کتابوں میں سوانح نگاروں کا کلام بھی شامل ہے۔

دوم: کہ بعض انبیا کی طرف نہایت ناپاک باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً حضرتِ داؤد علیہ السلام کے متعلق درج ہے کہ انہوں نے اوریاہ کی بیوی سے مجامعت کی۔ (۲۔ سموئیل باب ۱۱) لُوط علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ اُنہیں اُن کی بیٹیوں نے شراب پلائی اور نشہ کی حالت میں اُن سے ہم بستر ہوئیں۔ (پیدائش باب ۱۹) یہوداہ کے متعلق درج ہے کہ اُس نے اپنی بہو سے زنا کیا (پیدائش باب ۳۸) اسی طرح کی ایک درجن کہانیاں بھی ان صحائف میں موجود ہیں۔

سوم: یہ کہ ان کے الفاظ میں تحریف ہو چکی ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اس زمانے میں دستور یہی تھا کہ انبیاء کے اقوال و اعمال کو یکجا جمع کر دیا جاتا تھا۔ اقوال الہامی ہوا کرتے تھے اور اعمال کی تفسیر انسانی۔ اس لیے انسانی و الہامی اقوال کی آمیزش کے بغیر کوئی اور چارہ نہ تھا تورات کا نزول ۱۳۱۲ قبل مسیح میں ہوا تھا۔ حضرت موسیٰ کے بعد بھی ہزار ہا انبیا آئے۔ اگر اللہ کو صحائف الہام کا مروجہ طریقہ پسند نہ ہوتا۔ تو وہ کسی نبی کی وساطت سے ہدایت کر دیتا کہ دیکھو یہ اعمال و اقوال کی یکجائی پسند نہیں۔ آئندہ اس طریق کار سے بچو۔ لیکن ایسی کوئی ہدایت کسی صحیفے میں نہیں ملتی۔ بلکہ بعد میں آنے والے انبیاء کے الہامات بھی اسی طریقے سے منضبط ہوتے رہے۔ ہندوستان کے ایک اور رسول یعنی حضرت کرشن کی گیتا میں بھی یہی طریق کار اختیار کیا گیا۔ کہ پہلے کورکشترا کے میدان میں ہر دو افواج کی صف آرائی کا منظر دکھایا گیا۔ مہاراجہ کی گھبراہٹ کا نقشہ کھینچا گیا اور اس کے بعد حضرت کرشن کا وعظ درج کیا گیا۔

دنیا بھر میں صرف قرآن ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں انسانی کلام موجود نہیں۔ اس لیے ہم مسلمانوں کا تصور ہی الہامی صحائف کے متعلق یہ قائم ہو گیا ہے۔ کہ وہ انسانی کلام سے کلیتہً پاک ہوں۔ اور جب ہم صحائف گذشتہ کو اس نقطۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں، تو ہمیں حیرانی بھی ہوتی ہے اور کچھ بدگمانی سی بھی کہ جامعین صحائف نے الہام میں اپنا کلام کیوں شامل کر دیا۔ چونکہ حضرت موسیٰ کے بعد ہزار ہا انبیا بنی اسرائیل میں آئے۔ اور ان میں سے کوئی اس طریق کار پہ معترض نہیں ہوا۔ اس لیے ہمیں بھی خاموش ہونا پڑتا ہے۔

دوسرا اعتراض بڑا شدید اور سنگین ہے جس کا جواب عیسوی محققین

نے بالعموم یہی دیا ہے کہ انبیا سے بھی گناہ سرزد ہو سکتے ہیں اور ہوتے رہے۔
ہماری کتب عقاید میں ہے کہ انبیا معصوم ہوتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم اس کی تائید نہیں کرتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نافرمانی ہمیں ابن آدم ہونے کی وجہ سے چھوٹی سی نظر آتی ہے۔ لیکن اللہ کے ہاں آدم و ابلیس ہر دو نافرنی کے برابر مجرم تھے۔ دونوں کو سزا بھی ایک جیسی دی۔ ابلیس کو آسمان سے نکال دیا اور آدم کو جنت سے۔ دونوں کی نافرمانی کو عصیان و غوایت سے تعبیر کیا شیطان کے متعلق فرمایا:
عَصٰی فَاسْتَکْبَرَ (ابلیس نے نافرمانی (عصٰی) کی اور تکبر بھی) اور ابلیس نے اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ الخ (اے رب چونکہ تم نے گمراہ کر دیا ہے ۔)
اور آدم کے متعلق کہا:
وَعَصٰٓی اٰدَمُ رَبَّہٗ فَغَوٰی (آدمؑ نے رب کی نافرمانی کی اور گمراہ ہو گیا۔)
آدم و ابلیس ہر دو نے نافرمانی کی اور دونوں گمراہ ہوئے ۔ فرق صرف یہ تھا کہ ابلیس اکڑا رہا ۔ اور حضرت آدم نے رو رو کر معافی مانگ لی۔ فَتَابَ عَلَیْہِ (اور اللہ نے اس کی توبہ منظور کر لی۔)
جن و شیطان کی ترغیب سے سرزد ہوتے ہیں۔ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء کا مقام اتنا بلند ہوتا ہے کہ ابلیس کی رسائی وہاں تک دشوار ہوتی ہے لیکن ناممکن نہیں ہوتی۔ آخر حضرت آدم کو بہکانے والا کون تھا!

فَاَزَلَّہُمَا الشَّیْطٰنُ (آدم و حوا کو شیطان نے گمراہ
(بقرہ) کیا تھا)

حضرت یونسؑ کی یہ فریاد کس کی کرشمہ سازیوں کا نتیجہ تھی؟

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (انبیا)

(حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں فریاد کی کہ اے اللہ! تو مقدس اور لاشریک ہے، میری فریاد سن کہ میں گنہگار ہوں۔)

اور حضرت موسیٰؑ سے قتل جیسا بھیانک جرم کس کے ایما سے سرزد ہوا تھا؟ خود حضرت موسیٰؑ کے الفاظ میں سُنئے!

فَوَکَزَہٗ مُوْسٰی فَقَضٰی عَلَیْہِ قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِیْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ فَغَفَرَ لَہٗ اِنَّہٗ ھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ (القصص)

(موسیٰؑ نے اس آدمی کو گھونسوں سے مارا۔ نتیجہ یہ کہ وہ مر گیا۔ بعد میں کہنے لگا۔ اے اللہ میرا یہ عمل شیطانی ہے اور شیطان انسان کا صریح گمراہ کن دشمن ہے۔ میں ظالم اور گنہگار ہوں مجھے معاف کر۔ سو اللہ نے اسے معاف کر دیا۔ اس لیے کہ وہ غفور الرحیم ہے۔)

اگر شیطان آدم و موسیٰ سے عصیان و قتل جیسے جرائم کرا سکتا تھا۔ تو حضرت داؤد کو بھی گناہ کی ترغیب دے سکتا تھا۔ اگر آدم و موسیٰ کے گناہ معاف ہو سکتے تھے۔ تو حضرت داؤد کو بھی عفو و مغفرت سے نوازا جا سکتا تھا۔ اللہ کا باغی وہ نہیں۔ جس سے زندگی بھر میں ایک آدھ گناہ سرزد ہو جائے۔ بلکہ وہ ہے جو گناہ کرنے کے بعد شیطان کی طرح اکڑ جائے۔ گناہ کے بعد احساسِ گناہ اور ندامت کی پاکیزہ کیفیت صرف اللہ کے خاص بندوں ہی میں پیدا ہو سکتی ہے۔ اور اللہ نے اس کیفیت کی گہرائی دیکھنے کے لیے بار ہا اپنے

بندوں کو ابتلا میں ڈالا اور حضرت داؤد کی ابتلا بھی اسی قسم کی تھی۔

حضرت داؤد کے اس واقعہ کی طرف قرآن میں ایک اشارہ سا موجود ہے۔ پہلے سموئیل کی درستی کتاب (باب ۱۱ آیت ۲ تا آخر) کا بیان سنیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شام حضرت داؤدؑ محل پر چڑھے۔ سامنے ایک گھر میں ایک عورت نہا رہی تھی۔ نظر پڑ گئی اور اس کے حسن کو دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ کوئی آدمی بھیج کر اُسے بلوایا اور اس سے مجامعت کی۔ اُس عورت کا خاوند اُوریا میدانِ جنگ میں تھا۔ اپنے سپہ سالار کو لکھا کہ اُوریا کو ایسے مقام پر رکھو کہ وہ دشمن کے ہاتھ سے مارا جائے۔ چنانچہ اُوریا قتل ہو گیا اور حضرت داؤدؑ اس عورت کو اپنے گھر لے آئے۔

پھر اللہ نے ایک شخص ناتن کو حضرت داؤد کے پاس بھیجا۔ ناتن نے کہا کہ اے بادشاہ ایک آدمی کے پاس بھیڑوں کا بہت بڑا ریوڑ تھا، اور دوسرے کے پاس بھیڑ کی ایک چھوٹی سی بچی جس سے یہ اور اس کے بچے بہت پیار کرتے تھے۔ ایک دن پہلے آدمی کے ہاں ایک مہمان آ گیا۔ اُس نے دوسرے غریب سے اُس کی بھیڑ زبردستی چھین کر مہمان کو کھلا دی۔ فرمایئے آپ کا انصاف کیا کہتا ہے۔ حضرت داؤد یہ کہانی سُن کر کہنے لگے کہ پہلا واجب القتل ہے۔ اُسے میرے سامنے پیش کرو۔ ناتن نے کہا۔ وُہ مجرم تو ہے۔ جس نے بیویوں کا پُورا گلہ رکھتے ہوئے بھی ہمسایے کی بھیڑ زبردستی چھین لی۔ اس پر حضرت داؤد بہت نادم ہوئے۔ یہاں تک کہ بقول سموئیل۔

"داؤد نے روزہ رکھا، ساری رات زمین پڑا رہا" (سموئیل ۱۲/۱۶) رو رو کر عفو طلب کرتا رہا۔ اور پھر

"ناتن نے داؤد کو کہا کہ خداوند نے تیرا گناہ بخشا" (۲-سموئیل ۱۲:۱۳)

اب قرآن حکیم کی کہانی ملاحظہ ہو۔

وَهَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ اِذْ
تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا
عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا
لَا تَخَفْ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى
بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا
تُشْطِطْ وَاهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ
الصِّرَاطِ ۝ اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ لَهٗ
تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ
وَّاحِدَةٌ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَعَزَّنِيْ
فِي الْخِطَابِ ۝ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ
بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ
وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ
مَّا هُمْ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ
فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا
وَّاَنَابَ ۝ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ
وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَ
حُسْنَ مَاٰبٍ ۝ (ص)

(کیا تمہیں اُن اہلِ مقدمہ کی کہانی
معلوم ہے جو معبد کی دیوار پھلانگ
کر داؤد کے پاس آ گئے تھے۔
انہیں دیکھ کر داؤد ڈر گیا۔ وہ کہنے
لگے ڈریئے مت ہم ایک جھگڑا لے
کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں
ہمارے جھگڑے کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ
کیجئے بے انصافی سے بچیئے اور
ہمیں سیدھی راہ دکھایئے۔ بات
یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے اس کے
پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے
پاس صرف ایک تھی یہ شخص مجھ
سے زبردستی لینا چاہتا ہے۔ اور
آج اس نے مجھ سے سخت کلامی
بھی کی ہے۔ داؤد نے کہا یہ ظالم ہے
اور اکثر شرکا ایک دوسرے پہ ظلم
کرتے ہیں۔ اُن لوگوں کے بغیر جو مومن
ہیں اور پاکیزہ اعمال رکھتے ہیں لیکن
ایسے لوگوں کی تعداد کم ہے۔ داؤد

سمجھ گیا۔ کہ ہم نے اُس کو ابتلا میں ڈال دیا ہے۔ چنانچہ اُس نے معافی مانگی۔ شدتِ احساس سے زمین پر گر گیا۔ اور ہماری طرف واپس آیا۔ ہم نے اُسے معاف کر دیا اور داؤد کو ہمارے ہاں منصبِ قرب اور بلند مقام حاصل ہے۔

بائبل اور قرآن کی کہانیاں صرف دو مقامات پر آپس میں ملتی ہیں۔ اوّل: بھیڑوں کی تمثیل میں اور دوم: احساس گناہ میں۔ گناہ کی نوعیت کیا تھی؟ قرآن نے بیان نہیں کی، ممکن ہے کہ بائبل کی کہانی ہی اس کا پس منظر ہو۔ اور یا حضرت داؤد کے دل میں اُوریا کی بیوی کو حاصل کرنے کی آرزو پیدا ہوئی ہو اور اللہ نے ان دو آدمیوں کو بھیج کر اس آرزو سے روک دیا ہو۔

بہر حال آج اسلامی اور عیسائی اہلِ علم مصیبت میں ہیں کہ ان کہانیوں کی کیا تاویل کریں۔

عیسائی تمام بائبل کو تسلیم کرنے پر مذہباً مجبور ہیں اور یہی حال مسلمانوں کا ہے کہ انہیں بھی تمام صحائف پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ صرف یہی، بلکہ قرآنِ حکیم کو گذشتہ تمام صحائف کا محافظ بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ مِنَ الۡکِتٰبِ وَمُہَیۡمِنًا عَلَیۡہِ۔ (مائدہ)	(اے رسول ہم نے تم پر ایک ایسی کتاب نازل کی جو پہلی کتاب[1] (یا کتابوں) کی تصدیق کر رہی ہے۔ اور ان کی محافظ بھی ہے)

اس لیے ہم پر دُہرا فرض عائد ہوتا ہے۔ اوّل: کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لائیں

---

[1] ہم صفحات گذشتہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن پہلے تمام صحائف کو ایک کتاب تسلیم کرتا ہے۔
برق

اور دوم (کہ ہر قسم کے حملوں سے ان کی حفاظت بھی کریں اور جہاں قلتِ معلومات کی وجہ سے کسی بات کی حفاظت نہ کر سکیں (مثلاً داؤد و لوط علیہما السلام کی مذکورہ بالا داستانیں) تو تعظیماً خاموش ہو جائیں۔

میری ناقص رائے یہ ہے کہ بائبل میں کئی خالص تاریخی کتابیں بھی شامل ہیں۔ مثلاً پیدائش، سموئیل، تواریخ اور سلاطین وغیرہ ان کتابوں میں از اول تا آخر کہیں یہ دعویٰ نہیں کہ یہ اللہ کے منہ سے نکلی تھیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ بعض مقامات پر اللہ کسی نبی سے ہمکلام نظر آتا ہے لیکن ایسے مقامات اتنے کم ہیں کہ ان چاروں کتابوں کے خدائی کلام کو الگ لکھا جائے تو شاید وہ ایک صفحہ میں سما جائے حضرت داؤد کا قصہ سموئیل کی دوسری کتاب میں ہے۔ اور لوط و یہوداہ کا کتاب پیدائش میں۔ ہم مسلمان یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ ایک پیغمبر جس کے گھر میں ننانوے بیویاں موجود ہوں وہ اتنا مغلوب الشہوت ہو سکتا ہے کہ پہلے تو ہمسائی سے زنا کرے اور پھر اسے حاصل کرنے کے لیے اس کے شوہر کو قتل کرا دے۔ یا ایک پیغمبر کی بیٹیاں اپنے باپ سے ہمبستر ہو سکتی ہیں۔ ہم نے آج تک کوئی بیٹی ایسی نہیں دیکھی جس کے دل میں باپ سے ہمبستر ہونے کی خواہش پیدا ہوئی ہو۔ باپ اور بیٹی کا رشتہ ہی کچھ ایسا ہے کہ کسی وحشی سے وحشی لڑکی کے دل میں بھی یہ غیر فطری امنگ پیدا نہیں ہو سکتی۔

چونکہ یہ تمام افسانے بائبل کے تاریخی حصوں میں درج ہیں جو غالباً بشری قلم سے نکلے ہیں، اس لیے ہم ان حصوں پر ایمان لانے کے لیے مامور نہیں۔ قرآن کا موقف اس معاملے میں بالکل واضح ہے۔ وہ ہمیں بائبل کے صرف ان حصوں پر ایمان لانے کی ہدایت کرتا ہے، جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے۔

قُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْکُمْ ۔
(عنکبوت)

(کہو اے مسلمانو! کہ ہم اپنی کتاب پر اور تمہاری اُن تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں، **جو اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئیں**) ۔

اور اس لیے بشری تحریرات ہمارے دائرہ ایمان سے خود بخود خارج ہو جاتی ہیں ۔

یاد رہے کہ ان حکایات کا تحریف سے کوئی تعلق نہیں، میرا یہ ایمان ہے (تفصیل آگے) کہ بائبل میں کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی۔ حکایات زیرِ بحث مصنفین کے قلم ہی سے نکلی تھیں، مصنفین کون تھے۔ میں نہایت دیانت داری سے یہ سمجھتا ہوں کہ وہ عام انسان تھے ۔ اور میرے عیسائی بھائی دیانت داری سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ ہے ۔ اس اختلاف کو تحریف سے کیا تعلق۔ لفظی تحریف اُن جعلی عبارات کا نام ہے جو کسی کتاب میں مصنف کی اجازت اور علم کے بغیر داخل کر دی جائیں یا قطع و برید سے مفہوم کو بدل دیا جائے ۔ اور میرے خیال میں بائبل کی کسی کتاب کے ساتھ یہ حادثہ پیش نہیں آیا ۔ تفصیل کا انتظار فرمایئے ۔

عہد نامۂ قدیم: عہد نامۂ قدیم میں کل کتنی کتابیں تھیں اور ان پر کیا بیتی "تاریخ بتانے سے عاجز ہے ۔ اس وقت عہد نامۂ قدیم میں اُنتالیس صحیفے ہیں ۔ لیکن انہی صحیفوں میں بعض ایسی کتابوں کے حوالے دیئے ہوئے ہیں جو موجودہ بائبل میں موجود نہیں ۔ مثلاً :-

گم شدہ کتاب	بائبل میں ذکر
۱۔ عہد نامۂ موسیٰ	خروج باب ۲۴ آیت ۷
۲۔ جنگ نامۂ خداوند	گنتی 〃 ۲۱ 〃 ۱۴
۳۔ کتاب الیاشر	۲۔ سموئیل 〃 ۱ 〃 ۱۸
	یشوع 〃 ۱۰ 〃 ۱۳
۴۔ کتاب یاہو بن حنانی	۲۔ تواریخ 〃 ۲۰ 〃 ۳۴
۵۔ 〃 سمعیاہ نبی	〃 ۲ 〃 ۱۲ 〃 ۱۵
۶۔ 〃 اخیاہ نبی	〃 ۲ 〃 ۹ 〃 ۲۹
۷۔ 〃 ناتن نبی	〃 ۲ 〃 ۹ 〃 ۲۹
۸۔ 〃 مشاہدات عیدو غیب بیں	〃 ۲ 〃 ۹ 〃 ۲۹
۹۔ 〃 اعمالِ سلیمان	۱۔ سلاطین 〃 ۱۱ 〃 ۴۱
۱۰۔ 〃 یسعیاہ ابن اموص	۲۔ تواریخ 〃 ۲۶ 〃 ۲۲
۱۱۔ 〃 مشاہدات یسعیاہ بن اموص	〃 ۲ 〃 ۳۲ 〃 ۳۲
۱۲۔ سموئیل غیب بین کی تواریخ	〃 ۱ 〃 ۲۹ 〃 ۲۹-۳۰
۱۳۔ نغمات سلیمان ایک ہزار پانچ	۱۔ سلاطین 〃 ۴ 〃 ۳۲-۳۳
۱۴۔ سلیمان کی کتاب خواص نباتات و حیوانات	۱۔ سلاطین 〃 ۴ 〃 ۳۲-۳۳
۱۵۔ کتاب امثال (موجودہ کتاب امثال سے مختلف ہے اس میں تین ہزار امثال تھیں)	۱۔ سلاطین 〃 ۴ 〃 ۳۲
۱۶*۔ جاد غیب بین کی تاریخ	۱۔ تواریخ 〃 ۲۹ 〃 ۲۹

* ایک روایت کے مطابق سموئیل کی کتاب (پہلا حصہ) سموئیل، ناتن اور جاد غیب بین نے مکمل کر لئے تھے۔ ملاحظہ ہو ([illegible] صفحہ ۲۶۳)

گم شدہ کتاب کا نام	بائبل میں ذکر
۱۷. مرثیہ یرمیاہ (بقول بشپ پیرک یہ اس مرثیہ سے مختلف تھا جو بائبل میں درج تھا. یہ گم ہو چکا ہے ا)	۲. تواریخ باب ۳۵ آیت ۲۵

بعض مسیحی محققین مثلاً ہمفدرڈ. گرین اسمتھ وغیرہ کی تصانیف سے پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا ستره کتب کے علاوہ انتیس ۲۹ صحیفے اور بھی تھے. مثلاً حنوک. کتاب مشاہدات ابراہیم. کتاب قیامت موسیٰ. کتاب الوعظ. ملفوظات حبقوق. کتاب حزقیل وغیرہ. جو یا تو گم ہو گئے اور یا انہیں جعلی سمجھ کر مجموعہ سے نکال دیا گیا. تاریخ عالم سے پتہ چلتا ہے کہ ہر اُمت پر کوئی نہ کوئی ایسا وقت آتا ہے جب وہ فقہی و کلامی مباحث میں اُلجھ کر فرقوں میں بٹ جاتی ہے. اور ہر فرقہ اپنی تائید میں کچھ اقوال و احادیث تراش کر انہیں اپنے انبیا کی طرف منسوب کر دیتا ہے. یہود و نصاریٰ صدیوں اس مرض میں مبتلا رہے اور اس دوران میں انہوں نے اس قدر جعلی صحائف تراشے (واعظ ۱۲) کہ ایک زمانے میں اناجیل[1] کی تعداد ۱۰۸ تک پہنچ گئی تھی اور یہی حال یہودی صحائف کا تھا. اغلب ہے کہ آیۂ ذیل میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہوا

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (بقرہ)

(ان لوگوں پر لعنت جو کوئی کتاب دیا تحریر اپنے ہاتھ سے لکھ کر اُسے خدا یا اُس کے رسول کی طرف منسوب کر دیتے ہیں)

---

[1] مزید تفصیل کے لیے مندرجہ ذیل کتابیں ملاحظہ کیجئے (۱) ہارن صاحب کی "انٹروڈکشن علوم بائبل پر" مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء ج ۱. (۲) جارج سیل کے "مقالات" مطبوعہ لندن ۱۸۸۶ء.

اس فن میں ہم مسلمان سب سے بازی لے گئے۔ یہود و نصاریٰ نے تو زیادہ
سے زیادہ دو چار ہزار جھوٹے اقوال تراشے ہوں گے۔ لیکن ہم نے پوری چودہ[۱] لاکھ احادیث
گھڑ کر حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیں اور قرآن حکیم کو ساقط الاعتبار بنانے کے
لیے کہا کہ فلاں فلاں آیات پہلے قرآن میں موجود تھیں، اور اب نہیں (صحیح بخاری) فلاں
آیت یوں اتری تھی، لیکن اب اس میں تبدیلی کر دی گئی ہے۔ (بخاری) اور فلاں فلاں
آیات منسوخ ہو چکی ہیں۔ (صحاح ستہ)

تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ عہد نامہ قدیم میں اس وقت ۳۹ صحیفے ہیں۔ یہ صحیفے بیک
وقت نازل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ ان کا زمانہ نزول پندرھویں صدی قبل مسیح سے
۴۰۰ قبل مسیح تک پھیلا ہوا ہے۔ انبیا آتے رہے۔ اور کتابیں چھوڑ کر واپس جاتے
رہے۔ کسی نیک بخت نے کوئی نقل رکھ لی تو رکھ لی۔ ورنہ وہ زمانہ ہی انبیاء کا تھا۔
ان صحائف کی رو سے ایک ایک وقت میں کئی کئی سو انبیا موجود ہوتے تھے جہاں
انبیا و صحائف کی یہ کثرت ہو۔ وہاں صحائف کی قدر کون کرتا ہے۔ اور حفاظت وحی
کی ضرورت کسے محسوس ہوتی ہوگی۔ لہٰذا صحائف کی بہت بڑی تعداد ضائع ہو گئی۔
کچھ یہود کی لاپرواہی سے اور کچھ حملہ آوروں کی دستبرد سے۔ جب ۵۸۶ق م قبل
مسیح میں بابل کے تاجدار بخت نصر نے یہود پر حملہ کیا۔ تو اُن کی کتابیں جلا ڈالیں۔
کتنی کتابیں جلائیں تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ
۴۴۰ق م میں عزرا نبی کے پاس تورات موجود تھی۔ نحمیاہ[۲] نبی کا زمانہ ۴۴۴ق م
تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

---

۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو میری تصنیف "دو اسلام" کتاب منزل کشمیری بازار لاہور۔
۲ ملاحظہ ہو EQUIPPED FOR EVERY GOOD WORK مطبوعہ نیویارک ۱۹۴۲

"تب سارے لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے عزرا فقیہ سے عرض کی کہ موسیٰ کی شریعت کی کتاب کو جو خداوند نے اسرائیل کو فرمائی تھی لے آئے۔ تب ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ کو عزرا کاہن مرد و عورت کی جماعت کے آگے یعنی سب کے آگے جو سن کے سمجھ سکتے تھے تورات کو لایا اور جل پھاٹک کے مقابل کے بازار میں پو پھٹنے سے دوپہر تک پڑھتا رہا اور سب لوگ شریعت کی کتاب کان دھر کر سنتے رہے۔ نحمیاہ (۸ : ۱ تا ۳)

اگر معترضین کی اس بات کو مان لیا جائے کہ بخت نصر کے حملے میں تورات کا ہر نسخہ ضائع ہو گیا تھا، تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ۴۶۰ ق م میں حضرت عزرا کو کہاں سے مل گیا تھا ؟

بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام اسرائیلی بادشاہوں کو حکم دیا تھا کہ ہر بادشاہ تورات کی ایک نقل اپنے پاس رکھے (استثنا ۱۷ : ۱۸ تا ۲۰)۔ ظاہر ہے کہ ان بادشاہوں نے تورات کے کافی نسخے تیار کرائے ہوں گے۔ (حضرت عمرؓ نے بقول ابن حزم اپنے دس سالہ دورِ خلافت میں قرآن کے ایک لاکھ نسخے تیار کرائے تھے) کاہنوں اور فقیہوں کے پاس بھی نقلیں ہوں گی۔ امراء و عوام کے پاس بھی لازماً متعدد نسخے ہوں گے۔ اس لیے یہ تصور کہ موسیٰ علیہ السلام (۱۵۱۳ ق م) سے لے کر بخت نصر (۶۰۰ ق م) کے زمانے تک یعنی نو سو برس کے طویل عرصے میں تورات کا صرف ایک ہی نسخہ تیار ہوا تھا جو معبدِ یروشلم میں موجود تھا اور اس نسخہ کے ضائع ہونے سے تورات کا وجود ہی دنیا سے مٹ گیا تھا۔ سخت غلط اور بے بنیاد تصور ہے۔ اگر حضرت فاروقؓ دس سال میں قرآن کے ایک لاکھ نسخے لکھوا سکتے تھے تو حساب لگائیے کہ نو سو برس میں تورات (جس کا حجم قرآن سے کم ہے) کے کتنے نسخے لکھے گئے ہوں گے۔ آخر سلاطینِ اسرائیل میں

بھی کوئی نہ کوئی فاروقؓ جیسا خادم دست آیا ہوگا۔ جسے کلام اللہ سے عشق ہوگا اور جس نے اصلاح انسانی کے لیے کتاب مقدس کی متعدد نقول تیار کرائی ہوں گی ان سلاطین میں داؤد و سلیمان جیسے مقدسین بھی گذرے تھے کیا ان حضرات نے اپنی وسیع سلطنتوں کے لیے جو چین سے مراکش تک پھیلی ہوئی تھیں تورات کا کوئی نسخہ تیار نہیں کرایا تھا؟ کراتے ہوں گے اور ہزاروں کی تعداد میں فرمایئے کہ بخت نصر کے حملے کے بعد یہ ہزار ہا نسخے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ عقل اور منطق کہتی ہے کہ تباہ ہونے کے باوجود ان کی بہت بڑی تعداد بچ گئی ہوگی۔ جن میں سے ایک حضرت عزرا کے پاس بھی پہنچ گیا تھا۔ تورات کی تباہی کے متعلق کچھ اور حکایات بھی ملتی ہیں۔ جن کا تعلق مندرجہ ذیل حملوں سے ہے۔

(۱) سنہ ۱۶۸ ق م میں شاہ انطاکیہ کے حملے یوروشلم پر۔
(۲) سنہ ۷۰ء میں شہزادہ روم طیطس کا حملہ یوروشلم پر۔
(۳) سنہ ۱۳۵ء میں قیصر روم ہدریان کے ہاتھوں یہود کا قتل عام یوروشلم میں۔
(۴) سنہ [illegible] میں شمال کی طرف سے یہود پر وحشی قبائل کا حملہ اور خوفناک قتل و غارت۔
(۵) سنہ ۶۱۴ء میں خسرو پرویز شاہ ایران کی یوروشلم پر چڑھائی اور معابد کی تباہی۔

معترضین یہ کہتے ہیں کہ ان حملوں میں تورات کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلایا گیا تھا" مان لیا کہ جلا دیا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ تورات کا ہر نسخہ جل گیا تھا اور ہر یہودی قتل ہو گیا تھا۔ کسی حملے میں کسی قوم کے ہر فرد کا ہلاک ہو جانا ناممکن التسلیم ہے۔ ایسے حادثوں میں وہی ہلاک ہوتے ہیں جو اچانک موت کے منہ میں آجائیں۔ یا ضعف و مرض کی وجہ سے بھاگ نہ سکتے ہوں۔

وہ بچنے کے لیے ہزاروں راستے ہوتے ہیں۔ بھیس بدل لیا غاروں میں چھپ گئے۔ جنگلوں میں بھاگ گئے یا ملبے کے نیچے پناہ لے لی۔ آخر حملہ آوروں کے سپاہی حاضر و ناظر تھوڑے ہی ہوتے ہیں کہ ہر جگہ موجود ہوں اور ہر خفیہ مقام کو دیکھ رہے ہوں۔ مذکورۃ الصدر حملوں میں بھی لاکھوں یہود بچ گئے ہوں گے۔ جن کے پاس تورات کے نسخے بھی موجود ہوں گے۔ ہم ابھی ابھی عرض کر چکے ہیں کہ بخت نصر کا حملہ ہر لحاظ سے کامیاب اور ہر دیگر حملے سے زیادہ خوفناک تھا۔ اُس نے معابد و صحائف کو جلا ڈالا تھا اور ہر زندہ یہودی کو پکڑ کر ساتھ لے گیا تھا۔ بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ تورات کا ہر نسخہ اس حملے میں ضائع ہو گیا ہوگا۔ لیکن نحمیا کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ لوگ اسیری کا زمانہ کاٹ کر واپس آئے تو بخت نصر کے حملے کو اپنے گناہوں کی پاداش سمجھ کر اللہ کے حضور میں گڑگڑائے معافی مانگی، آئندہ نیک رہنے کا عہد کیا۔

" اور سب نے ہم قسم ہو کے کہا: کہ ہم خدا کی شریعت پر جو بندۂ خدا موسیٰ کی معرفت ملی چلیں گے اور یہوواہ اپنے خداوند کے سب حکموں اور قانونوں اور اس کی عدالتوں کو حفظ کریں گے اور اُن پر عمل کریں گے۔ نہیں تو ہم پر لعنت ہو۔" (نحمیا ۱۰/۲۹)

اور یہ عہد حضرت عزرا کے سامنے کیا تھا۔ اگر موسیٰ کی شریعت ضائع ہو چکی ہوتی۔ تو وہ لوگ سب سے پہلے یہ شکایت کرتے کہ ہماری کتاب تو تلف ہو چکی ہے۔ ہم عمل کس چیز پر کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس تباہی کے بعد بھی وہ موسیٰ کی شریعت، اُن کے پاس موجود تھی۔

یہود میں یہ دستور تھا کہ کتاب مقدس کا جب کوئی نسخہ کافی پرانا ہو جاتا تو تعظیماً اسے صندوق میں رکھ کر یا کسی مضبوط کپڑے وغیرہ میں باندھ کر زمین میں

دفن کر دیتے ۔ اور یہی سلوک پھٹے ہوئے اوراق اور ان صفحات سے بھی کرتے
جن میں کتابت کی غلطیاں ہوتیں ۔ یہ کتابیں مضبوط طومار اور ایسے پارچمنٹس یا چمڑے
کے کاغذ پر لکھی جاتی تھیں ۔ جو مٹی کے نیچے بھی بہت کم خراب نہیں ہوتے تھے ۔
اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ بخت نصر نے کتاب مقدس کا ہر نسخہ تلف کر
دیا تھا ۔ تب بھی موسیٰ کی شریعت فنا نہیں ہو سکتی تھی ۔ اس لیے کہ ارض مقدس کے
طول و عرض میں ہزاروں سالخوردہ نسخے مدفون تھے جنہیں نکال کر نئے نسخے تیار کرائے
جا سکتے تھے ۔ اور ممکن ہے کہ حضرت عزرا نے بھی اپنا نسخہ زمین ہی سے نکالا ہو ۔

تحریف! بائبل پر سب سے اعتراض یہ ہے کہ اس میں تحریف ہو چکی ہے ۔
اور اس اعتراض کی تائید میں قرآن حکیم کی چند آیات پیش کی جاتی ہیں ۔
ان آیات پر ہم ذرا آگے چل کر غور کریں گے ۔ سر دست یہ دیکھنا ہے کہ اس
موضوع پر تاریخ کا فیصلہ کیا ہے ؟

اہل مغرب کا امتیازی وصف تلاش و تحقیق ہے ۔ کوئی گروہ پہاڑوں اور وادیوں
میں گھوم گھوم کر ہر کنکر اور ہر رنگ دار پتھر سے اس کی تاریخ پوچھ رہا ہے کوئی دلدلوں
سے آغاز حیات کی داستان سن رہا ہے ۔ کوئی نباتات میں زندگی کا سراغ ڈھونڈ
رہا ہے ۔ کوئی عناصر کے مطالعہ میں مصروف ہے ۔ کوئی سائنٹسٹ ہر ہر قدم کی باتیں زمین
کو سنا رہا ہے ۔ اور ایک گروہ ایسا بھی ہے جس کی خدمات کتاب مقدس کے
لیے وقف ہیں ۔ یہ نہ صرف کتاب کی طباعت ، صحت کتابت اور تفسیر و تشریح
کے فرائض سرانجام دیتا ہے ۔ بلکہ دنیا کے ہر خطے میں اس نے اپنے مراکز کھول
رکھے ہیں جن کا کام تبلیغ کے علاوہ قلمی نسخوں کی فراہمی بھی ہے ۔ اس گروہ نے ۱۹۴۷ء
میں ایک نہایت نایاب مخطوطہ حاصل کیا ہے ۔ بات یوں ہوئی کہ فلسطین کا ایک
گڈریا بحر مردار کے ساحل پر بکریاں چرا رہا تھا ۔ کہ ایک بکری بھٹک گئی ۔ وہ اس

کی تلاش میں ایک پہاڑی غار کے قریب جا نکلا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر اندر پھینکا۔ کسی برتن کے ٹوٹنے کی آواز آئی۔ وہ ڈر سے بھاگ نکلا اور گاؤں میں کسی اور کو اطلاع دی۔ اس خیال سے کہ شاید ان برتنوں میں خزانہ ہو۔ وہ دونوں واپس آئے، غار کے اندر اترے، کیا دیکھتے ہیں کہ چند بڑے بڑے مرتبان رکھے ہیں، جن میں کاغذوں کے طومار بھرے ہوتے ہیں۔ وہ ان مرتبانوں کو اٹھا لائے اور ردی سمجھ کر بیچ ڈالا۔ ان میں سے بعض طومار امریکن مشن نے خرید لیے۔ اور اس وقت ییل (Y A L E) یونیورسٹی کے سکول آف اورنٹیل ریسرچ میں ان کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ کچھ علمائے کنعان کے ہاتھ لگے۔ انہوں نے رومی کلیسا کو دے دیئے کچھ یروشلم کی عبرانی یونیورسٹی میں پہنچ گئے اور کچھ برطانوی عجائب خانہ کی زینت بن گئے۔ اس وقت تقریباً ایک درجن طوماروں کی حقیقت معلوم ہو چکی ہے۔ یہ سب کے سب عہد عتیق کے بعض صحائف کے عبرانی مخطوطے ہیں۔ ایک میں سعیاہ نبی کی پوری کتاب درج ہے۔ ایک حبقوق نبی کی کتاب کی تفسیر ہے اور دیگر طوماروں میں کتاب پیدائش، استثنا، احبار، قاضیوں اور دانی ایل کے کچھ حصے ہیں۔

مرتبانوں کی وضع قطع اور رنگ و روغن سے ماہرین آثار قدیمہ نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ان کا تعلق دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح کی یونانی تہذیب سے ہے۔ جب مرتبانوں کا تعلق دوسری یا تیسری صدی ق م سے ہے تو ظاہر ہے۔ کہ ان سے جو چیز نکلی ہے۔ وہ بھی اسی زمانے کی ہو گی۔ تو گویا محققین عیسائیت کو بعض صحائف کے ایسے نسخے مل گئے جو آج سے اندازاً تیئس سو برس پہلے لکھے گئے تھے۔

جب ان طوماروں سے موجودہ صحائف کا مقابلہ کیا گیا اور خصوصاً ان عبرانی مخطوطوں کا جن کی تعداد ستر اسی کے قریب ہے اور جو صرف ہزار سال پرانے ہیں۔ تو چند اغلاط کتابت کے بغیر کوئی اور فرق نظر نہ آیا۔ ان طوماروں نے ثابت کر دیا کہ موجودہ

بائبل وہی ہے جو دوسری اور تیسری صدی قبل مسیح میں رائج تھی۔ اسی دور (۲۸۰ قبل مسیح) میں علمائے اسکندریہ نے عہد عتیق کا وہ یونانی ترجمہ کیا تھا جو سبعینیہ یا سیپٹوجنٹ کے نام سے مشہور ہے۔ اس نسخے کے تین سو مخطوطے اس وقت مختلف لائبریریوں اور گرجوں میں محفوظ ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ میں بھی اس کتاب کے تینتیس اقتباسات موجود ہیں۔ جب موجودہ بائبل کا مقابلہ اس نسخے سے کیا گیا تو چند معمولی کاتبانہ اختلافات کے بغیر کوئی اہم فرق نظر نہ آیا۔ ان کے تطابق کا یہ حال ہے کہ حضرت موسیٰ کی پانچ کتابوں میں صرف چار اختلافات ملتے ہیں۔ ان ناقابلِ تردید شہادتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آج کی بائبل وہی ہے جو تیسری صدی میں رائج تھی۔

اب ذرا تاریخ کے چند اوراق اُلٹیے تو آپ کو ۷۲۲ قبل مسیح میں سماریا اور سامری قوم کا ذکر ملے گا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب اسرائیل کے دس قبائل پر ایلاہ کا بیٹا ہوسیع حکمران تھا۔ اس کے دارالخلافہ کا نام سماریا (یا سمرون) تھا۔ جب ہوسیع کا کردار بگڑ گیا، تو اسیریا[1] (اسوریا) کے فرمانبردار سلمنسر نے اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ اسرائیل کے دس قبائل کو ہمراہ لے گیا۔ انہیں اپنی سلطنت کے دور دراز حصوں میں آباد کر دیا (۲۔ سلاطین ۱۷/۶) اور ان کی جگہ[2] بابل۔ کوتہ۔ عوا۔ حمات اور سفروائیم کے چند قبائل کو لا بسایا۔ یہ لوگ بت پرست تھے۔ شاہ اسیریا نے

؎۱ اسیریا کو اسوریا بھی کہتے ہیں۔ یہ ایک قدیم سلطنت ہے جس کا بانی اول اشور تھا۔ جو مشہور اس سلطنت کے پایۂ تخت نینوا کا بانی تھا۔ یہ سلطنت کسی زمانے میں دریائے سندھ سے لے کر بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل (شام و فلسطین) تک پھیلی ہوئی تھی (بائبل سٹوریز کی کہانیاں ص ۲۹۶)

؎۲ ۔ سلاطین ۱۷/۲۴۔

چند یہودی کاہن بھیج کر انہیں مذہب کی تعلیم دی چنانچہ یہ لوگ موسیٰؑ کے پیرو بن گئے اور سماریا کی نسبت سے سامری کہلانے لگے۔ ان لوگوں نے اندازاً ۴۵۰ قم میں عبرانی تورات کا ایک نسخہ سامری رسم الخط میں تیار کیا۔ جس کی ایک نقل نابلس میں محفوظ ہے۔ آج جب علمائے بائبل نے اس نسخہ سے موجودہ بائبل کا مقابلہ کیا تو چند کاتبانہ اختلاف کے علاوہ کوئی فرق نہ نکلا۔ اور یہ بات واضح ہوگئی کہ موجودہ بائبل وہی ہے۔ جس کا ایک نسخہ سامریوں نے ۴۵۰ قم میں تیار کیا تھا چونکہ سامری ۷۲۲ قم میں سماریہ میں بسائے گئے تھے۔ اس لیے انہوں نے اسی تورات کی نقل کی ہوگی۔ جسے وہ گذشتہ تین سو برس سے استعمال کر رہے تھے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ۷۲۲ قم کی تورات ۴۲۳ قم میں کچھ اور ہوگئی ہو اور ۴۲۲ قم میں کچھ اور کسی مذہبی کتاب پر ایمان قائم رہ ہی نہیں سکتا۔ اگر وہ ہر دور میں تبدیل ہوتی رہے۔ سامریوں کو بائبل سے گہری عقیدت تھی اور یہ عقیدت ہو نہیں سکتی جب تک یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ سامریوں کے سامنے ۷۲۲ قم سے ۴۵۰ قم تک اس کتاب میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی تو گویا سامری تورات کا نسخہ ایک ایسی شہادت ہے جس سے بائبل کی صحت کا سراغ ۷۲۲ قبل مسیح تک ملتا ہے۔

۱۵۱۴ قم نزولِ تورات کا زمانہ ہے ہمیں افسوس ہے کہ ۷۲۲ قم سے ۱۵۱۴ قم تک کا زمانہ تاریخ کے دھندلکوں میں مستور ہے اس دور کا کوئی مخطوطہ ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ کتابِ مقدس سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ ہر زمانے میں مختلف انبیا نے اسرائیل کو موسوی شریعت کی طرف بلایا، اور اس قسم کے حوالہ سے قدیم صحائف مثلاً قاضیوں۔ رُوت۔ سموئیل، سلاطین وغیرہ بھرے پڑے ہیں۔ جن

سے صریحاً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موسوی شریعت (تورات) ان تمام انبیا کے زمانے میں موجود رہی۔ ورنہ اگر ضائع ہو جاتی یا منسوخ کر دی جاتی تو عہد عتیق کے ۳۹ صحائف میں کہیں تو اس کا ذکر ہوتا۔ ہر نبی نے یہی کہا کہ موسیٰؑ کی شریعت پر چلو۔ کسی نے یہ نہ کہا کہ موسیٰ کی شریعت گم ہو چکی ہے یا اس میں تحریف ہو چکی ہے اور وہ قابلِ ایمان نہیں رہی۔

جس طرح قرآن حکیم کو حضور علیہ السلام اپنے سامنے لکھوا دیتے تھے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی تورات کو قلمبند کر لیا تھا۔

"تب خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ یادگاری کے لیے کتاب میں اسے لکھ رکھ" (خروج ۱۷/۱۴)

"اور موسیٰ نے آ کر خداوند کی ساری باتیں اور عدالتوں کا بیان لوگوں سے کیا اور سارے لوگوں نے متفق ہو کر جواب دیا اور کہا کہ ساری باتیں جو خداوند نے فرمائی ہیں، ہم کریں گے۔ اور موسیٰ نے خداوند کی ساری باتیں لکھیں۔" (خروج ۲۴/۳-۴)

"اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ تو یہ باتیں لکھ۔ کیوں کہ ان باتوں کے موافق میں تجھ سے اور اسرائیل سے عہد باندھتا ہوں۔" (خروج ۳۴/۲۷)

"اور وہ وہاں چالیس دن رات خداوند کے پاس تھا۔ وہ نہ روٹی کھاتا نہ پانی پیتا تھا۔ اور اس نے اس عہد کی باتیں وہ دس حکم لوحوں پر لکھے۔" (خروج ۳۴/۲۸)

یہ دس حکم وہ ابتدائی احکام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوہ طور پر عطا ہوئے تھے (بعینہٖ اسی طرح جیسے حضورؐ پر غار حرا میں سورۂ اقرا نازل ہوئی تھی) اس کے بعد مزید احکام حضرت موسیٰؑ کی رحلت تک

نازل ہوتے رہے۔ جس طرح قرآن کے متعلق اللہ نے حفاظت کا وعدہ کیا تھا (وَاِنَّا لَہٗ لَحافِظُوْن)، اسی طرح یسعیاہ پیغمبر (۷۰۰ ق م) کو اللہ نے کہا تھا:

"گھاس مرجھا جاتی ہے، پھول کملا جاتے ہیں۔ پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے۔" (یسعیاہ ۴۰/۸)،

آٹھ سو برس بعد پطرس اپنے "عام خط" میں لکھتا ہے: "ہر بشر گھاس کی مانند ہے۔ اور اس کی ساری شان و شوکت پھول کی طرح۔ گھاس سوکھ جاتی ہے اور پھول جھڑ جاتا ہے۔ لیکن خداوند کا کلام ابد تک قائم رہے گا۔ (۱۔پطرس ۔ ۲۴-۲۵)

اللہ کے ارادوں کو کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی۔ جس طرح ہمارے زمانے میں کم علم مفتریوں کی ناہنجار مساعی کے باوجود قرآن صحیح و سالم ہمارے پاس موجود ہے۔ اسی طرح قدیم زمانوں میں بھی اللہ کا کلام انسانی دستبرد سے محفوظ رہا۔ اگر قرآن کے متعلق اللہ کا وعدہ تیرہ سو برس سے قائم ہے اور ابد تک قائم رہے گا، تو پھر یہ کیوں فرض کر لیا جائے کہ پرانے صحائف کے متعلق اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو سکا۔ کیا یہود میں یہ طاقت تھی کہ وہ خدا کی مشیت کو شکست دے سکیں۔ کیا اللہ تعالیٰ اتنا بے بس ہو گیا تھا کہ یہود اس کی آنکھوں کے سامنے اس کے کلام کا حلیہ بگاڑتے رہے اور وہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور اس کا وعدہ دھرے کا دھرا رہ گیا؟

اس زمانے میں حفاظتِ صحائف کے سہ گونہ انتظامات تھے۔

اوّل: انبیاء اپنے صحائف یا تو خود لکھ جاتے تھے۔ مثلاً تورات، کتاب یشوع، امثال، زبور وغیرہ اور یا ان کے حالات و الہامات کو بعد کے انبیا و اصفیا قلمبند کرتے تھے۔ مثلاً سلاطین، دیرو قصص، یرمیاہ نے تواریخ ذبیر

انھوں نے ہر کتاب کے حروف و الفاظ تک گن رکھے تھے انہی کا بیان ہے:

کہ الف! تمام کتب مقدسہ میں: ۴۲۳۷۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔

کہ ب! " " " : ۳۵۲۱۸ " " "

وقس علی ھذا

وہ کتابت کے لیے ایک خاص پختہ سیاہی شہد کا جل اور کوئلے سے تیار کرتے تھے کہ حروف جلدی مدھم نہ پڑ جائیں، صرف حلال اور پاکیزہ جانوروں کی کھال پر لکھتے تھے، حافظہ سے لکھنے کی سخت ممانعت تھی، اگر کسی صفحہ میں ایک سے زیادہ غلطی ہو جاتی تھی، تو اُسے زمین میں دفن کر دیا جاتا تھا۔ اور جب خدا نے یہود (یہوداہ) کا نام آجاتا تھا، تو پہلے دعا مانگی جاتی۔ پھر قلم دھویا جاتا اور اس کے بعد خود ناقل غسل کیا کرتا تھا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے؟ کہ وہ لوگ کتاب اللہ سے کتنا عشق رکھتے تھے اور اس کی کتابت میں کتنی احتیاط سے کام لیتے تھے۔ ان فقہا و ناقلین کی احتیاط حفاظتِ کتابت کی بہت بڑی ضامن تھی۔ ہم مانتے ہیں کہ ان تمام احتیاطی تدابیر کے باوجود کتابت کی غلطیاں پرانے مخطوطوں میں موجود ہیں لیکن وہ اس قدر کم اور غیر اہم ہیں کہ عبرانی زبان کا کوئی عالم صرف سیاق و سباق دیکھ کر ان اغلاط کی اصلاح کر سکتا ہے۔

بعثتِ مسیح تک یہ مخطوطے اغلاطِ کتابت سے تقریباً پاک رہے۔ لیکن دوسری صدی عیسوی میں جب عبرانی زبان مٹ گئی اور اس کے علما خال خال رہ گئے۔ اور دوسری طرف مسیح کی آمد کی وجہ سے انجیل مرکز توجہ بن گئی تو کتابت میں اغلاط کی کثرت ہو گئی۔ گو ان اغلاط سے کہیں کہیں تراجم میں فرق پڑ گیا، لیکن اللہ کا کلام پھر بھی صحیح و سالم رہا۔ اور اہل دل ہر زمانے میں اس کتاب سے ہدایت

و نور حاصل کرتے رہے۔

ان حافظین کتاب اللہ کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔ تفصیل کا انتظار فرمائیے

سوم: ان کتابوں کو محفوظ رکھنے کے لیے بعض معابد کے ساتھ بڑے بڑے کتب خانے بھی تھے۔ جن میں صحائف، اُن کی تفسیر، انبیا کے حالات اور دیگر کتابیں جمع رہتی تھیں۔

"یہی باتیں کاغذات اور دفاتر میں تحریر ہیں۔ نحمیاہ کی تحریرات اور تفسیرات میں بھی موجود ہیں۔ کہ اس نے ایک کتب خانہ قائم کیا۔ جس میں اس نے انبیا کی کتب۔ سلاطین کی تواریخ اور داؤد کی کتابوں وغیرہ کو جمع کیا۔" (۲. مکابیوں ۲/۱۳)

علمائے بنی اسرائیل کے اس عشق، کاتبوں کی احتیاط، ان کتب خانوں اور انبیاء کی اس کثرت کو دیکھتے ہوئے یہ بات وہم میں بھی نہیں آسکتی کہ کبھی زمانے میں کتاب مقدس میں ردوبدل ہوتا رہا اور یہ تمام انبیاء و فقہاء دور کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہے۔

چند اور فقہائے دین: یہودیوں نے سنہ ۷۰ء میں اشاعت دین اور تدریس صحائف کے لیے جمنیہ میں ایک کونسل منعقد کی جس میں بڑے بڑے علماء و فقہا شامل ہوئے اور فیصلہ کیا کہ جا بجا مدارس کھولے جائیں ان میں قیصریہ۔ آبا اور طبریاس کے مدارس بہت مشہور تھے۔ ان مدارس میں کتب مقدسہ کی تفسیر کی جاتی تھی۔ سنہ ۲۰۰ء میں طبریاس کے ایک فاضل استاد یہوداہ نے ان تمام تفاسیر و روایات کو ایک جلد میں منضبط کیا اور اس کا نام مشنہ یا مشنہ رکھا۔ بعد میں ایک اور مجموعہ جمرا کے نام سے تیار کیا گیا۔ چوتھی صدی عیسوی میں ان دونوں کتابوں کو یکجا کر کے اس کا نام تالمود رکھ دیا گیا۔ تالمود میں کتب مقدس کے

ہزارہا اقتباسات موجود ہیں۔ آج جب ہم کتب مقدسہ کے متن سے ان اقتباسات کا مقابلہ کرتے ہیں تو کوئی فرق نہیں پاتے۔

ایکولا کا ترجمہ: ایکولا ایک رومی بت پرست تھا، جو قیصر کے حکم سے کسی سرکاری کام کے لیے پہلی صدی عیسوی کے آخر میں یروشلم میں وارد ہوا تھا۔ یہاں آکر وہ مسیحی ہو گیا۔ لیکن اُس کی عادات مشرکانہ ہی رہیں، چنانچہ کلیسا نے اُسے ملامت کی۔ وُہ بگڑ گیا، مسیحیت چھوڑ دی اور یہودیت کا سرگرم مبلغ ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انکارِ مسیح کی وجہ سے یہود و نصاریٰ میں سخت عداوت تھی۔ نصاریٰ تورات کا ترجمہ سبعینیہ سے مسیح کے متعلق بشارات پیش کرتے اور یہود تاویلات سے ان حملوں کو روکتے۔ ایکولا کو خیال آیا کہ یہ مسیح کی بشارات نصاریٰ کا اضافہ ہیں۔ اس لیے اُس نے عہد عتیق کا ایک نیا ترجمہ پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ ترجمہ لفظی تھا اور ۱۲۸ء میں مکمل ہوا تھا۔ آج جب اس ترجمہ کا مقابلہ موجودہ بائبل سے کرتے ہیں تو مطالب کے لحاظ سے کوئی فرق نہیں پاتے۔

اوریجن کا ترجمہ: اوریجن ایک مشہور مسیحی فاضل تھا۔ جس نے ۲۲۸ء میں کتابِ مقدس کا عبرانی متن لکھ کر سامنے کئی کالم بنائے۔ پہلے میں اپنا۔ دوسرے میں سبعینیہ تیسرے میں ایکولا اور آگے چند اور مشہور و مروج تراجم درج کر دیئے۔ جن کا مطالعہ اس حقیقت کو اور واضح کر دیتا ہے۔ کہ عہد عتیق کا متن ہر زمانے میں ایک تھا۔

حضرت داؤد کی کہانی: صفحات گذشتہ میں آپ حضرت داؤد اور اُوریا کی کہانی پڑھ چکے ہیں۔ اور یہ بھی ملاحظہ کر چکے ہیں کہ یہود کو تورات سے کس قدر عقیدت تھی اور یہ کیوں نہ ہوتی۔ یہ کوئی ایسا

انسان جسے اپنے پیغمبر اور اپنی کتاب سے اندھی عقیدت نہ ہو۔ علم الدین لاہور کا ایک آوارہ سا نوجوان تھا۔ زندگی میں بیسیوں مرتبہ دوسروں کو گالیاں دیں اور جواباً اُن سے سُنی ہوں گی۔ بارہا اپنے والدین کے متعلق توہین آمیز کلمات برداشت کئے ہوں گے۔ لیکن جب راجپال نے حضور علیہ السلام کی توہین کی تو وہ بگولے کی طرح بِل کھا کر اُبھرا اور یہ یک ضرب راجپال ... کا خاتمہ کر دیا۔ تھا اور اس سے انبیاء کا عشق ہر قلب میں پایا جاتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو بھارت میں جا کر ذرا حضرت رامچندر جی اور مہاراج کرشن علیہما السلام کے خلاف کوئی بات کہہ دیکھئے۔ قریب ترین جھاڑی والا ہی آپ کا خاتمہ کر ڈالے گا۔

آپ کو یاد ہو گا کہ ۱۹۳۸ء میں رنگون کے ایک مولانا نے حضرت بدھ علیہ السلام کے خلاف ایک پمفلٹ لکھا تھا۔ جونہی یہ تحریر بیرون بدھ تک پہنچی۔ برہما بھر میں ایک ہیجان پھیل گیا۔ رنگون میں مسلمانوں کے بازار اور مکانات شہر در آتش کر دیئے گئے۔ ہزاروں کے حساب سے مسلمان قتل ہو گئے۔ اور ایک ماہ تک یہ ہنگامۂ کشت و خون جاری رہا۔ آپ لاکھ کہیں کہ اہلِ چین اور جاپان کا کوئی مذہب نہیں۔ وہ بدکار دہریے ہیں۔ لیکن کبھی بھول کر ان کے انبیاء و صحائف کو بُرا نہ کہیئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو اپنے گھر میں زندہ نہیں رہنے دیں گے۔

یہی حال تھا یہود و نصاریٰ کا۔ انہیں بھی اپنے انبیاء و صحائف سے سچا عشق تھا۔ یہ امر قطعاً ناقابلِ تسلیم ہے کہ کوئی فرد یا گروہ کتاب مقدس میں تحریف کرتا رہا اور باقی صرف تماشا دیکھتے رہے بلکہ اپنے ذاتی نسخوں میں بھی اس تحریف کو داخل کرتے رہے۔ اگر یہ لوگ تحریف کے مجرم ہوتے، تو سب کے

پہلے حضرت داؤد، لوط اور یہوداہ کی داستانوں کو کتاب سے خارج کرتے۔ اہل کتاب ہر زمانے میں زبردست مبلغ رہے ہیں۔ آج بھی ان کے تبلیغی مرکز دنیا کے ہر حصے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ تین چار فحش کہانیاں ہیں۔ جن کی نہ تو کوئی تاویل ہو سکتی ہے اور نہ قابل قبول تشریح۔ صحائف میں ان کہانیوں کا بدستور موجود ہونا ثابت کرتا ہے کہ اہل کتاب تحریف کے مجرم نہیں۔

صدوقی اور فریسی! حضرت مسیحؑ سے ایک سو سال پہلے یہود کے دو گروہ صدوقی اور فریسی آپس میں بُری طرح اُلجھ پڑے تھے۔ فریسی قیامت کے قائل نہیں تھے (مرقس ۱۲/۱۸) ان میں بعض اور اختلافات بھی تھے۔ جو یہاں تک بڑھ گئے تھے کہ خانہ جنگی شروع ہو گئی تھی اور کنعان کی سرزمین ان کے خون سے سُرخ ہو گئی تھی۔ دونوں گروہ اپنے عقاید کی تائید میں بائبل پیش کرتے تھے۔ اگر تحریف کا کوئی راستہ نظر آتا۔ تو فریسی قیامت کی تمام آیات کتاب مقدس سے نکال ڈالتے یا دوسرا گروہ کوئی اضافہ کر دیتا لیکن ایسا نہیں ہوا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کسی گروہ نے بھی دوسرے کے خلاف تحریف کا الزام عائد نہیں کیا۔

حضرت مسیح نے بھی یہود کے علماء و فقہا کی بُری طرح خبر لی تھی۔ انہیں ریاکار گمراہ کن۔ جہنم کا بیٹا، اندھا۔ احمق۔ بے انصاف۔ بے رحم۔ بے ایمان نجاست سے لبریز۔ سانپ اور سانپ کا بچہ (متی ۲۳/۱۳-۳۳) کہا تھا۔ لیکن تحریف کا الزام اُن پہ کہیں نہیں لگایا۔ اسی طرح حواریوں نے یہود پر کئی الزامات عائد کئے۔ جن میں سب سے بڑا یہ تھا کہ یہود[1] کی سازشوں نے حضرت مسیحؑ کو سولی پہ

---

[1] اعمال ۲-۲۳

چڑھایا۔ ان الزامات کی وجہ سے یہود و نصاریٰ میں سخت عداوت ہوگئی تھی۔ وہ ایک دوسرے پر بُری طرح کیچڑ اچھالتے تھے۔ بارہا قتل و غارت تک نوبت پہنچی۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے کو تحریف کا ملزم کبھی نہیں بنایا۔

حضرت مسیح کی تصدیق تورات:

حضرت مسیح یہود کی بداعمالیوں اور سازشوں سے بہت تنگ تھے

انہیں حرام خور، بے ایمان، سانپ کا بچہ اور جہنم کا بیٹا تک کہہ گئے۔ لیکن اُن کی مقدس کتابوں کے خلاف ایک لفظ تک نہ کہا۔ بلکہ ایک موقعہ پر ان صحائف کے متعلق فرمایا۔

> "یہ نہ سمجھو کہ میں تورات یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ کیوں کہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک نقطہ یا ایک شوشہ تورات سے ہرگز نہ ٹلے گا۔ جب تک سب کچھ پورا نہ ہو جائے"
>
> متی ۵: ۱۷، ۱۸

کیا یہ ارشاد اس حقیقت کا ناقابل تردید ثبوت نہیں۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانے تک تمام پہلے صحائف اصلی صورت میں موجود تھے اور ان میں سے کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی تھی؟

جن یہودیوں نے مسیح کو پھانسی دلایا تھا اور جنہیں وہ زندگی بھر کوستے رہے۔ اگر وہ تحریف کے ملزم بھی ہوتے تو حضرت مسیح کی شان صداقت ترجمان سے کبھی نہ بچ سکتے۔ مسیح علیہ السلام انہیں جہنم زادہ سانپ کا بچہ اور بے ایمان تک تو کہہ گئے تھے۔ بھلا تحریف کے الزام میں کونسی پہیلیاں پنہاں

تھیں کردہ اس کے اظہار سے ڈرتے۔ پیغمبر کی لغات میں "ڈر" کا لفظ ہوا ہی نہیں کرتا۔ اس لیے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے کے لیے مجبور ہیں کہ حضرت مسیح کے زمانے تک کتبِ مقدسہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی تھی۔

اناجیل: حضرت مسیح علیہ السلام کا پیغام کسی ایک کتاب میں بتمامہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہ چار اناجیل میں پھیلا ہوا ہے۔ بعض مواعظ سب میں ملتے ہیں۔ بعض دو میں اور بعض ایک میں پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم مکررات اور سوانحِ حیات کو نظر انداز کر دیں تو مسیح کا پیغام اندازاً ڈیڑھ سو صفحات کی ایک جلد میں منضبط ہو سکتا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کا پیغام ایک جلد میں کیوں ضبط نہیں کیا گیا۔ پھر اناجیل اربعہ کی تفاصیل میں کمی بیشی کیوں ہے اور متی کی تمام تفاصیل باقی اناجیل میں کیوں موجود نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ جامعین نے وہی باتیں اپنی اناجیل میں درج کیں جو یا تو اپنے کانوں سے سُنیں اور یا ثقاہت کا ملہ یا اعتماد راویوں سے اُن تک پہنچی تھیں۔ ممکن ہے کہ حضرت مسیح کے "پہاڑی وعظ" متی موجود ہو اور یوحنا موجود نہ ہو۔ اور یوحنا کو قابلِ اعتماد ذرائع سے اس وعظ کا متن نہ مل سکا ہو۔ اس لیے اُس نے نظر انداز کر دیا ہو یہی حال باقی مواعظ کا ہے۔ انجیل نگار حضرت مسیحؑ سے گہری عقیدت رکھتے تھے، اور اپنی تحریرات میں انتہا درجہ کے محتاط تھے۔ اس لیے وہ صرف ایسے واقعات کے ذکر پر اکتفا کرتے تھے۔ جن کے عینی شاہد یا تو وہ خود تھے۔ اور یا ایسے حضرات جن کی صداقت و دیانت پر ایک عالم شاہد تھا۔ انجیل نگار چار ہیں۔ متی، مرقس، لوقا، یوحنا۔

متی: متی کا عبرانی نام لیوی تھا، والد کا نام حلفئی۔ گلیل کا رہنے والا اور دریائے گلیل کے ایک ساحلی شہر کا پرنام میں حکومت روم کی طرف سے محصول

جمع کرنے پر متعین تھا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام اس چنگی کے قریب سے گذرے اور متی پر نظر پڑی، تو اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

"جب وہ جا رہا تھا تو اُس نے حلفئی کے بیٹے لیوی کو محصول کی چوکی پر بیٹھے دیکھا اور اس سے کہا کہ میرے پیچھے ہو لے۔ پس وہ اُٹھ کر اُس کے پیچھے ہو لیا" (مرقس ۲/۱۴ و لوقا ۵/۲۷)

اور اپنا خاص حواری بنا لیا۔ متی حضرت مسیح کے رفع (۳۳ء) تک اُن کے ہمراہ رہا۔ اُن کے وعظ سُنے۔ اُن کی زندگی کا عیاں و نہاں مطالعہ کیا اور حضرت مسیحؑ سے چار اور بقول بعض آٹھ برس بعد انجیل مرتب کی۔ اور یہ وہ زمانہ ہے، جب متی پیغامِ مسیحؑ کی تبلیغ کے لیے حبشہ میں گھوم رہا تھا۔ ملّی[1] نے عبرانی انجیل ۳۷ء میں لکھی اور اس کا یونانی ترجمہ ۱۱۵ء میں تیار کیا۔

مرقس: یوروشلم کی ایک نیک خاتون مریم کا بیٹا اور حضرت مسیحؑ کے مشہور شاگرد یوسف برنباس کا بھانجا تھا۔ ہر چند کہ اسے حضرت مسیحؑ کی معیت و صحبت کی سعادت حاصل نہیں ہوئی۔ لیکن علمائے انجیل کا خیال یہ ہے۔ کہ اُس نے حضرت مسیحؑ کو دیکھا ضرور تھا۔ اور

"ایک نوجوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس (مسیحؑ) کے پیچھے ہو لیا اُسے لوگوں نے پکڑا، مگر وہ چادر چھوڑ کر بھاگ گیا" (مرقس ۱۴/۵۱-۵۲)

سے مراد غالباً یہی مرقس ہے۔

---

[1] بائبل سٹوڈنٹس کمپینین ص۳۴۶۔ [2] حضرت عیسےؑ نے بارہ حواریوں کے علاوہ ستر شاگرد بھی منتخب کئے تھے۔ جن میں سے ایک برنباس تھا۔

مرقس حضرت مسیحؑ کے سب سے بڑے حواری حضرت پطرس کا اس قدر عقیدت مند تھا کہ پطرس اپنے عام خط میں اُسے اپنا بیٹا کہہ کر یاد کرتے ہیں۔

"۔۔۔۔۔ اور میرا بیٹا مرقس تمہیں سلام کہتے ہیں" (۱۔ پطرس ۵/۱۳)

جب پطرس قید سے رہا ہوا۔ مرقس کے گھر آیا (اعمال ۱۲/۱۲)

یہ تبلیغ کے لیے بابل میں اکٹھے گئے تھے۔ (۱۔ پطرس ۵/۱۳)

مرقس نے پطرس سے جو کچھ سُنا۔ اُسے اپنی انجیل میں درج کر دیا۔ اسے مرقس کی انجیل نہ کہیئے۔ بلکہ در اصل یہ پطرس کے مشاہدات کی آئینہ دار تھی مرقس تقریباً بائیس برس برنباس۔ پال اور پطرس کے ہمراہ مسیحؑ کا پیغام لے کر مختلف ممالک میں گھومتا رہا۔ آخر ایشیائے صغیر میں ۶۳ء اور ۶۵ء کے درمیانی زمانے میں اپنی انجیل مرتب کی۔ اس کا مقصد اہلِ روم کو تعلیماتِ مسیحؑ سے آشنا کرنا تھا۔

لوقا: انطاکیہ کا ایک طبیب اور پال (پولس) رسول کا ایک عقیدت مند۔ پال ایک رومی رئیس تھا۔ جو پیروانِ مسیحؑ پہ زہرہ گداز مظالم توڑا کرتا تھا۔ رفعِ مسیح سے دو برس بعد (۳۵ء) جب دمشق کے عیسائیوں کو ہدفِ مصائب بنانے کے لیے جا رہا تھا تو اچانک اس کے دل میں شدید ردِ عمل پیدا ہوا اس نے دینِ مسیحؑ قبول کر لیا اور اس مذہب کی تبلیغ میں پوری سرگرمی اور انہماک کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد اُسے نبوت سے نوازا گیا وہ عرب۔ شام اور طرسوس میں تبلیغ کرتا رہا۔ اور آخر روم کے مشہور شہنشاہ نیروؔ نے اسے شہید کر دیا۔ پال کے حالاتِ زندگی اُس کے تقدس۔ اس کے مصائب اور اس کے جرأت مندانہ اقدامات کی پوری

تفاصیل رسولوں کے اعمال میں ملاحظہ فرمائیے۔ لوقا اسی پال کا شاگرد اور دوست تھا۔ ممکن ہے پال کے پاس متی کی انجیل موجود ہو اور اس نے اپنے حلقۂ تبلیغ کے لیے متی ہی کے بعض مندرجات کو لکھ لیا ہو اور بعض دیگر تفاصیل کسی اور ماخذ سے حاصل کر لی ہوں۔ بہرحال یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ پال اور لوقا دونوں حضرت مسیحؑ سے ملاقی نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ یہ پتہ چل سکتا ہے کہ لوقا نے اپنی انجیل کے لیے مواد کہاں سے حاصل کیا تھا۔ علمائے انجیل کا خیال یہ ہے کہ پال نے وحی کی مدد سے انجیل لکھوائی تھی۔

یہ انجیل وحی کی مدد سے لکھی گئی ہو یا متی سے اخذ کی گئی ہو یا حضرت مسیحؑ کے باقی حواریوں اور شاگردوں سے معلومات فراہم کی گئی ہوں، ۶۰ء کے قریب مکمل ہو گئی تھی۔ اور یہی زمانہ ہے جب حضرت مسیحؑ کے تقریباً تمام حواری اور شاگرد بقیدِ حیات موجود تھے۔ اور غلطی کا امکان بہت کم تھا۔

یوحنا: ولادتِ مسیحؑ کے وقت یوحنا (یحییٰ) نام کے دو آدمی تھے۔ ایک حضرت زکریا علیہ السلام کے فرزند جن کی ولادت کی بشارت اللہ نے ان الفاظ میں دی تھی۔

نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ (قرآن)	(اے زکریا! ہم تمہیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا)

"فرشتے نے اس سے کہا! اے زکریا خوف نہ کر۔ کیونکہ تیری دعا سن لی گئی، تیری بیوی الیشبع تیرے لیے بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یوحنا رکھنا۔"

ان کی ولادت حضرت مسیحؑ سے چھ ماہ پیشتر ہوئی تھی۔ یہ اونٹ کے بالوں کا لباس پہن کر فلسطین کی بستیوں میں اللہ کی طرف بلایا کرتے تھے۔ اور

دوسرا یوحنا گلیل کا رہنے والا زبیدی کا بیٹا اور یعقوب کا بھائی (متی ۴/۲۱)
یہ کتاب مقدس کا جید عالم اور آمدِ مسیحؑ کا منتظر تھا۔ اس سے حضرت مسیحؑ بہت
محبت کیا کرتے تھے۔

"اس کے شاگردوں میں ایک شخص (یوحنا) جس سے یسوع محبت
رکھتا تھا۔ (یوحنا ۱۳/۲۳)

یہ تنہا وہ حواری ہے، جو صلیب مسیحؑ کے وقت موجود تھا۔ اور جسے آخری
وقت پر حضرت مسیحؑ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میری والدہ کا خیال رکھنا۔ رفع
مسیحؑ کے بعد پہلے حضرت پطرس اور اس کے بعد باقی حواریوں (رضی اللہ عنہم)
کے ساتھ مل کر تبلیغ کرتے رہے۔ آپ کو بحیرۂ روم کے ایک جزیرہ میں جلاوطن
کر دیا گیا۔ واپس آئے تو ایشیائے صغیر کے ایک شہر افسس (EPHESUS)
میں اپنی انجیل مرتب کی۔ سو برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ ۱ء میں پیدا ہوئے
تھے اور ۱۰۰ء میں وفات پائی۔ عام رائے یہ ہے کہ آپ نے اپنی انجیل
۹۸ء میں مکمل کی تھی۔

یہ تمام اناجیل حضرت مسیحؑ کے سوانح حیات ہیں۔ جن میں ضمناً ان کا مکمل پیغام
بھی موجود ہے۔ جامعین میں سے دو مقدس حواری تھے۔ جن کے مسلم اور
انصار اللہ ہونے پر قرآن بھی شاہد ہے۔

قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران ۵۲)

(حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار اور ہم خدا پر ایمان لائے ہیں اے عیسیٰ گواہ رہنا کہ ہم تجھ پر اسلام لا چکے ہیں)

ایک پطرس کے شاگرد اور پطرس کے معلومات کے جامع و مفسر گویا یہ انجیل
بھی ایک حواری ہی کی ترتیب دی ہوئی تھی۔ اور تھے پاک نبی کے سب سے

بڑے دوست اور شاگرد۔ ان شیدائیانِ مسیح کی صداقت و دیانت تمام شبہات سے بالاتر تھی۔ ان لوگوں نے تبلیغ حق میں کس قدر اذیتیں برداشت کیں۔ اس کی تفصیل اعمال رسول وغیرہ میں دیکھیئے۔ ان صداقت کے پجاریوں اور خداوند رسول کے پرستاروں کو اپنے پیارے رسول کے کلام سے انتہائی عقیدت و شیفتگی تھی۔ اس لیے ہم ایک لمحہ کے لیے یہ فرض نہیں کر سکتے کہ انہوں نے پیغام مسیح کو قلمبند کرتے وقت بددیانتی سے کام لیا تھا۔ یا کسی قسم کی تحریف کر دی تھی۔

تاریخی شہادت: ۱۹۳۱ء میں ایک قبطی قبرستان سے کچھ مرتبان برآمد ہوئے جن میں عہدِ عتیق و جدید کے گیارہ حصص موجود تھے۔ یہ نسخے کتاب مقدس کے ایک انگریز عالم مسٹر اے چیسٹر بیٹی نے خرید لیے۔ ان میں سے آٹھ کا تعلق عہد عتیق سے تھا اور تین کا عہدِ جدید سے۔

عہدِ جدید کے مندرجہ ذیل حصص برآمد ہوئے ہیں۔

اوّل: اناجیل :۔

انجیل متی کے صرف دو ورق

" مرقس " " چھ "

" لوقا " " سات "

" یوحنا " " دو "

دوم: خطوطِ پولس، جس کے ترالوے اوراق ملے ہیں۔ اور صرف گیارہ اوراق (سات شروع سے اور چار آخر سے) غائب ہیں۔

سوم: یوحنا کے مکاشفات، صرف دس اوراق۔

محققین نے ثابت کیا ہے کہ یہ مخطوطے ۲۲۰ء میں تیار ہوئے تھے۔

آج جب ہم مروجہ عہد جدید کا مقابلہ ان نسخوں سے کرتے ہیں، تو حیرت انگیز تطابق پاتے ہیں۔

اسی طرح مانچسٹر کی رائی لینڈ (RYLAND) لائبریری سے ایک مخطوط دستیاب ہوا ہے جس میں یوحنا کی چند آیات منقول ہیں یہ صحیفہ ۱۲۲ء میں لکھا گیا تھا۔

اس وقت مسیحی ممالک کی مختلف لائبریریوں میں اناجیل کے ایسے پچاس مخطوطے محفوظ ہیں جو پہلی تین صدیوں میں لکھے گئے تھے۔

۱۸۴۴ء میں ایک جرمن عالم تشنڈارف (TISCHENORRF) کو سینا کی ایک خانقاہ کیتھرین میں گیا۔ وہاں اسے چند قدیم اوراق ملے۔ جن پر سپٹوسٹ ترجمہ کا کچھ حصہ مرقوم تھا۔ وہاں سے وہ تینتالیس ورق اٹھا لایا۔ اور پندرہ برس بعد (۱۸۵۹ء) میں وہ دوبارہ وہاں گیا اور ایک راہب سے کتاب مقدس کا ایک نسخہ خرید لایا جس میں عہد عتیق و جدید دونوں محفوظ تھے۔ یہ نسخہ چوتھی صدی کے آغاز میں لکھا گیا تھا اور نسخہ سینا کہلاتا ہے۔

اسی طرح روما کے پوپ کے پاس چوتھی صدی کا ایک نسخہ موجود ہے جو ویٹیکن (VATICAN) کے نام سے مشہور ہے۔ نسخہ اسکندریہ[1] پانچویں صدی میں لکھا گیا تھا اور یہی حال نسخہ[2] واشنگٹن، نسخہ افرائیمی[3] اور نسخہ بیزائی کا ہے۔ یہ سب کے سب چوتھی اور پانچویں صدی میں لکھے گئے تھے۔ اس وقت ارباب کلیسا کے پاس عہد جدید کے کئی ہزار یونانی متن موجود ہیں مثلاً

---

[1] چونکہ یہ نسخہ اسکندریہ کے ایک کتب خانہ سے دستیاب ہوا ہے۔ اس لیے نسخہ اسکندریہ کہلاتا ہے۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۱۱۵)

(۱) ۵۰۰ء سے ۱۱۵۰ء تک ساٹھ یونانی متن

(۲) ۱۱۵۰ء ، ۱۵۰۰ء ، دو سو ، ،

(۳) ۸۰۰ء ، ۱۹۴۰ء ، تین ہزار ، ،

(۴) مختلف زبانوں کے پندرہ سو پینسٹھ ، ،

میزان چار ہزار آٹھ سو پچیس : ۴۸۲۵

ان متنوں کا آپس میں مقابلہ کیا گیا۔ اور یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ موجودہ اناجیل بالکل اصل صورت میں موجود ہیں۔

علاوہ ازیں یورپ کی مختلف لائبریریوں میں قدیم یونانی کتابوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے ان میں سے بیشتر مذہبی ہیں، ان میں تورات و انجیل کی لا تعداد آیات منقول ہیں۔ اگر آج اناجیل یک قلم ضائع ہو جائیں، تو ان حوالوں سے نئی اناجیل مرتب کی جا سکتی ہیں۔ علمائے مسیحی نے اناجیل کا مقابلہ ان حوالوں سے بھی کیا اور انہیں کوئی فرق نظر نہ آیا۔

سوال: اگر اناجیل اصل حالت میں موجود ہیں، تو پھر مروجہ تراجم کے شروع میں (تصحیح شدہ ایڈیشن) REVISED EDITION کے الفاظ کیوں لکھے ہوتے ہیں اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتاب کو بدلتے رہتے ہیں۔

بقیہ ۱۱۴ سے آگے

؎ یہ نسخہ ایک امریکی کو کہیں سے ملا تھا اور اب واشنگٹن کی ایک لائبریری میں ہے۔

؎ یہ نسخہ سولھویں صدی تک اٹلی میں تھا۔ لیکن جب کیتھرین فرانس کی ملکہ بنی تو اسے پیرس میں لے آئی۔ اب یہ پیرس کے عجائب خانہ میں ہے۔

؎ یہ نسخہ سولھویں صدی میں ایک عالم تھیوڈر بیزا (THBEZA) نے شہر لائنز (LYONS) کی ایک خانقاہ سے حاصل کیا تھا۔

جواب:۔ اس تصحیح کا تعلق متن سے نہیں۔ بلکہ صرف اغلاط کتابت اور تراجم سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ پہلے ایڈیشن میں کتابت کی اغلاط رہ گئی ہوں یا بعض الفاظ کا ترجمہ غلط دے دیا گیا ہو اور اب محققین کو ان الفاظ کے صحیح معانی معلوم ہو گئے ہوں۔ یہ لوگ اغلاط کتابت کو دور کرنے اور صحیح تراجم لکھنے کے بعد ایڈیشن کو "ری وائزڈ ایڈیشن" کہہ دیتے ہیں۔

قرآنِ حکیم کا فیصلہ

ہم صفحات گذشتہ میں تاریخی شواہد سے ثابت کر چکے ہیں کہ صحف سابقہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ اس مسئلہ پر قرآن کا فیصلہ کیا ہے۔

ا۔ یہ درست ہے کہ گذشتہ صحائف میں انبیا کے سوانح حیات بھی درج ہیں۔ جو انسانی قلم کا نتیجہ ہیں۔ لیکن باایں ہمہ اللہ نے انہیں محرف قرار نہیں دیا۔ بلکہ ان کی تصدیق کر دی۔

تصدیق کا مادہ صدق ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ سچائی۔ تصدیق۔ یہ بابِ تفعیل ہے۔ تعمیر، ترمیم، تشہیر اور تضحیک کی طرح۔ اس کے معنی ہیں "سچا سمجھنا اور سچائی کا اعلان کرنا" قرآن نے بیسیوں مقامات پر اس تورات و انجیل کی تصدیق کی۔ جو نزولِ قرآن کے وقت اہل کتاب کے پاس موجود تھیں۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ (النسآء)	(اے اہل کتاب اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ کہ یہ اس کتاب کی سچائی کا اعلان کر رہا ہے جو تمہارے پاس اب موجود ہے۔
هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ (انعام)	(یہ مبارک کتاب (یعنی قرآن) پہلی کتابوں کی سچائی کا اعلان کر رہا ہے)

قرآن صرف اُن کتابوں کی تصدیق نہیں کر رہا جو موسیٰ و عیسیٰ پر نازل ہوئی تھیں۔ بلکہ اُن کی جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں فی الواقعہ اہلِ کتاب کے پاس موجود تھیں۔ اگر یہ کتابیں اصل کتابوں سے مختلف ہوتیں تو پھر اللہ ان کی تصدیق کیوں کرتا۔ اگر کسی دستاویز میں ردوبدل ہو جائے تو کوئی ذمہ دار حاکم اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ اگر فی الحقیقت تورات و انجیل محرف ہو چکی تھیں تو پھر اللہ نے ان محرف صحیفوں کی کیوں تصدیق کر دی۔ کیا (معاذ اللہ) اللہ کو اس تحریف کا علم نہیں تھا۔ یا حضور علیہ السلام اہلِ کتاب کی دلداری کے لیے ان کے غلط صحائف کی تصدیق کر رہے تھے۔ اگر خدا اور رسول کو ان صحائف میں کوئی خرابی نظر نہیں آئی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے علمائے کرام نے وہ خرابی کہاں سے دیکھ لی۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ (البقرہ)

(اور جب ہم نے ایک ایسی کتاب نازل کی۔ جو اُن کتابوں پر مہرِ تصدیق ثبت کر رہی تھی جو اُن کے پاس تھیں تو ......)

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ .... (البقرہ)

اور جب اُن کے پاس ایک ایسا رسول (حضور علیہ السلام) آیا، جو اُن صحائف کی سچائی کا اعلان کر رہا تھا جو اُن کے پاس موجود تھے ..... تو ......)

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ (البقرہ)

(یہ قرآن سچا ہے اور اُن صحائف کی سچائی کا اعلان کر رہا ہے جو اے اہلِ کتاب تمہارے پاس موجود ہیں۔

دیکھ لیا آپ نے کہ کس طرح قرآن حکیم ان صحائف کی سچائی کا بار بار اعلان کر رہا ہے۔ جو بعثت حضور کے وقت اہل کتاب کے پاس موجود تھیں؟

۲۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت مسیح کے زمانے تک تورات محفوظ تھی اور مسیح نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔ قرآن انجیل کے اس بیان کی یوں تصدیق کرتا ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ (مائدہ)

(اور ان انبیا کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جس نے تعلیم تورات پر مہر تصدیق ثبت کی)

قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ۖ

اللہ نے عیسیٰ ابن مریم سے کہا میرے ان انعامات کو یاد کرو۔ جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو عطا کئے تھے میں نے رُوح القدس سے تمہاری مدد کی تھی۔ تم شیر خواری کی حالت میں لوگوں سے باتیں کیا کرتے تھے اور دوبارہ آکر کہولت میں کرو گے۔ وہ وقت یاد کرو۔ جب میں نے تمہیں کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی تھی۔

اگر مسیح علیہ السلام کے زمانے میں تورات بگڑ چکی ہوتی، تو اللہ مسیح کو غلط تورات کیوں پڑھاتا۔ چھ سو برس بعد اس غلط آموزی کو ایک نعمت سمجھ کر کیوں یاد دلاتا۔ بار بار کیوں کہتا۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۔ (آل عمران ع ۱)

(کہ لاؤ تورات اور پڑھو۔ اگر تم سچے ہو۔)

اور قدم قدم پر صحائف کی تعلیم کی طرف کیوں متوجہ کرتا۔ کیا محرّف اور غلط صحائف کی طرف بھی کوئی دعوت دیا کرتا ہے۔

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي الصُّحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ[1] أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (النجم)

(کیا اسے معلوم نہیں کہ موسیٰ اور باوفا ابراہیم کے صحیفوں میں کیا لکھا ہے! یہی کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔)

۴۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہودی علماء و کاتبین کو کتاب مقدس سے گہری عقیدت تھی۔ وہ باوضو ہو کر کتاب کو پڑھتے اور لکھتے تھے۔ انہوں نے صحائف کے الفاظ و حروف تک گن ڈالے تھے۔ تاکہ کتابت میں کوئی حرف رہ نہ جائے۔ جس طرح آغاز میں قرآن کی حفاظت حفاظ کے سپرد تھی۔ اسی طرح تورات کی حفاظت احبار و ربانیین کے حوالے تھی۔ جو ہر ہر نقطے اور شوشے کی ممکن طریق سے حفاظت کیا کرتے تھے۔ قرآن حکیم ان کی خدمات کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ

(ہم نے تورات نازل کی جس میں ہدایت بھی ہے اور نور بھی۔ اس تورات کے مطابق ہم پہ ایمان لانے والے انبیاء یہود کو راہِ حق دکھاتے رہے اور وہ درویش اور علماء بھی جنہیں حفاظتِ کتاب کا حکم دیا گیا تھا اور

---

[1] وَفّیٰ: قول کو پورا کیا۔ عہد کو نبھایا۔ اور الٰہی احکام پر پوری طرح عمل کیا۔

شُهَدَاءَ (مائدہ) وہ اس کی صحت کے گواہ ہیں۔

صحتِ تورات کا کتنا پُر زور اعلان ہے۔ جس طرح ہم قرآن کے محافظ ہیں۔ اسی طرح علمائے یہود تورات کے محافظ تھے۔ انہیں حفاظتِ تورات کا حکم دیا گیا تھا۔ اگر وہ اس کے حکم کی خلاف ورزی کر چکے ہوتے۔ تو اللہ نہ تو ان کی تورات کی تعریف کرتا اور نہ ان کی خدمات کو سراہتا۔

۴۔ عربی نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ اگر کہیں جار و مجرور کا متعلق مذکور نہ ہو تو وہاں موجودٌ اور کائنٌ کو محذوف فرض کر لیا جائے۔ آیۂ بالا کو پھر پڑھیئے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ۔

اور اس قاعدہ کے مطابق اس کی تفسیر یوں کیجئے۔

(ہم نے تورات نازل کی۔ جس میں ہدایت و نور موجود ہے) "تھی" نہیں بلکہ "ہے"۔ خود ہی فیصلہ دیجئے۔ کہ غلط اور محرّف تورات میں نور و ہدایت کا وجود کیسے ہو سکتا ہے۔؟

۵۔ اللہ نے قرآن حکیم کو ہدایت، رحمت۔ شفا۔ فرقان۔ موعظت نُور، ضیا، حکمت، ذکر، بیان، تفصیل۔ کامل۔ تنزیل۔ لاریب فیہ۔ ھُدًی للمتقین اور تمام کائنات کے لیے ذریعِ ہدایت قرار دیا ہے۔ دوسری طرف صحفِ اُولیٰ کو بھی اسی طرح کے بلند اوصاف سے نوازا ہے۔ مثلاً۔

فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ۔ (قرآن پہلے مکرّم۔ بلند اور مقدس صحائف میں موجود ہے۔)

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ط (ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی۔ اور بنی اسرائیل کو ایک ایسی کتاب کا وارث بنایا جو ہدایت بھی تھی۔ اور

(مومن) ارباب عقل کے لیے ذکریٰ۔

(نصیحت، دستور، سبق، بھی)۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِىْ (دیکھو، کہ موسیٰ کو وہ کتاب کس نے دی

جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى تھی، جو نور بھی تھی اور تمام دنیائے

لِلنَّاسِ (انعام) انسانی کے لیے ہدایت بھی)۔

جو حضرات تعلیم تورات کو صرف یہود کے لیے مخصوص سمجھتے ہیں وہ هُدًى لِلنَّاسِ کے جملے پہ غور فرمائیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا (ہم نے اپنے انبیا کو محکم صداقتوں

بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ کے ساتھ بھیجا۔ اور ان پہ کتاب

الْكِتَابَ وَالْمِيْزَانَ (حدید) و میزان نازل کی)

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ (اور ہم نے پہلے انبیا کو سچائی سے

بِالْحَقِّ (بقرہ) لبریز کتاب عنایت کی۔)

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اور کچھ عرصہ پہلے ہم موسیٰ کو ایک

اِمَامًا وَّرَحْمَةً کتاب دے چکے ہیں جو امام بھی ہے

اور رحمت بھی۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى

بَصَآئِرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً۔

(قدیم اقوام کو تباہ کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ کو ایک ایسی کتاب دی

جو تمام دنیائے انسانی کے لیے بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے)

وَاٰتَيْنَاهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى (ہم نے مسیح کو انجیل دی۔ جس میں

وَّنُوْرٌ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ ہدایت اور نور ہے۔ یہ تورات کی

يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰاةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥ (۱۱۴۹)

تصدیق کرتی ہے اور متقین کے لیے ہدایت و موعظت ہے)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ٥

(ہم نے موسیٰ و ہارون کو فرقان، روشنی اور متقین کے لیے ذِکر یعنی ادرک حیات عطا کیا۔)

ہمارے علما کہتے ہیں کہ صحائف میں قرآن ہی واحد صحیفہ ہے، جس کی تعلیمات کو اللہ نے کامل[1] کہا ہے اور چونکہ تورات و انجیل کے کمال پر کوئی آیت نہ ان صحائف میں موجود ہے اور نہ قرآن میں۔ اس لیے یہ کتابیں نامکمل ہیں اور انسانیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے کے لیے ناکافی۔ علما کا یہ خیال صحیح نہیں۔ ذرا آیۂ ذیل پہ نظر ڈالیئے اور ملاحظہ فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ تورات کے اکمل و اتم ہونے کا اعلان کن واضح الفاظ میں فرماتا ہے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً (انعام)

(پھر ہم نے موسیٰؑ کو ایک ایسی کتاب دی جو بہترین تعلیمات (احسن) پر پوری طرح حاوی (تماما) ہر حقیقت کی تفصیل، ہدایت اور رحمت تھی)۔

ان الفاظ کو پھر پڑھیے!

"بہترین تعلیمات پر پوری طرح حاوی"

---

[1] اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور تم اپنی نعمت پوری طرح نازل کر دی ہے) یہ قرآن کی آخری آیت تھی۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام پر وحی آنا بند ہو گئی تھی۔ (برق)

تو جو کتاب دبہترنہیں بلکہ، بہترین تعلیمات پر رجمز دی طور پہ نہیں بلکہ پوری طرح حاوی ہو۔ اُسے ناقص کہنے کے کیا معنی!۔

اللہ کا پیغام ہر زمانہ میں مکمل جلیل، مقدس، رحمت، نور، ہدایت، فرقان میزان، بصائر، ضیا، ذکریٰ اور تذکرہ تھا۔ اسے نامکمل کہنا اللہ کی توہین کرنا ہے۔ اگر قرآن نے فاروقؓ، صدیقؓ، جابرؓ و بایزیدؒ، خالدؓ و حیدرؓ اور سینا و فارابی جیسے عظیم المرتبت انسان پیدا کئے، تو صحائف اولیٰ نے داؤدؑ، سلیمانؑ و سقراط، افلاطون، لقمانؑ و بقراط، کالیداس، کرشنؑ، رامؑ اور بدھ جیسے جلیل القدر افراد کو جنم دیا۔ جن کے افکار کی روشنی میں کاروانِ انسانیت ہزارہا برس تک رہ گرمِ منزل رہا۔

رَسُولًا اِلٰی بَنِیۡٓ اِسۡرَآءِیۡلَ کی تشریح:

یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے کہ پہلے انبیا خاص خاص اقوام کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور ان کی تعلیم جہانگیر نہیں تھی۔ حضرت مسیحؑ کے مواعظ سے یہودی اور غیر یہودی دونوں کو مستفید ہونے کا حق تھا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کا پیغام بھی تمام نوعِ انسانی کے لیے تھا۔ ورنہ اگر ان کا مقصد صرف یہود کی اصلاح ہوتا، تو وہ فرعون کے پاس پیغامِ حق لے کر کیوں جاتے اور حضرت مسیحؑ کے حواری ہر قوم کو دعوتِ انجیل کیوں دیتے۔ فرض کیجئے کہ حضرت مسیحؑ ایک ایسی بستی میں جاتے ہیں۔ جہاں تیس فیصد غیر یہودی بھی رہتے ہیں وہ وہاں جھوٹ چوری اور بدکاری پہ وعظ کہتے ہیں۔ اگر اس وعظ کو سن کر کوئی غیر یہودی بدکاری کو چھوڑنا چاہے، تو کیا حضرت مسیحؑ اُسے یہ کہہ کر کہ میری تعلیم صرف یہود کے لیے ہے نیک بننے سے روک دیں گے!

بات یہ ہے کہ ہر پیغمبر اولاً کسی خاص قوم کی اصلاح کے لیے آتا ہے۔

پھر وہ خاص قوم باقی دنیا کی اصلاح کیا کرتی ہے۔ جس طرح حضرت مسیح کے متعلق قرآن میں درج ہے۔

وَرَسُوْلًا اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (کہ وہ بنی اسرائیل کیطرف بھیجا گیا تھا)

اسی طرح حضورؐ کو بھی عرب اُمیوں کا رسول کہا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (اللہ وہ ہے جس نے ان پڑھ عربوں کی طرف انہی میں سے ایک رسول بھیجا)

جس طرح حضرت مسیح کا دائرہ تبلیغ یروشلم اور اس کا گرد و نواح علاقہ تھا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کا حلقۂ تبلیغ مکّہ اور اس کا گرد و نواح تھا۔

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (ہم نے تمہیں اس لیے بھیجا کہ تو مکّہ اور اردگرد کے لوگوں کو نتائج اعمال سے آگاہ کرے)

جس طرح حضورؐ کی تعلیم تمام دنیائے انسانیت کے لیے تھی اسی طرح تورات کو بھی بصائر للناس اور هُدًی لِّلنَّاس کہا گیا ہے۔

خداوند فرماتا ہے کہ یہ بات تو بہت کم ہے کہ تو یعقوب کے فرقوں کو قائم کرے اور بچے ہوئے اسرائیلیوں کو پھر بسانے کے لیے میرا بندہ بنے۔ بلکہ میں نے تجھ کو غیر قوموں کے لیے بھی نور بخشا کہ تجھ سے میری نجات زمین کے کناروں تک پہنچ جائے۔" (یسعیاہ ۴۹/۶)

جس طرح قرآنِ حکیم کو تمام شکوک[1] و شبہات سے دور تر سمجھا گیا ہے، اسی طرح کتاب مقدس (صحائف اولیٰ) کو بھی شک و شبہ سے منزّہ کہا گیا ہے۔

مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰی مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (یونس)

---

[1] ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ (بقرہ)

آیہ کے کئی ترجمے ہو سکتے ہیں۔ اگر "تفصیل الکتاب" میں کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہو۔ اور لاریب فیہ کا تعلق قرآن سے ہو، تو معنی یہ ہوں گے۔

"قرآن لوحِ محفوظ کی تفسیر ہے اور یہ تمام شکوک سے بالاتر ہے۔"

اور اگر کتاب سے مراد بائبل ہو اور "فیہ" کا تعلق اسی کتاب سے ہو تو پھر تفسیر یہ ہوگی۔

"اللہ کے بغیر کوئی اور ہستی قرآن کی مصنف نہیں۔ یہ قرآن صحائفِ اول کا مصدق اور کتابِ مقدس کا مفسر ہے۔ کتابِ مقدس تمام شبہات سے بالاتر ہے اور اسے اللہ نے نازل کیا تھا۔"

اگر صحائفِ اولیٰ غیر محکم، محرف اور غلط سلط ہوتے، تو اللہ اُن کے پیروؤں کو راستباز کیوں کہتا۔

وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ (یہود میں ایک ایسا گروہ بھی موجود ہے

يَهْدُونَ بِالْحَقِّ جو سچائی کی راہ دکھاتا ہے۔)

مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ان میں ایک گروہ صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے)

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ الخ

(ان اہلِ کتاب میں ایک گروہ راہِ حق پر جما ہوا ہے .....)

اور انہیں تورات و انجیل کی پیروی کی کیوں دعوت دیتا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ (اے اہلِ کتاب جب تک تم تورات

عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ و انجیل پر عمل نہیں کرو گے تمہاری

وَالْإِنْجِيلَ۔ کامیابی ناممکن ہے)

کیا اللہ کو معلوم نہیں تھا کہ یہ کتابیں محرف ہو چکی ہیں، اور اب ان کی طرف دعوت دینا بے کار ہے۔ آیاتِ ذیل کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ اللہ نے

تورات و انجیل پر عمل نہ کرنے والوں کو کن القاب سے نوازا ہے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ
مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَمَا اُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيهَا هُدًى
وَّنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ اَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبّٰنِيُّونَ وَالْاَحْبَارُ
بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ
وَلَا تَشْتَرُوا بِاٰيٰتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ
هُمُ الْكٰفِرُونَ ۝ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ
وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ط
فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ط وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝ وَقَفَّيْنَا عَلٰى اٰثَارِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيلَ فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ وَّمُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ
الْاِنْجِيلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ۝
وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ
بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ط
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً
وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ط اِلَى اللّٰهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ (المائدہ)

(یہ اہل کتاب تمہارے پاس فیصلے کے لیے کیوں آتے ہیں جب خود
ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کے فیصلے درج ہیں۔ لیکن مصیبت
تو یہ ہے کہ یہ لوگ تورات کے فیصلوں کو بھی تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے تورات

اتاری تھی۔ اس میں نور و ہدایت موجود ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جس کے مطابق ہمارے انبیاء یہود کے معاملات کا فیصلہ کرتے رہے۔ اور وہ علما بھی جنہیں کتاب مقدس کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا۔ اور جو اس کی صحت کے گواہ ہیں۔ ہم نے انہیں کہا تھا کہ صرف مجھ سے ڈرو۔ لوگوں سے مت ڈرو۔ اور میرے فیصلوں کو مت بیچو اور یاد رکھو کہ جو لوگ تورات کے احکام کے مطابق فیصلے نہیں کریں گے وہ کافر سمجھے جائیں گے۔ ہم نے تورات میں لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ ناک کے بدلے ناک۔ کان کے بدلے کان اور زخموں کا تاوان لیا جائے گا۔ ہاں جو شخص معاف کر دے اُسے اجر ملے گا۔ اور یاد رکھو کہ جو شخص تورات کی ہدایات کے مطابق فیصلے نہیں کرتا۔ وہ ظالم ہے۔

ہم نے پچھلے انبیا کے بعد عیسٰی بن مریم کو بھیجا، اس نے تورات کی سچائی کا اعلان کیا۔ ہم نے اُسے انجیل دی جس میں ہدایت اور نور ہے۔ جو تورات کی تصدیق کررہی تھی۔ اور جو اہلِ تقویٰ کے لیے ہدایت و نصیحت ہے۔ اہلِ انجیل کو ہم حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے معاملات کے فیصلے انجیل کے مطابق کیا کریں۔ اور جو ایسا نہیں کریں گے وہ فاسق سمجھے جائیں گے۔

اے محمدؐ! ہم نے تم پر بھی ایک کتاب نازل کی ہے۔ جو پہلی کتاب کی مصدق و محافظ ہے۔ تم معاملات کا فیصلہ اس کتاب کے مطابق کیا کرو اور کفارِ عرب کی خواہشات کی پرواہ مت کرو۔ اس لیے کہ تم سچائی کے حامل ہو۔

بظاہر تم میں سے ہر گروہ اور ہر اُمت کی راہیں الگ الگ ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو تم سب کو ایک اُمت بنا ڈالے لیکن (وہ روحِ مقابلہ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے) وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اس کے انعامات کو حاصل کرنے کے

لیے کون آگے بڑھتے ہیں۔ میرے انعامات کی طرف بڑھو تم سب کو ہمارے ہاں آنا ہے اور ہم ہی تمہارے اختلافات کا فیصلہ سنائیں گے۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ کس قدر دلچسپ آیت ہے۔ یہود و نصاریٰ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے معاملات کا فیصلہ تورات و انجیل کے مطابق کریں ورنہ وہ کافر، فاسق اور ظالم قرار دیئے جائیں گے۔ پھر حضورؐ کو فرمایا کہ تم پہلی کتابوں کی سچائی کا اعلان کرو۔ اپنے پیرواں کے فیصلے قرآن کے مطابق کرو۔ اور سب سمجھ لو کہ ہر امت کی راہ بہ ظاہر دوسری سے الگ ہے۔ یہ اختلاف ہماری مشیت کا مقتضا ہے اختلاف ہی سے گرم مقابلہ زندہ رہتی ہے۔ اگر آج رشک و مسابقت کا جذبہ مٹ جائے۔ تو دنیا کے تمام ہنگامے اور رونقیں سرد پڑ جائیں۔ اس لیے اس اختلاف کو رحمت سمجھ کر ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔

ہمارے علما کہتے ہیں کہ تورات و انجیل بیکار ہو چکی ہیں۔ اگر ان کی پیروی کرو گے تو کافر بن جاؤ گے۔ اور اللہ کہتا ہے کہ اگر اہل کتاب نے ان کتابوں کے مطابق اپنے معاملات کا انتظام نہ کیا تو وہ کافر، فاسق اور ظالم قرار دیئے جائیں گے۔ وقت آگیا ہے کہ تمام اہل مذاہب اپنے اپنے نقطہائے نگاہ کی اصلاح کریں عبادات و مناسک کے اختلافات کو گوارا فرمائیں اور سب مل کر اس عیدِ اکبر کی طرف بڑھیں جس کا نام انسانیتِ کبریٰ ہے اور جو صرف مخلصانہ اشتراکِ عمل اور ہمہ گیر محبت سے حاصل ہو سکتی ہے۔

آیاتِ تحریف

صفحاتِ گذشتہ میں ہم ثابت کر چکے ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت بائبل اصل صورت میں موجود تھی، اور کہ اللہ نے تورات و انجیل کی بار بار تصدیق فرمائی یہ تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ بیسیوں آیات میں ان کتابوں کی تصدیق کرے اور دو چار آیات ان کی تحریف پر بھی نازل کر دے۔ ہمارے علما آیاتِ تحریف کو تو نہایت شدو مد سے دنیا کے سامنے پیش فرماتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتاتے۔

۱۔ کہ اللہ نے اُس تورات و انجیل کی تصدیق کیوں کی جو نزولِ قرآن کے وقت اہلِ کتاب کے پاس موجود تھیں۔ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ۔

۲۔ کہ ہمیں ان غلط صحائف پہ ایمان لانے کا کیوں حکم دیا۔

۳۔ کہ اہلِ کتاب کو تورات و انجیل پر عمل کرنے کی کیوں دعوت دی۔

۴۔ کہ فِیْھَا ھُدًی وَّ نُوْرٌ کہہ کر ان میں نورِ ہدایت کے وجود کا کیوں اعلان کیا۔

۵۔ کہ ان غلط صحائف کے عاملین کو اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ اور یَهْدُوْنَ اِلَى الْحَقِّ کیوں کہا۔

۶۔ اور کہ اہلِ کتاب کو قرآن و صحائف کے مشترک احکام (کَلِمَةٍ سَوَآءٍ) کی طرف کیوں بلایا۔

صاف معلوم ہوتا ہے کہ تحریف کا مفہوم وہ نہیں، جو ہمارے علما سمجھتے ہیں۔ تحریف کے دو مفہوم ہیں۔ لفظی تحریف یعنی الہامی الفاظ کو بدل دینا اور

معنوی تحریف یعنی آیات کی من مانی تفاسیر پیش کرتا۔ لہٰذا بہ بالا کی روشنی میں ہم تحریف سے مراد لفظی تحریف نہیں لے سکتے۔ ورنہ کلامِ الٰہی میں تناقض پیدا ہو جائے گا اور سارا قرآن پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے ہمیں لازماً معنوی تحریف مراد لینا ہوگی۔ یہی وہ راستہ ہے۔ جس پر چل کر ہم قرآن کو تضاد سے مرفوع، مکرّم و مطہّر صحائف کو تحریف سے اور اُمّتِ وسطیٰ کو اقوامِ عالم کی تباہ کن عداوت سے بچا سکتے ہیں اور یہی وہ عظیم حکمت ہے جس سے ہم جہاں گیر اخوت اور انسانیتِ عظمیٰ کی منازل سر کر سکتے ہیں۔

امام بیضاوی اپنی مشہور تفسیر میں فرماتے ہیں:

لَعَلَّہٗ اَرَادَ بِہٖ مَا کَتَبُوْا مِنَ التَّاوِیْلَاتِ الْفَاسِدَۃِ ۔

(غالباً تحریف سے مراد یہود کی غلط تفاسیر و تاویلات ہیں)

کسی کتاب میں لفظی تحریف بہت مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ہر زمانے میں تورات کے بیشمار نسخے موجود تھے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی جنہیں اپنی کتاب سے انتہائی عشق تھا۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی بدنیت نے تورات کے ذاتی نسخے میں تحریف کر دی۔ اُسے تمام پیروانِ تورات (احبار و رُہبان، علماء انبیاء، خواص و عوام) نے تسلیم کر لیا اور اپنے اپنے ذاتی نسخوں میں اس کے مطابق تبدیلی کر دی۔ جس طرح ہمیں قرآن سے عشق ہے اور ہم تحریف کا تصور تک برداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح یہود کی "امتِ قائمہ و مقتصدہ" کو بھی اپنی کتاب سے عقیدت تھی۔ ہم یہ کیوں فرض کر لیں کہ یہ نیک یہودی بھی محرّفین کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ اور تورات میں قطع و برید کو مقصدِ حیات بنا بیٹھے تھے۔

آخر ہمیں یہ بھی تو سمجھایا جائے کہ اگر اُن لوگوں نے تحریف کی تھی تو اُن کا

مقصد کیا تھا۔ کیا وہ یہ چاہتے تھے کہ تورات کے شمشیر و سناں والے اسلام کی جگہ کوئی خانقاہی قسم کا آسان سا اسلام رائج کر دیں۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دیں۔ صوم و صلوٰۃ سے جان چھڑا لیں اور عیش و طرب کو منتہائے زندگی قرار دے دیں۔ تحریف تو کچھ ایسے ہی مقاصد کے لیے کی جاتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بات تورات میں موجود نہیں اور اس میں از ابتدا تا انتہا ایک پاکیزہ و بلند زندگی کے بیش بہا اصول درج ہیں تو پھر یہ تحریف کہاں ہوئی؟ اگر نہیں ہوئی، تو آپ ان مقدس، مطہر اور بلند صحائف پہ تحریف کا الزام کیوں عاید کرتے ہیں۔ دوارب انسانوں کی نفرت اور ربّ الصحائف کا غضب کیوں خریدتے ہیں۔ اخوتِ عالمی کی تعمیر کیوں ڈھاتے ہیں۔ امنِ عالم کا خواب کیوں بے تعبیر بناتے ہیں۔ اور اپنی مکمل ہلاکت کے دن کیوں قریب تر لاتے ہیں؟ ان صحائف کو محرّف کہنا کسی بیماری کا علاج نہیں۔ کسی سیاسی و اقتصادی عقدے کا حل نہیں۔ اس غلط عقیدے میں کوئی خیر پنہاں نہیں اور نہ کوئی برتری مضمر ہے۔ تو پھر آپ اس غلط بات پہ اڑ کر کیوں ذلیل ہو رہے ہیں۔ اور قرآن کی بلند سیاست کو کیوں رسوا کر رہے ہیں۔ میں مانتا ہوں کہ ذہنی تعصبات بہت محبوب ہوا کرتے ہیں۔ انہیں ترک کرنا گویا گوشت سے ناخن کو جدا کرنا ہے۔ لیکن جو روحانی مسرت حقیقت کی تلاش و دریافت میں ملتی ہے۔ وہ غلط تصورات کے تاریک ماحول میں کبھی نہیں مل سکتی۔ ایک طرف تعصبات تیرہ کی تنگ و تاریک دنیا ہے جس میں انسان انسانیت کو مار و کژدم کی طرح ڈس رہا ہے۔ جہاں بغض و عناد کے جہنم کھول رہے ہیں۔ ہر طرف آہیں اور کراہیں بلند ہو رہی ہیں۔ چھدے ہوئے جسموں سے پیپ اور خون بہہ رہا ہے اور ہر سو مرگ و ہلاکت کے خوفناک عفریت چیخ رہے ہیں اور دوسری طرف امن و سلام کی روشن

فضائیں ہیں۔ یہاں مسترمیں رقصاں، زمزمے خنداں اور خارگل بداماں ہیں ۔ جہاں سنہلی چشمے محبت کے گیت گاتے ہوئے پُر دو شفق کی حسین وادیوں میں گم ہو رہے ہیں۔ یہاں کا ہر غنچہ ہے چمن در آغوش، ہر قطرہ ہے دجلہ بردوش اور ہر ذرہ ہے ایک ایسا حرم، جس میں تمام کائنات محو سجود نظر آتی ہے۔ آ میرے بھائی! اس حسین وجمیل دنیا کی طرف کر تو اپنے عظیم وجلیل قرآن حکیم وعلیم رب اور زندہ ولازوال فلسفۂ حیات کے ساتھ تنہا سمجھتا ہے۔

تیری زمین بے حدود تیرا اُفق بے ثغور
تیرے سمندر کی موج دجلہ و دنیوب و نیل
تیرے زمانے عجیب تیرے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا تو نے پیام رحیل

(اقبال بہ ترمیم)

تو ہم یہ عرض کر رہے تھے۔ کہ کتاب اللہ میں لفظی تحریف بہت مشکل تھی البتہ معنوی تحریف ہر زمانے میں ہوتی رہی۔ نصاریٰ کی تثلیث۔ یہود کا عقیدۂ ابنیت عزیز۔ زردشتیوں کی آتش پرستی اور ہندوؤں کا فلسفۂ حلول تحریف معنوی کا نتیجہ تھا۔ خود اپنے ہاں دیکھئے کہ اس تحریف نے کس قدر مفاسد بپا کئے۔ خاتم النبیینؐ کے بعد آج تک چوالیس مُدعیانِ نبوت پیدا ہو چکے ہیں۔ آج بھی ہزارہا علما حضور علیہ السلام کو عالم الغیب اور مُردوں کو سمیع و بصیر سمجھتے ہیں۔ ابن العربی کا عقیدۂ وحدت الوجود، معتزلہ کی گمراہیاں، مرجئہ، ضراریہ، قدریہ، جناحیہ، جہمیہ اور کرامیہ کی بدلگامیاں اسی معنوی تحریف کی پیداوار تھیں اور یہی وہ تحریف ہے جو یہود میں بھی پائی جاتی تھی۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ یہود تم پر ایمان

لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ)

لے آئیں؛ حالانکہ ان میں ایک ایسا گروہ ہوگذرا ہے جو کلام اللہ کو سُننے اور سمجھ لینے کے بعد عمداً اس کے معانی بدل دیتا تھا)

اس آیت کے دو ٹکڑے خاص توجہ کے قابل ہیں:۔

(۱) وہ اللہ کا کلام سُنتے تھے۔

(۲) اور سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کیا کرتے تھے۔

یعنی جو کچھ وہ سنتے تھے وہ اللہ کا کلام ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ صرف کلام کو اللہ کا کلام کہنا درست نہیں۔ اور صحیح مفہوم کو سمجھنے کے بعد (من بعدِ ما عقلوہ) اس میں تحریف کیا کرتے تھے۔ یعنی اپنے ڈھنگ کی تفسیر سُنایا کرتے تھے۔ اگر اللہ کا مقصد یہ بتانا ہوتا کہ وہ لفظی تحریف کیا کرتے تھے۔ تو سیدھی طرح کہتا کہ وہ تورات کے الفاظ بدل کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے؟ یہ پہلے کلام اللہ کو سُننا۔ پھر اُس کے مفہوم کو اچھی طرح سمجھ لینا اور اس کے بعد عمداً تحریف کرنے کا مطلب بغیر اس کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ من مانی تفاسیر پیش کرکے یا تو چند ٹکے بٹور لیتے تھے اور یا ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنا کر اپنی لیڈری کی دکان چمکایا کرتے تھے۔ یہ بیماری آج ہم میں بھی موجود ہے۔ یہ انگریز کے عہد میں اولی الامر کی نئی نئی تشریحیں۔ یہ بریلی و دیوبند کی مہلک تفریق۔ یہ حرمتِ جہاد کے فتوے۔ یہ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کی دلچسپ تفسیریں۔ یہ خانقاہیت۔ یہ حال یہ قال۔ یہ قوالیاں۔ یہ ریش و قبا کے جھگڑے اور یہ سنّت و مستحب کے ہنگامے سب اسی تحریف کی پیداوار ہیں۔ لفظی تحریف کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ لیکن معنوی تحریف ہر زمانے میں کامیاب رہی

ہے اور آیۂ بالا میں اسی فتنے کا ذکر ہے۔

قرآن نے سورۂ نسا میں تحریف کی کئی صورتیں بیان کی ہیں۔

اوّل : کہ آواز میں یوں تبدیلی پیدا کی جائے۔ کہ "جناب اور جُراب، مرحبا اور مرے حیا، سردار اور مُردار۔ اطعنا اور عصینا" کی صورت میں امتیاز نہ ہو سکے۔ اس تحریف کی نئی نئی مثالیں ہر روز کالجوں میں ملتی ہیں۔ جہاں حاضری لگاتے وقت کبھی کوئی لڑکا "حاضر جناب" کہہ جاتا ہے اور کبھی وہی آواز میں "خانہ خراب" کی ندا لگا دیتا ہے۔ مشاعروں میں "مرحبا" اور "مرے حیا" کے نعرے تو ہر جگہ سُنے جاتے ہیں۔

دوم : کہ کوئی شخص اپنے عناد کو چھپانے کے لیے ذومعنین الفاظ استعمال کرے تاکہ مخاطب کو دھوکا لگ جائے۔ اس کی ایک مثال سعدی کا شعر ذیل ہے جس میں وہ اہلِ گجرات (کاٹھیاواڑ) کی بدسلوکی کا شکوہ ان الفاظ میں کرتا ہے ؎

سعدی درایں دیار تُو مردِ مسافری
باکس سخن نہ گوئی کہ گجراتیاں زنند

پہلے مصرعہ کا مفہوم تو صاف ہے "اے سعدی تو یہاں مسافر ہے" لیکن دوسرے مصرعہ میں ایسے الفاظ استعمال کیے کہ دو مفہوم نکلتے ہیں۔

پہلا "کسی سے بات نہ کرنا ورنہ گجراتی پیٹ ڈالیں گے"

دوسرا "کسی سے بات نہ کرنا اس لیے کہ گجراتی (زن اند) عورتیں ہیں۔

سوم : تحریف کا تیسرا مفہوم غلط تاویل و تفسیر ہے۔ یہود حضور علیہ السّلام کے مواعظ میں شامل ہوتے اور ہر سہ قسم کی تحاریف سے کام لیتے۔ کبھی وہی آواز میں اطعنا (ہم مانتے ہیں) کی جگہ عصینا (ہم نہیں مانتے) کہہ دیتے۔

کبھی راعنا وغیر مُسمَع کو بُرے معنوں میں استعمال کرتے۔ راعنا دو الفاظ سے مرکب ہے۔ "راعِ" (توجہ کیجئے) اور "نا" (ہم پر) سے یہ ہماری طرف توجہ فرمائیے" عرب عموماً کہا کرتے تھے۔ واعنی سمعک (ذرا) کان میری طرف کیجئے۔ یعنی بات سُنیے) لیکن اسی لفظ سے دو مفہوم اور بھی نکل سکتے ہیں۔

اوّل: "راعِ" کو "راعی" کا مخفف قرار دیا جائے، تو اس کے معنی ہوں گے۔
"اے ہمارے گڈریے"، مراد غیر مہذب اور غیر متمدن۔

دوم: "راعن" کو رَاعُونَۃٌ (رَعَنٌ) سے مشتق سمجھا جائے تو پھر راعنا کے معنی ہوں گے مغرور، بدرعونت صحابہ بھی راعنا کہہ کر حضور علیہ السّلام کو اپنی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔ لیکن ان کا مفہوم کچھ اور ہوتا تھا اور یہود کا کچھ اور۔

غیر مُسمَع کے لفظی معنی ہیں "سنایا نہ جائے" اور مطلب دو ہیں:

اوّل: تو اتنا طاقتور بن جائے کہ تیرا دشمن تجھے اپنی بات سُنا نہ سکے۔ یعنی منوا نہ سکے۔

دوم: کہ تو بہرہ ہو جائے یا اتنا کج دماغ بن جائے کہ حق کی بات بھی نہ سنے۔

صحابہ اور یہود ہر دو "اسمع غیر مسمع" کا جملہ استعمال کرتے تھے لیکن دونوں کی مراد مختلف ہوتی تھی۔ اس صورتِ حال کو بھی اللہ نے تحریف کہا ہے۔

وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ

(یہود) الفاظ کو اصلی مقامات (معانی) سے ہٹا دیتے ہیں (تحریف) اور آوازہ بدل کر کہتے ہیں: "سمعنا وعصینا واسمع[1] غیر مُسمَع وراعنا" الخ

---

[1] یعنی اللہ آپ کو طاقتور بنائے۔

وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ (نساء)

مقصد طعن و تشنیع ہوتا ہے۔ اگر یہ لوگ ان الفاظ کی جگہ "سمعنا واطعنا واسمع وانظرنا[1]" کہتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔

اس آیت میں اللہ نے یہود کی چار تحریفات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے ایک (عصینا واطعنا) کے بغیر باقی ہر جگہ الفاظ وہی ہیں۔ جو صحابہ کرام استعمال کیا کرتے تھے۔ لیکن چونکہ یہود کے ہاں ان الفاظ کی تعبیر الگ تھی۔ اس لیے اسے تحریف کہہ دیا۔

ایک اور آیت میں اسی تحریف کا ذکر یوں کیا۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ لَمْ يَاْتُوْكَ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ۔

(یہ یہود جھوٹ سنتے۔ اور تمہارے ہاں آکر دوسری اقوام کی جاسوسی کرتے ہیں۔ وہ جب آتے ہیں۔ الفاظ کو اپنے مقامات سے سرکا دیتے ہیں)۔

یعنی درس اعناد تغیر مستم ہیں جیسے الفاظ بدل کر اور یا آپ کے ارشادات کو غلط معانی پہنا کر تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اس آیت پر صاحب تفسیر مدارک لکھتے ہیں

اے سمّٰعون ما سمعوا منک بالزیادۃ والنقصان والتبدیل والتفسیر۔

یعنی جو کچھ یہ یہود حضور علیہ السلام سے سنتے تھے۔ اُسے کمی بیشی تبدیلی اور

---

[1] میم پر توجہ کیجیے۔

غلط تفسیر سے مسخ کر دیتے تھے)

تو گویا صاحبِ مدارک بھی تسلیم کرتے ہیں کہ تحریف کی ایک صورت غلط تفسیر بھی ہے۔

سورۂ مائدہ میں تحریف کے متعلق ایک اور آیت ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۔

(چونکہ یہود عہد شکن تھے۔ اس لیے ہم نے اُن پر لعنت برسائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ الفاظ کو انکے اصل مقامات سے سرکا دیتے تھے)

اس تحریف کا تعلق بھی مجلسِ رسولؐ سے ہے اور اسی الزام کا اعادہ ہے جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

تو یہ تھیں آیاتِ تحریف۔ جن میں سے تین کا تعلق مواعظِ رسولؐ سے ہے، اور ایک کا بائیبل سے۔ اب ایک اور آیت پر غور کیجئے:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ عِندِ اللَّهِ (بقرہ)

ترجمہ کرنے سے پہلے لفظ "الکتاب" کا مفہوم سمجھ لیجئے۔ "کِتَاب" مصدر ہے، جس کے معنی ہیں لکھنا۔ تحریر۔

كَتَبَ۔ كَتْبًا وَكِتَابًا وَكِتَابَةً وَكِتَابَةً (لکھنا)

اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں:

الكتاب: المكتوبُ، الصَّحِيفَةُ ۔ ما يُكتَبُ فيه
(تحریر) (صحیفہ) (جس میں لکھا جائے یعنی کاغذ وغیرہ)

ترجمہ: "اُن لوگوں پر لعنت جو اپنے ہاتھوں سے تحریر لکھ کر اسے اللہ کی طرف

منسوب کر دیتے ہیں۔"

مفہوم صاف ہے کہ اپنے ہاتھ سے کوئی بات لکھ کر جہاں کو کہہ دیا۔ کہ یہ اللہ کا ارشاد ہے۔ بھلا اس الزام کا تحریف تورات سے کیا تعلق۔ یہود میں ایسے کئی فرقے گذر چکے ہیں۔ جنہوں نے اناجیل کی تعداد ۵۸ تک پہنچا دی تھی اور ایسے مسلمان بھی ہو گذرے ہیں جنہوں نے لاکھوں احادیث گھڑ کر انہیں خدا و رسول کی طرف منسوب کر دیا تھا۔ اور کچھ ایسے بھی تھے۔ جنہوں نے قرآن کے دس اور پارے ڈھونڈ نکالے تھے۔ جس طرح یہ پارے قرآن کا حصہ نہ بن سکے۔ اسی طرح وہ جعلی صحیفے بھی بائبل میں شامل نہ ہو سکے۔ انسانی اقوال کو اللہ کی طرف منسوب کرنے کا مرض بہت پرانا ہے اور اس مرض سے نہ مسلمان محفوظ ہیں اور نہ یہود و نصاریٰ۔ ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول کا ہر قول وحی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو قول ہم رسولؐ کی طرف منسوب کریں گے وہ لازماً خدا کی طرف منسوب ہو جائے گا۔ ذرا مذہبی کتابوں اور تفسیروں کو اٹھا کر دیکھو۔ ان مضحکہ خیز احادیث کو دیکھو۔ جو مختلف اور اد و ادعیہ کے ثواب پر منقول ہیں۔ اور خود ہی فیصلہ کرو کہ کیا خدا و رسولؐ کی طرف اکاذیب منسوب کرنے میں کوئی قوم ہمارا مقابلہ کر سکتی ہے۔ اس سلسلے میں یہ نہ بھولئے کہ ہماری احادیث کی تعداد چودہ لاکھ سے زیادہ ہے۔ جن میں سے امام مالکؒ نے صرف سترہ سو اور امام بخاریؒ نے چار ہزار (حذف مکررات کے بعد بخاری کی جمع کردہ احادیث کی تعداد صرف چار ہزار رہ جاتی ہے) انتخاب کیں اور باقی کو جعلی سمجھ کر مسترد کر دیا۔

تو یہ ہے حقیقت ان آیات تحریف کی جن کی بنا پر ہم نے بائبل کے صحیفا سٹھ صحائف کی تحقیر و تردید پر اس قدر مقالے لکھے کہ لائبریریاں بھر گئیں۔ جب یہ کتابیں یہود و نصاریٰ کے پاس پہنچیں۔ تو انہوں نے قرآن کی تردید پر ہزاروں

کتابیں لکھیں، حضور علیہ السلام پر بے شمار حملے کیے۔ ہماری تہذیب کا بے پناہ مذاق اڑایا۔ ہمیں وحشی، خونخوار، ظالم اور چور ثابت کرنے کے لیے علم کا سامان صرف کر دیا۔ اسی پر اکتفا نہ کی۔ بلکہ دنیا بھر میں ہماری سیاسی، اقتصادی اور معاشی تباہی کے منصوبے باندھے۔ ہمیں اپنے گھروں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ ہمارے ممالک چھین لیے۔ ہمیں علم سے محروم کر دیا اور اقتصادی طور پر وہ رگڑے دیئے کہ ہم گھسیارے، لکڑ ہارے اور پنہارے بن کر رہ گئے۔

کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تم قرآن کی عظیم سیاست کو سمجھو۔ اقوام عالم سے دوبارہ تعلقات استوار کرو۔ ان کے جلیل المرتبت انبیا اور مطہر و مقدس صحائف پہ ایمان لاؤ۔ پچھلی کوتاہیوں کی معافی مانگو۔ تحقیر و تردید کی گندی سیاست پہ تین حرف بھیجو اور پوری قوت، پورے ایمان اور دنیا کو لرزا دینے والے یقین کے ساتھ اعلان کرو کہ تمام عالم کا مذہب ایک ہے۔ سب کے انبیا و صحائف برحق۔ انسانی گھرانے کی عظمت برحق اور سب کا منتہا کے مقصود یعنی انسانیت کبریٰ برحق۔

عرب کے سوز میں سازِ عجم ہے
حرم کا رازِ توحیدِ اُمم ہے
یہی وحدت سے ہیں افکارِ انساں
کہ پھر اولادِ آدم سب حرم ہے

(اقبال بہ ترمیم)

اباطیلِ عیسائیت

جس طرح اسلام میں بے شمار اباطیل و خرافات داخل ہو چکے ہیں۔ مثلاً قبر پرستی مغفرتِ گناہ کے افسانے، اوراد و وظائف کا بے تحاشہ اجر۔ جعلی احادیث کا مایۂ ایمان و عمل بن جانا، فقہی تضادوں کا مذاہب کی صورت اختیار کر لینا، شریعت کی جگہ طریقت کا آ جانا، رہبانیت، جہادِ اکبر، وحدت الوجود اور انکارِ عجم کا ہماری زندگی پہ چھا جانا اور اُمّتِ مسلمہ کو مرحومہ و مغفورہ (بخشی بخشائی) فرض کر لینا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح عام عیسائیوں میں بھی کچھ ایسے عقائد راہ پا چکے ہیں۔ جن کی تعلیم نہ حضرت مسیح علیہ السلام نے دی تھی اور نہ پہلے انبیائے عظام نے مثلاً

ایمان بلا عمل: عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت مسیح تمام اُمّت کے گناہ ساتھ لے گئے ہیں، اس لیے کسی عیسائی کا گناہ گناہ نہیں رہا۔ اور کہ نجات کے لیے نیک اعمال ضروری نہیں۔ بلکہ حضرت مسیح پر صرف ایمان کافی ہے۔ عوام اسلام کا عقیدہ بھی یہی ہے کہ

مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ (صحیح بخاری)

(جس شخص نے مُنہ سے لا الٰہ کہہ دیا۔ بس سیدھا جنّت میں جا پہنچا)

یہ حدیث صحاح ستہ میں اتنی مرتبہ دُہرائی گئی ہے اور گذشتہ تیرہ سو برس میں ہمارے واعظین نے اسے اس قدر تشہیر دی ہے کہ آج فاسق سے فاسق مسلم بھی اپنی نجات پہ یقین رکھتا ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ عیسائیوں نے یہ عقیدہ کہاں سے لیا۔ جہاں تک عہدِ عتیق

کی ۹۳ کتابوں کا تعلق ہے۔ ان میں ایک لفظ تک اِس موضوع پر موجود نہیں۔ باقی رہی انجیل۔ تو اِس میں از اوّل تا آخر نیک بننے اور بدی سے بچنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

"جو مجھ سے اے خداوند اے خداوند کہتے ہیں ان میں سے ہر ایک آسمان کی بادشاہت میں شامل ہوگا۔ مگر وہی جو میرے باپ کی جو آسمان پر ہے، مرضی پر چلتا ہے ...... پس جو کوئی میری باتیں سنتا اور انہیں عمل میں لاتا ہو۔ میں اُسے اُس عقل مند آدمی کی مانند ٹھہراتا ہوں۔ جس نے چٹان پر اپنا گھر بنایا ہو۔" (متی $\frac{۷}{۲۱-۲۴}$)

"ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں فرشتوں کے ساتھ آئے گا۔ تب ہر ایک کو اُس کے اعمال کے مطابق بدلہ دے گا۔"

(متی $\frac{۱۶}{۲۷}$)

حضرت مسیح نے پہاڑی وعظ میں راستبازوں، صلح کرنے والوں، سچائی کی خاطر دُکھ اٹھانے والوں کو مبارک باد دی۔ قتل، زنا، جھوٹی قسم، بہتان تراشی، عداوت وغیرہ سے روکا۔ اور خیرات، صدقات، عبادت روزے، حلم، صبر وغیرہ کی پُر زور تلقین کی۔ اگر نجات کے لیے صرف ایمان بالمسیح کافی ہوتا، تو حضرت مسیح کی انجیل میں صرف ایک حکم درج ہوتا کہ مسیح پر ایمان لاؤ اور تم نجات پا جاؤ گے اور مسیح بھی زندگی بھر صرف یہی فقرا دہراتے رہتے۔ لیکن مسیح نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ آپ نے پہلے انبیا کی طرح قوم کو بدکاری کے نتائج سے ڈرایا۔ اور نیکی کے عوض آسمانی بادشاہت کی بشارت دی۔ مسیح علیہ السلام کے عمل اور اُن کی مقدس تعلیم سے صاف عیاں ہے کہ اُن کی آمد کا مقصد اپنی کتاب پر عمل کرانا تھا۔ نہ کہ صرف ایمان کو مدارِ نجات ٹھہرانا۔

مسیح سے پہلے یہود کی طرف ہزاروں انبیاء آ چکے تھے جو سب کے سب شر سے روکتے اور خیر کی تبلیغ کرتے رہے۔ اللہ کی عادت ہمیں سرہانے میں پچھا رہی کہ وہ بدکاروں کو گراتا اور نکوکاروں کو بلند کرتا رہا۔ پھر ہم یہ کیسے باور کر لیں کہ حضرت مسیح کی آمد پر اللہ نے اپنی قدیم عادت ترک کر دی تھی اور اس نے ایمان بلا عمل پہ جنت و سلطنت کے انعامات دینا شروع کر دیئے تھے۔ اگر اللہ فی الواقعہ اعمال کو نہیں دیکھتا اور صرف ایمان و عقیدت کی بنا پر فیصلے کیا کرتا ہے تو پھر اے مسیح کے ماننے والو۔ میری ایک بات مانو۔ کہ تم اپنی زندگی سے اعمالِ صالح کو یک قلم خارج کردو۔ تم اپنی درس گاہیں۔ دانش گاہیں۔ تجربہ گاہیں اور مشاہدہ گاہیں بند کر دو۔ تم طلب علم اور تلاش حقائق سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ تم زندگی کے ہر شعبے سے صداقت۔ دیانت اور راستبازی کو باہر نکال دو۔ تم حرام کماؤ۔ عدالتوں میں انصاف بیچو۔ پیٹ بھر کر جھوٹ بولو۔ چوریاں کرو۔ شراب پیو۔ زنا میں چوٹی تک ڈوب جاؤ۔ ایثار۔ اتحاد۔ تنظیم۔ مرگ۔ دوستی اور حریت پسندی جیسے جذبات کو کچل ڈالو اور پھر خالی ایمان کے بل بوتے پر چند دن بھی زندہ رہ کر دکھاؤ، تو میں جھوٹا اور تم سچے۔ لیکن یاد رکھو کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں صرف اعمال سے بیڑے پار ہوتے ہیں۔ اس بازار میں خالی عقائد کی متاعِ کم بہا کو قطعاً کوئی نہیں پوچھتا۔ تمہارا یہ موجودہ عروج تمہاری یہ ہیبت۔ ثروت اور زندگی۔ تمہارا یہ کائنات گیر علم اور تمہاری یہ انقلاب آفریں دانش سب عمل اور صرف عمل کا نتیجہ ہیں۔ اگر تم صرف چند دن کے لیے اعمالِ صالح کو چھوڑ دو تو تمہاری سلطنت کی دھجیاں فضا میں بکھر جائیں اور زمین کی پہنائیاں تم پر تنگ ہو جائیں۔

اے پادریو!

تم نے سارے جہان میں تبلیغی مراکز قائم کر رکھے ہیں۔ تم اس کھیل پر کروڑوں ڈالر سالانہ صرف کر رہے ہو۔ مجھے خدارا سمجھاؤ کہ تمہارا مقصد کیا ہے لوگوں کو انجیل کا عامل بنانا یا صرف حضرت مسیحؑ کی عظمت تسلیم کرانا اگر پہلا مقصد ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد۔ اگر دوسرا ہے، تو یہ مقصد نہایت بیکار اور بے نتیجہ ہے۔ حضرت مسیحؑ نے انجیل پیش کی اور تم انجیل کو ایک طرف رکھ کر ذاتِ مسیحؑ کو پیش کر رہے ہو اور کہتے ہو کہ ایمان بالمسیحؑ سے سارے گناہ خود بخود معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ وہ لایعنی عقیدہ ہے۔ جس کی لغویت پر بائبل کے چپا سنہ مقدس و بلند اور مطہر صحائف یہ بانگِ دہل شہادت دے رہے ہیں۔ جس طرح بعض علمائے اسلام نے بعض آیات کی غلط تفاسیر (تحریف) پیش کر کے صرف ایمان کو مدارِ نجات بنا دیا۔ اسی طرح تم نے بھی کلام اللہ کو موڑ توڑ کر ایمان بالمسیحؑ، قربانی اور کفّارہ کا عقیدہ وضع کر لیا۔ تم دو لوں گروہ غلط کار، غلط اندیش اور دُنیا کے انسانی کو گمراہ کرنے کے مجرم ہو۔ اگر صرف ایمان کافی ہے اور نیک اعمال ضروری نہیں تو تم، اے پادریو! لندن کے کسی چوراہے پر کسی خاتون کی عصمت پہ ڈاکہ ڈال کر دیکھو۔ تمہاری عدالت تمہارا یہ عذر نہیں سنے گی۔ کہ اے عدالت صاحب! ہمارے تمام گناہ تو حضرت مسیح علیہ السلام لے گئے ہیں۔ اس لیے میرا گناہ جو بظاہر گناہ نظر آتا ہے دراصل نیکی ہے۔" یہی وہ غلط عقائد ہیں۔ جنہوں نے انسان کو انسان سے جُدا کر رکھا ہے، ورنہ اگر دنیا میں قرآن، انجیل، تورات، گیتا کی خالص تعلیمات کو جاری کر دیا جائے تو کہیں کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔ تفریق و اختلاف کے فتنے مٹ جائیں۔ رنگ و نسل کے جھگڑے ختم ہو جائیں اور نسلِ انسانی کے لاکھوں گروہ سمٹ کر ایک

گمراہ نہ بن جائیں۔

تثلیث عقیدۂ تثلیث بھی چند فلسفیوں کی پیداوار ہے۔ ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف ایک خدا کے قائل تھے۔

"یسوع نے اس سے جواب میں کہا کہ سب حکموں میں اوّل یہ ہے کہ اے اسرائیل سن وہ خداوند جو ہمارا خدا ہے ایک ہی **خدا** ہے"
(مرقس ۱۲/۲۹)

"یسوع نے اس سے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی **خدا**"
(لوقا ۱۸/۱۹)

مسیح عمر بھر ایک ہی اللہ کی عبادت "آسمانی باپ" کی مرضی اور اس کی بادشاہت کی طرف بلاتا رہا۔ اس نے ایک لمحہ کے لیے اپنی عبادت کی تعلیم نہیں دی۔ اگر مسیح نے خدا کو باپ کہا اور خدا نے اُسے بیٹا کہہ کر پکارا، تو اس کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ مسیح اللہ کا صلبی بیٹا تھا۔ اس لیے کہ ہر انجیل میں یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت مسیح مریم علیہا السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور مریم کنواری تھی۔ اگر (خاکم بدہن) حضرت مریم کو اللہ کی بیوی تصور کیا جائے۔ تو پھر وہ کنواری نہیں رہتی۔ اور قرآن و انجیل ہر دو کی صداقت پہ حرف آتا ہے۔ جس طرح ہم اپنے شاگرد، بھتیجے بھانجے یا کسی چھوٹے بچے کو راہ ِ شفقت بیٹا کہہ دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح کو ازراہِ محبت اپنا بیٹا کہہ دیا تھا۔ اللہ کا مقصد اُس قرب و محبت کا اظہار تھا۔ جو خدا و مسیح میں موجود تھا نہ کہ اپنی نسل چلانا اور مسیح کو صلبی فرزند قرار دینا۔

اس میں شک نہیں کہ حضرت مسیح کی ولادت معجزانہ تھی۔ لیکن اس سے یہ جاہلانہ نتیجہ اخذ کرنا کہ خود خدا مریم کا شوہر تھا۔ حماقت کی انتہا ہے۔ اللہ کے اس شاہکار سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ اس کی حکمت و دانش کا کوئی کرانہ نہیں۔

وہ ظلمت سے نور، موت سے زندگی، حجر سے پانی، شجر سے آگ اور دوشیزہ سے مسیح پیدا کر سکتا ہے۔

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ط (وہ دن سے رات نکالتا ہے اور رات سے دن)

ابن اللہ، خدا اور خداوند کے الفاظ صرف مسیح ہی کے لیے استعمال نہیں ہوئے۔ بلکہ پہلے اصفیاء و انبیاء کو بھی ان القاب سے نوازا گیا تھا۔ خدا اور خداوند کے لغوی معنی ہیں آقا، سردار، رہنما اور مالک۔ چونکہ کائنات کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے۔ اس لیے ان الفاظ کی نسبت اللہ کی طرف حقیقی ہوگی اور انسانوں کی طرف مجازی۔

"میں نے تو کہا۔ کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔"

(زبور ۸۲/۶)

"پھر خداوند نے موسیٰؑ سے کہا۔ کہ دیکھ میں نے تجھے فرعون کے لیے خدا سا بنایا۔ اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔"

(خروج ۷/۱)

"اور تو (اے موسیٰؑ) اس (ہارون) کے لیے خدا کی جگہ ہوگا"

(خروج ۴/۱۶)

"خدا نے مجھ کو سارے مصر کا خداوند کیا" (پیدائش ۴۵/۹)

"سارہ ابراہیمؑ کی فرمانبرداری کرتی اور اسے خداوند کہتی تھی"

(۱۔پطرس ۳/۶)

"اس نے انہیں خدا کہا۔ جن کے پاس خدا کا کلام آیا" (یوحنا ۱۰/۳۵)

لوقا کے نسب نامہ (باب ۳) میں حضرت آدمؑ کو، پیدائش ۶/۲ میں ابنائے

آدمؑ کو، خروج ۴؎ میں اسرائیل کو، یرمیاہ ۴؎ میں افرائیم کو، زبور ۴؎ میں داؤدؑ کو، ا۔ تواریخ ۴؎ میں سلیمان کو اور متی ۴؎ میں ہر شخص کو خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ یہ قدیم صحائف کا انداز بیان تھا۔ جب وہی انداز بیان حضرت مسیحؑ کے متعلق استعمال ہوا، تو عیسائی فلاسفروں نے مسیح کو خدا کا صلبی فرزند بنا دیا۔ اور "یک سہ و سہ یک" کا ایسا گورکھ دھندا تیار کر لیا جسے خدا و مسیح بھی نہ سمجھ سکے۔

دلے تاویل شاں درحیرت انداخت
خدا و جبرئیل و انبیا را

سُور کا گوشت! آج کل عیسائی سُور کھاتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کتاب مقدس میں سُور کے متعلق کیا حکم ہے؟

"اور سُور کے کُھر کے دو حصّے ہوتے ہیں۔ اُس کا پاؤں چرا ہُوا ہوتا ہے۔ پر وُہ جُگالی نہیں کرتا۔ وہ بھی تمہارے لیے ناپاک ہے تم اُن کے گوشت میں سے کچھ نہ کھاؤ اور ان کی لاشوں کو مت چھوؤ کہ یہ تمہارے لیے ناپاک ہیں"

(احبار ۱۱/۸، استثنا ۱۴/۸)

بُتوں پر چڑھاوے کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

"وہ جو ایک بیل ذبح کرتا ہے۔ اس کے برابر ہے۔ جس نے ایک کُتّے کی گردن کاٹی ہے۔ جو ہدیہ چڑھاتا ہے۔ ایسا ہے جیسا کسی نے سُور کا لہو گزرانا ہے" (یسعیاہ ۶۶/۳)

"جو سُور کا گوشت اور مکروہ چیزیں اور چوہا کھاتے ہیں۔ وہ سب کے سب فنا ہو جائیں گے" (یسعیاہ ۶۶/۱۷)

یہ تو تھا کتاب مقدسہ کا فیصلہ، باقی رہا عیسائیوں کا عمل، تو اس میں

کتاب کا کوئی قصور نہیں۔ اگر کوئی مسلمان افیون کھاتا اور جوا کھیلتا ہے۔ تو اس کے عمل سے قرآن پہ کوئی حرف نہیں آسکتا۔

شراب: "تم مے یا کوئی چیز جو نشہ دینے والی ہو نہ پیو۔ نہ تو، نہ تیرے بیٹے! ایسا نہ ہو کہ تم مر جاؤ (ہلاک ہو جاؤ) اور یہ تمہارے لیے تمہارے قرنوں میں ہمیشہ تک قانون ہے۔" (احبار ۱۰/۹)

"جب مے لال لال ہو اور اس کا عکس جام پر پڑے اور جب وہ سانپ کی مانند کاٹتی اور بچھو کی مانند ڈنک مارتی ہے۔"

(امثال ۲۳/۳۱-۳۲)

"کیا تم نہیں جانتے کہ بدکار خدا کی بادشاہت کے وارث نہ ہوں گے۔ نہ حرام کار خدا کی بادشاہت کے وارث ہوں گے۔ نہ بت پرست نہ زناکار، نہ عیاش، نہ لونڈے باز، نہ چور، نہ لالچی، نہ شرابی، نہ گالیاں بکنے والے، نہ ظالم۔" (ا۔ کرنتھیون ۶/۹-۱۰)

حضرت مسیح شرابیوں کے ساتھ ایک دسترخوان پہ کھانا کھانا بھی بُرا سمجھتے تھے۔ (متی ۲۴/۴۹-۵۰)

ان احکام کے ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شراب پیتا ہے۔ تو مذہب کا کیا گناہ۔

سود: "اگر تمہارا بھائی محتاج اور تہی دست ہو جائے، تو تم اس کی دست گیری کرو .... اس سے سود اور نفع مت لو۔"

(احبار ۲۵/۳۵-۳۶)

"تو اپنے بھائی کو سود پر قرض مت دیجو۔ نہ نقد کے سود پر، نہ غلّہ کے سود پر۔" (استثنا ۲۳/۱۹)

نیز ملاحظہ ہو زبور ۱۵/۵، امثال ۲۸/۸، حزقی ایل ۱۸/۱۳، یرمیاہ ۱۵/۱۰۔

کثرتِ ازدواج: یہ خیال غلط ہے۔ کہ عیسائیوں کو بیک وقت ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں۔ کتابِ مقدسہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف کثرتِ ازدواج کی اجازت دی گئی ہے، بلکہ بعض مقامات پر اُسے باعثِ برکت کہا گیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے ہاں بیک وقت دو بیویاں تھیں۔ بی بی قطورہ اور بی بی حاجرہ۔ ان سے پہلے بی بی سائرہ فوت ہو چکی تھیں۔ حضرت یعقوبؑ کی چار بیویاں تھیں۔ داؤد کی سو۔ دیکھو پیدائش ۶/۴-۲ ، ۲۵/۲۶-۲۲ ، ۱۰ احبار ۱۸/۱ ، استثنا ۲۱/۱۵ ، قاضیون ۸/۳۰ ، ۱۰ سموئیل ۲/۴-۱ ، ۲۵/۴۴-۴۲ ، ۲۔ سموئیل ۵/۱۳ ، ۱۱/۱۴ ، ۱۲/۸ ، ۱۵/۱۶ وغیرہ۔

حضرت مسیحؑ نے انبیا کے اس عمل اور تورات کے احکام کو منسوخ نہیں کیا۔

تنزیلِ قرآن کا فلسفہ

یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب پہلے صحائف اصل صورت میں موجود تھے تو پھر قرآن کی کیا ضرورت تھی۔ اس سوال کے چار جواب ہیں:

اوّل: اگر اصلی تورات کے ہوتے ہوئے پُرتی اکستھو کتابیں اور اُتریں، اور آپ کو اس میں کوئی عیب نظر نہیں آتا۔ تو قرآن کو بھی برداشت کیجئے۔

دوم: جب کسی کتاب کو اُترے ہوئے کچھ زمانہ گذر جاتا ہے، تو اہلِ غرض الہام کے مطالب بدل دیتے ہیں۔ ویدانت، حُلول، تثلیث، قبر پرستی جیسے اصول و ارکان گھڑ لیتے ہیں۔ ان مذاہب تراشوں اور سلیم الطبع منکرین میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ اختلاف بغض و عناد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ امن رخصت ہو جاتا ہے۔ زمین مفاسد سے بھر جاتی ہے۔ اور ساری خدائی بے چین ہو جاتی ہے۔ پھر نیا پیغمبر انہی اختلافات کو مٹانے اور ان فتنوں و دنیاوی جھگڑوں کے متعلق خدائی فیصلہ سنانے آتا ہے۔

آغاز میں نسلِ انسانی ایک اُمت تھی۔ جب الہام کا سلسلہ شروع ہوا اور بوالہوس علماء نے پست اغراض کے لیے الہام کے مطالب بدلنا شروع کیے تو اختلاف پیدا ہو گیا۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۝ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۔ (بقرہ)

اللہ کے دین کا آغاز ایک تھا یعنی جھک جانا (اسلام)، اس دین کی وضاحت

کے بعد اہلِ کتاب نے پست اغراض (بغیاً) کے لیے اختلاف پیدا کر دیا)
اس اختلاف کو مٹانے کے لیے انبیاء آتے رہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً	(آغاز میں نسلِ انسانی ایک امّت
فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ	تھی پھر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اور
وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ	اللہ نے انبیا کو ایک سچی کتاب
بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا	دے کر بھیجا تاکہ وہ اختلافی مسائل
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (البقرہ)	پر اپنا فیصلہ سنائیں۔

اور اسی مقصد کے لیے قرآن بھی نازل کیا گیا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى	(یہ قرآن بنی اسرائیل کے کثیر اختلافات
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ	پر اپنا فیصلہ سنا رہا ہے)
هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ (النمل)	

سوم: تنزیلِ قرآن کی تیسری وجہ عربوں کی ایک زبردست خواہش کا احترام تھا۔ وہ عموماً کہا کرتے تھے کہ تورات و انجیل اجنبی زبانوں میں ہیں انہیں ہم سمجھ نہیں سکتے۔ کاش کہ ہم پر بھی کوئی کتاب نازل ہوتی تو ہم اہلِ کتاب سے زیادہ نیک بن کر دکھاتے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ	(یہ مقدس کتاب ہم نے نازل کی ہے
فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ	سو اسے مانو اور ڈرو۔ تاکہ تم پر رحم
تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ	کیا جائے۔ اب تمہارے لیے یہ
اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ	کہنے کی گنجائش نہیں رہی کہ ایک کتاب
مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ	یہود و نصاریٰ پہ نازل ہوئی تھی لیکن
دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝	ہم اُس کی زبان (عبرانی) سے

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْکِتٰبُ لَکُنَّآ اَھْدٰی مِنْھُمْ فَقَدْ جَآءَکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ (انعام)

نا آشنا تھے۔ اور نہ یہ کہنے کی کہ اے کاش۔ اگر ہم پر بھی کوئی کتاب نازل ہوتی۔ تو ہم اہلِ کتاب سے زیادہ نیک بن کر دکھاتے۔ لو یہ ہے ایک روشن کتاب۔ ہدایت اور رحمت جو ہم تمہیں دے رہے ہیں۔)

دیکھا آپ نے کہ اللہ نے تنزیلِ قرآن کی وجہ یہ نہیں بتائی کہ پچھلے صحائف محرّف ہو چکے تھے۔ بلکہ یہ کہ عرب انہیں سمجھ نہیں سکتے تھے۔ بائیبل کے غیر محرف ہونے پر اس سے زیادہ واضح اعلان اور کیا ہو سکتا ہے۔

چہارم: پہلے صحائف ایسی زبانوں میں تھے۔ جنہیں مرے ہوئے صدیاں گذر چکی تھیں۔ عہدِ عتیق کے انتالیس صحائف عبرانی میں تھے۔ عہد جدید کے قدیم یونانی میں۔ وید و گیتا کی زبان سنسکریت تھی۔ صحائف بدھ کی ماگدسی اور زرتشت کی اوستا۔ یہ تمام زبانیں مر چکی ہیں۔ اور ان کتابوں کے متنوں کو سمجھنے والے خال خال باقی ہیں۔ دوسری طرف قرآن ایک ایسی زبان میں نازل ہوا ہے۔ جس کا دائرہ سمر روز وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے۔ تنزیلِ قرآن کے وقت عربی صرف جزیرہ نمائے عرب کی زبان تھی۔ اس کے بعد شام کے وسطی علاقوں سے گزر کر ایشیائے صغیر کے جنوبی حصوں تک پھیل گئی۔ مشرق میں عراق عجم کو لپیٹ میں لے لیا۔ اور مغرب میں مصر، لیبیا، تونس، الجیریا اور مراکش پر چھا گئی۔ ایران، افغانستان اور پاکستان ہندوستان، بخارا، چین، ملایا، جزائر شرق الہند اور یورپ میں عربی زبان کو سمجھنے والے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ اللہ نے عربی زبان میں ایک کتاب نازل فرما کر جہاں وسطی ایشیا کو ضابطہ

حیات سے نواز ا۔ دہیں چند اور فوائد بھی متحقق ہوئے۔

اوّل : بائیبل کے صحائف کی تصدیق کر کے قرآن کو اُن کا محافظ دہیمن بنا دیا۔

دوم : چونکہ پہلے صحائف کو سمجھنے والے دُنیا میں بہت کم تھے اور خطرہ تھا کہ کوئی مذہبی رہنما کسی غلط تعبیر یا تفسیر سے انسانوں کے کسی گروہ کو گمراہ نہ کر ڈالے۔ اس لیے اللہ نے بائیبل کو قرآن کی صورت میں دوبارہ نازل کر دیا تاکہ تحریف کا خطرہ کم ہو جائے۔ عربی زبان کو بولنے اور سمجھنے والوں کی تعداد اس وقت گیارہ کروڑ سے کم نہیں۔ کسی کی کیا مجال کہ کسی لفظ کی غلط تعبیر کرے یا کوئی گمراہ کن تفسیر پیش کر دے۔ دوسری طرف اگر ایک پنڈت یہ کہہ دے کہ دید میں گیدڑ حلال لکھا ہوا ہے تو اس کی تردید کون کرے گا۔ لیکن اگر کوئی مولوی یہ کہہ دے۔ کہ قرآن بُت پرستی کا قائل ہے تو گیارہ کروڑ انسان اس کی تردید کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کوئی نئی شریعت نہیں۔ بلکہ پہلی شرائع کا اعادہ ہے۔ اللہ نے طبقاتِ انسانی پہ کتنا بڑا کرم کیا کہ اُن کی شریعتوں کو ایک زندہ و پائندہ زبان میں محفوظ کر دیا۔ حقیقتہً حضور علیہ السلام کائنات کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے تھے۔

صحائفِ اُولیٰ کی تعلیم

تورات : حضرت موسیٰؑ کو جو دس احکام کوہ طور پر ملے تھے وہ مختصراً یہ ہیں ۔

۱ ۔ شرک نہ کرو ۔
۲ ۔ بتوں کو مت پوجو ۔
۳ ۔ خدا کا نام بے فائدہ مت لو ۔
۴ ۔ والدین کی عزت کرو ۔
۵ ۔ خون مت کرو ۔
۶ ۔ زنا مت کرو ۔
۷ ۔ چوری مت کرو ۔
۸ ۔ جھوٹی گواہی مت دو ۔
۹ ۔ سبت کا احترام کرو ۔
۱۰ ۔ ہمسایہ کو دُکھ نہ دو ۔

مزید احکام یہ ہیں :۔

۱۱ ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ ، دانت کے بدلے دانت ، ہاتھ کے بدلے ہاتھ ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں ، جلانے کے بدلے جلانا اور چوٹ کے بدلے چوٹ ۔
۱۲ ۔ محتاج کو قرض دو ۔ لیکن اُس سے سُود مت لو ۔

۱۳۔ بدی میں تعاون نہ کرو۔

۱۴۔ ہدیے مت لو کہ اس سے دانا اندھا ہو جاتا ہے اور سچا سچائی کو چھوڑ دیتا ہے۔

۱۵۔ تو چھ برس اپنی زمین کا غلہ کھا۔ اور ساتویں برس مسکینوں کے لیے چھوڑ دے۔

۱۶۔ شراب ناپاک کر دیتی ہے۔ اسے مت پیو۔

۱۷۔ میں قدوس ہوں، تم مقدس بنو۔

۱۸۔ اگر تم میری شریعتوں پہ چلو گے ۔ تو میں تمہاری کھیتیوں پر بارش برساؤنگا تمہارے درخت بہت پھل دیں گے۔ تم آرام سے اپنے ملک میں بسو گے۔ اور تمہاری زمین پر تلوار نہیں چلے گی۔ (احبار۔ ملخص)

زبور کی تعلیم :- ۱۔ خدا خونی اور دغا باز سے نفرت کرتا ہے۔

۲۔ خدا جھوٹوں اور بغض رکھنے والوں کو نابود کر دے گا۔

۳۔ خدا چاپلوس کے ہونٹ کاٹ دیتا ہے۔

۴۔ خداوند کی عدالتیں سچی اور اس کی تمام راہیں سیدھی ہیں۔

۵۔ خداوند کی تمام راہیں رحمت اور صداقت ہیں۔

۶۔ صادق کی تھوڑی دولت شریر کے زیادہ مال سے اچھی ہے۔

۷۔ جس شخص کی زبان تیز اُسترے کی طرح جھوٹ بولتی اور بہتان تراشتی ہے۔ خدا اُس کے خیمے اُکھاڑ پھینکے گا۔ (زبور ملخص)

سلیمانؑ کے مواعظ: ۱۔ خداوند سات چیزوں کو ناپسند کرتا ہے۔ اونچی آنکھ جھوٹی زبان۔ قتل۔ سازش۔ جھوٹی شہادت۔ بھائی سے لڑائی اور اقدام بد۔

۲۔ والدین کی عزت کر۔

۳۔ خدا چور اور زانی کو تباہ کر دیتا ہے۔

۴۔ جو شخص رشوت لے کر انصاف بیچتا ہے وہ اللہ کا غضب خریدتا ہے۔

۵۔ شراب مسخرہ بنا دیتی ہے۔

۶۔ دو قسم کے لوگوں سے خدا کو نفرت ہے۔

۷۔ اگر تیرا دشمن بھی بھوکا اور پیاسا ہو، تو اُسے روٹی اور پانی دے۔

۸۔ غضب بے رحمی ہے اور قہر ایک سیلاب۔ لیکن غیرت کے مقابلہ میں غصہ کر۔

۹۔ جس شخص کو اپنے نفس پر ضبط حاصل نہیں۔ وہ اس شہر کی مانند ہے جس کی دیواریں گر گئی ہوں۔

۱۰۔ اگر سچا آدمی خبیث آدمی سے ڈرے تو وہ اُس چشمے کی طرح ہے جس کا پانی گدلا ہو جائے۔ (امثال۔ ملخص)

یسعیاہ کے احکام:
۱۔ میرے سامنے جھوٹی قربانیاں مت لاؤ۔ مجھے دھونی زمان اور عیدوں سے نفرت ہے۔

۲۔ اپنے آپ کو پاک کرو۔ بُرائی چھوڑو۔ نیک کام کرو۔ اور انصاف پہ چلو۔

۳۔ مسکینوں اور مظلوموں کی مدد کرو۔

۴۔ انسانوں سے محبت کرو۔

۵۔ رب الافواج فرماتا ہے کہ میں راشیوں اور ظالموں کو مٹا ڈالوں گا۔

۶۔ ساحروں، منتریوں اور مُردوں کی تعظیم چھوڑ دو۔ (یسعیاہ۔ ملخص)

یرمیاہ کے احکام:
۱۔ انصاف کرو۔
۲۔ بیوہ۔ یتیم اور مسافر کو دُکھ نہ دو۔

۳۔ قتل نہ کرو۔

۴۔ اللہ کے بغیر کسی اور کی پرستش مت کرو۔

۵۔ چوری، زنا اور جھوٹی قسم سے بچو

۶۔ خداوند فرماتا ہے کہ میں بدکاروں کی فریادیں نہیں سنوں گا۔ انہیں تلوار و با سے ہلاک کروں گا۔ اور بدکار گاؤ دُم ڈاڑھی والوں کو سزا دوں گا۔

(یرمیاہ۔ ملخص)

حزقی ایل کے احکام: سچا انسان وہ ہے:۔

۱۔ جس کے کام عدل و انصاف کے مطابق ہوں۔

۲۔ جس نے بنی اسرائیل کے بتوں کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا ہو۔

۳۔ جس نے ہمسایہ کی بیوی کو ناپاک نہ کیا ہو۔

۴۔ جس نے قرضدار کا گرو واپس کر دیا ہو۔

۵۔ جس نے بھوکوں کو روٹی کھلائی اور ننگوں کو کپڑا دیا ہو۔

۶۔ جس نے سود نہ کھایا اور بدی سے ہاتھ کھینچا ہو۔

۷۔ اور جو سدا میری راہوں پہ چلتا رہا ہو۔

(باب ۱۸۔ آیات ۵۔ ۱۰)

دانی ایل کے احکام: ۱۔ شراب ناپاک کرتی ہے۔

۲۔ بدکاری موجب ذلت بنتی ہے۔

۳۔ نکوکاری سے منہ سفید ہوتے ہیں (دانیال۔ ملخص)

عموس کے احکام: خداوند فرماتا ہے کہ میں ادوم کو اس کے گناہوں کے سبب مٹا دوں گا کہ اس نے تلوار سے بھائی کو مارا، کسی پر رحم نہ کھایا۔ وہ غصے کی وجہ سے لوگوں کو پھاڑتا تھا اور دل میں کینہ رکھتا تھا۔ میں تیمان پر آگ بھیجوں گا جو بصرہ کے محلوں کو کھا جائیگا۔ (عموس کی کتاب۔ ملخص)

میکاہ کے احکام: ۱۔ ہلاکت ہو اُن پر جو بُرائی کے منصوبے باندھتے ہیں۔ جو اپنے بستروں پر شرارت کی تدبیریں سوچتے ہیں . . . . . .

۲۔ جو کھیتوں کا لالچ کرتے اور انہیں ظلم سے چھین لیتے ہیں۔

۳۔ اے بنی اسرائیل کے قاضیو! کیا تمہارے لیے انصاف کرنا جائز نہیں۔ تم نیکی کے دشمن اور بدی کے دوست ہو۔ تم لوگوں کی کھال کھینچتے اور ان کی ہڈیوں کا گوشت نوچتے ہو۔ یاد رکھو کہ جب تم مجھے پکارو گے تو میں تمہاری آواز نہیں سنوں گا۔ (میکاہ ۔ ملخص)

حضرت مسیح کی تعلیم: ۱۔ مبارک ہیں وہ جو دل کے غمگین ہیں کہ وہ تسلی پائیں گے۔

۲۔ مبارک ہیں وہ جو حلیم ہیں کہ وہ زمین کے وارث ہوں گے۔

۳۔ مبارک ہیں وہ جو سچائی کے بھوکے اور پیاسے ہیں کہ وہ آسودہ ہوں گے۔

۴۔ مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں کہ اُن پر رحم کیا جائے گا۔

۵۔ مبارک ہیں وہ جو پاک دل ہیں کہ وہ خدا کو دیکھیں گے۔

۶۔ مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔

۷۔ مبارک ہیں وہ جو سچائی کے سبب ستائے گئے کہ آسمان کی بادشاہت انہی کے لیے ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا پہاڑی وعظ حکمت و دانش کا ایک شاہکار اور نجاتِ انسانی کا راز دار ہے۔ مجھے متعدد انبیا کے سوانح پڑھنے کا اتفاق ہوا لیکن تین رہنما ایسے ہیں جن سے میں بہت زیادہ متاثر تھا۔ اور وہ ہیں، محمدؐ۔ عیسیٰ اور رام علیہم السلام۔ محمد علیہ السلام کی وہ شبانہ روز تگ و تاز وہ نجاتِ انسانی کے لیے اضطراب۔ وہ ایثار۔ وہ زہد۔ وہ بے نفسی

وہ انکسار و دگناہ و شیطنت کے خلاف جہاد۔ انسان سوچتا ہے ، تو حیرت میں کھو جاتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو تریسٹھ برس تک دُنیا میں جیا اور ایک گھر تک نہ بنا سکا۔ جس کے چولھے میں ناداری کی وجہ سے کئی کئی مہینے آگ نہیں جلتی تھی۔ جس کے پاس زندگی بھر کھدر کا صرف ایک جوڑا رہا۔ جو کئی کئی دن پیٹ پر پتھر باندھ کر پھرتا تھا۔ اور جس کے گھر سے اس کی رحلت کے بعد ایک کھوٹا پیسہ تک نہ نکلا۔ وُہ آخر یہ سارے دُکھ کس مقصد کے لیے اُٹھاتا رہا۔ اس سوال کا جواب صرف ایک ہے کہ وہ یہ سب کچھ نسلِ آدمؑ کو تباہی سے بچانے کے لیے کرتا رہا۔ یہی حال حضرت مسیحؑ کا تھا۔ اونٹ کے بالوں کا چغہ پہن کر وہ گلیل اور یروشلم کی گلیوں ، وادیوں ، جھیلوں ، دریاؤں اور پہاڑوں میں گھومتے رہے۔ پھر پھر کر اللہ کا پیغام سُناتے رہے اور ایک ہی بات مختلف عبارتوں اور تمثیلوں میں پیش کرتے رہے۔ حضرت مسیحؑ کو متعدد معجزات دیئے گئے تھے۔ مثلاً مُردوں کو زندہ کرنا ، مٹی کی چڑیوں میں جان ڈال دینا ، مہد میں باتیں کرنا وغیرہ۔ لیکن آپ کا سب سے بڑا معجزہ آپ کا پیغام تھا۔ جو اپنی سادگی ، خلوص ، اُمثال اور شاعرانہ تخیل کی وجہ سے دل میں گھر بنا لیتا ہے۔

حضرت رامچندر کا کمال آپ کا بلند کردار ہے۔ اتنا بلند کہ ہمالہ اس کے سامنے پست نظر آئے۔ اتنا روشن کہ چاند دیکھے تو شرمائے اور اتنا پوتر کہ گنگا پہ جائے ، تو لہریں سجدے میں گر جائیں۔ رام کے ایثار محبت ، وفا ، اطاعت اور عظیم انسانیت کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو رامائن کو دیکھیے۔

میرا مطلب یہ نہیں کہ باقی انبیا سے میں متاثر نہیں ہُوا۔ یقیناً ہُوا ہوں لیکن یہ تین بزرگ اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ انہیں نہایت بلند پایہ کے سوانح نگار مل گئے۔ ان سوانح نویسوں نے ان کی تعلیم و سیرت کو اس ماہرانہ رنگ میں پیش کیا ہے کہ بات قلم کی زبان سے نکل کر سیدھی دل میں جا بیٹھتی ہے

ہندوستانی انبیاء وصحائف

ہندوستان کے مشہور پیغمبر یہ ہیں۔ حضرت رام چندر۔ حضرت کرشن اور
حضرت بدھ علیہم السلام۔ رام چندر کے حالاتِ زندگی بالمیک نے رامائن میں
منضبط کئے ہیں۔ اس کتاب سے اُن کی بلند سیرت کے ہر گوشے پر روشنی پڑتی
ہے۔ اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ایک کامیاب اور مقدس زندگی کے ترکیبی
عناصر کیا ہوتے ہیں۔ لیکن آپ کی تعلیمات کا کوئی علیحدہ مجموعہ دُنیا میں موجود نہیں۔
اس لیے ہم اُن کی تعلیمات پہ بحث کرنے کے قابل نہیں۔ البتہ ہم پیروانِ قرآن
وانجیل سے اتنی التماس ضرور کریں گے کہ وہ اس محترم ومکرم ہستی کے خرد افروز
اور ایمان افزا سوانح حیات بالمیک یا تلسی داس کی رامائن میں ضرور مطالعہ
فرمائیں۔ کہ دیانت۔ صداقت، ایثار، وسیع النظری اطاعتِ والدین۔ صبر،
حلم۔ وفا۔ محبت اور راستبازی کا جو معیار اس مردِ کامل نے قائم کیا ہے۔ وہ
انبیا کے بغیر کہیں اور نہیں مل سکتا۔ اور ساتھ ہی چھتیس کروڑ ہندوؤں سے
کہیں گے کہ اگر تم حضرت رام چندر جی کی کوئی خوبی بھی اپنے اندر پیدا کر لو تو سرزمین
بھارت امن وسلام کا حرم بن جائے اور چار کروڑ مسلمان (جو تمہاری دست درازی
لوٹ مار اور قتل وغارت سے بھاگ کر پاکستان میں پناہ لے رہے ہیں۔
محفوظ ومطمئن ہو جائیں۔

ایک مرتبہ مہاتما گاندھی نے اعلان فرمایا تھا کہ ہندوستان میں رام راج قائم
کیا جائے گا۔ اس پر کوتاہ نظر مسلمان بھڑک اُٹھے تھے۔ لیکن میں بہت خوش

ہوا تھا اور اس وقت سے آج تک مسلسل دُعا کر رہا ہوں کہ اسے خدا پنڈت نہرو اور اس کے رفقا کو بھارت میں رام چندر جی کا عادلانہ نظام قائم کرنے کی ہمت دے۔ تاکہ یہ ملک امن و سکون کی ایک جنت بن جائے ہر طرف محبت کے چشمے بہہ نکلیں۔ اور انسان انسان کا خون پینا ترک کردے۔ لیکن وہاں بڑی مشکل یہ ہے کہ مذہبی کتابیں سنسکرت میں ہیں جنہیں صرف چند برہمن سمجھ سکتے ہیں۔ اور برہمن کی تربیت ایک ایسے عناد پرور انسانیت کُش، تعصّب زدہ اور تاریک ماحول میں ہوتی ہے کہ وہ سنگدلی، چھوت چھات اور نفرت کے بغیر کچھ اور جانتا ہی نہیں۔ اسی کو وہ مذہب سمجھتا ہے اور ساری زندگی اسی کی تبلیغ میں گذار دیتا ہے۔ ضرورت ہے کہ حکومتِ ہند مذہبیات کا ایک ایسا ادارہ قائم کرے۔ جو وید، گیتا اور حضرت رام چندر جی کی بلند زندگی کو سامنے رکھ کر مذہب کو اس کی اصلی شکل میں دُنیا کے سامنے پیش کرے اور یہ فرض روشن خیال مفکرین کے سپرد ہو۔ اس لیے کہ تنگ نظر، کج دماغ اور اوہام زدہ پنڈت سے کسی بہتر اور قابلِ قبول چیز کی اُمید ہی نہیں ہو سکتی۔

کرشن! ہندوستان میں دو خاندان بہت مشہور ہو گزرے ہیں۔ سُورج بنسی اور چندر بنسی۔ حضرت کرشن والد کی طرف سے سورج بنسی اور والدہ کی طرف سے چندر بنسی تھے۔ گویا نسلاً آپ چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھے۔ آپ کی ولادت سے کئی سو برس پہلے متھرا[۱] میں چندر بنسی خاندان کا ایک راجہ مدھو نامی حکمران تھا۔ اس نے اپنی لڑکی ایک شہزادہ ہر لیسو کو دی۔ مدھو کی وفات کے بعد یہی شہزادہ تخت و تاج کا مالک بن گیا اور اسی

[۱] دہلی سے اسی میل دور دریائے جمنا کے کنارے ایک شہر۔

کی پشت سے کئی سو برس بعد واس دیو پیدا ہوا۔ جو حضرت کرشن کا والد تھا واس دیو کی شادی راجہ کنس کی بہن دیوکی سے ہوئی۔ کنس ایک غاصب راجہ تھا۔ جس نے واس دیو کے آبائی تخت پر زبردستی قبضہ جما رکھا تھا۔ اسے جوتشیوں نے خبر دی کہ واس دیو کا ایک لڑکا تمہیں تاج و تخت سے محروم کر دے گا۔ چنانچہ اُس نے واس دیو کے گھر پہ پہرے بٹھا دیئے۔ اور جونہی کوئی لڑکا پیدا ہوتا۔ اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیتا۔ اس طرح سات بچے کنس کے ظلم کا شکار ہو گئے۔ جب آٹھواں بچہ پیدا ہوا تو واس دیو اُسے راتوں رات خود جمنا کے کنارے ایک کٹیا میں لے گیا۔ جہاں ایک نیک بخت خاتون جسودھا کے ہاں اُسی رات ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ بچوں کا تبادلہ ہو گیا۔ جسودھا کی بچی تو صبح کے وقت خونی کنس کے انتقام کا شکار ہو گئی۔ اور کرشن اُس بن میں پلتا رہا۔ جب بڑا ہوا تو اللہ نے اُسے نبوت و حکمت کے انعامات سے نوازا اور حکم دیا کہ جاؤ کراہتی ہوئی انسانیت کو ہوس پرست ظالم اور عیاش حکمرانوں سے نجات دلاؤ۔ چنانچہ آپ نے چار راجاؤں کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ کرنالک کا راجہ بان۔ بنارس کا راجہ پونڈرر۔ آسام کا ... نرک اور متھرا کا راجہ کنس۔ مہا بھارت کی مشہور جنگ کبھی نہ لڑی جاتی۔ اگر حضرت کرشن علیہ السلام بار بار ارجن کو نہ کہتے کہ ظالم اور بدکار کو مٹا دینا ہمارا فرض ہے۔ اور اگر یہ جنگ نہ ہوتی، تو دنیا ایک عظیم پیغام سے محروم ہو جاتی۔ جو اسی جنگ کے دوران میں نازل ہوا تھا۔ اور جس کا نام مقدس گیتا ہے۔

گیتا: گیتا پر عموماً چار اعتراض کئے جاتے ہیں۔

اوّل: کہ اس نے یوگا یعنی ترکِ دُنیا کی تعلیم دی۔

دوم : کہ عقیدۂ حلول (اوتار) رائج کیا۔ یعنی کہ اللہ انسانی لباس میں نمودار ہوتا ہے۔ حضرت کرشن بظاہر بشر اور دراصل خدا تھے۔
سوم : کہ حضرت کرشن نے گیتا میں بار بار اپنی طرف خدائی صفات منسوب کیں۔
چہارم : کہ دیوتاؤں کی پرستش کی تعلیم دی۔
آیئے دیکھیں کہ ان اعتراضات کی حقیقت کیا ہے۔

یوگا : گیتا میں یوگا کا لفظ اسی مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی چار مقامات کے سوا باقی ہر جگہ کام، عمل اور محنت ہیں۔

مثلاً جب ایک شخص نے حضرت کرشن سے کہا کہ :

"اسے دل ہمارے مغلوب نہیں ہوگا۔"

تو آپ نے فرمایا :

"وہ صرف ایک ہی یوگا (عمل) سے مفتوح ہوگا۔" (مہا بھارت ۱۸/۳۱).

نیز کہا :

"یوگا عاقلانہ عمل کا نام ہے۔" (گیتا ۲/۵۰)

ایک اور مقام پہ فرمایا :

"اے ارجن یوگا میں محو ہو جا اور عمل کر۔"

نیز کہا :

"اپنے فرض کو ادا کرتے ہوئے مر جانا بہتر ہے۔ (گیتا ۳/۳۵)

یہ شواہد اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے کافی ہیں کہ حضرت کرشن نے ایک لمحہ کے لیے ترکِ دُنیا یعنی سنیاس کی تعلیم نہیں دی۔ جو کرشن عمر بھر ظالم راجاؤں کے خلاف لڑتا رہا اور تلوار لے کر ایک سپاہی کی طرح

دشمنانِ خدا کے خلاف مسلسل جنگ کرتا رہا۔ اُسے سنیاس کا مبلغ کہنا، حقیقت کا منہ چڑانا ہے۔ گیتا محنت و عمل کا پیغام دیتی ہے۔ اس میں چلہ کشی، گوشہ گزینی اور دنیا سے نفرت کے متعلق ایک لفظ تک موجود نہیں۔ ہاں اگر انسان تاویلات پر اتر آئے۔ تو قرآن سے شرک، انجیل سے بدکاری اور گیتا سے سنیاس کا جواز نکال سکتا ہے۔ اور ہندوستان کے کاہل، کج عقیدہ اور شکست پسند تروں نے یہی کچھ کیا۔ شنکر اچاریہ نے شنکر بھسیا میں ویدانت اور یوگا کی تعلیم دے کر گیتا کی زندگی بخش پیغام سے عمل کی روح نکال دی۔ اچاریہ کے بعد مادھوسُدانہ اور ہنومان فلسفی نے بھی اچاریہ کی تائید کی۔ سری راما نجے اچاریہ پہلا صحیح الخیال مفکر ہے جس نے ۱۱۱۱ء میں شنکر اچاریہ کی تردید کی اور گیتا کے فلسفۂ عمل (یوگا) کو پھر زندہ کیا تین سو برس بعد مادھو آچاریہ نے راما نجے پر سخت تنقید کی اور سنیاس کو پھر مقصدِ حیات بنا دیا۔ پندرھویں صدی میں ایک اور مفکر ولبھ اچاریہ پیدا ہوا جس نے کرشن کو خدا بنا کر قوم کو اس کی عبادت کی دعوت دی۔

یہ برہمن، پادری اور مولوی بظاہر مذہب کے محافظ سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن دراصل تمام غلط عقائد، اوہام، خرافات اور بدعات کے خالق یہی لوگ ہوتے ہیں۔ عوام کو کیا معلوم کہ عبرانی تورات، عربی قرآن اور سنسکرت زبان کی گیتا میں کیا لکھا ہے۔ جو کچھ ان مذہبی ٹھیکیداروں نے انہیں سمجھایا انھوں نے یقین کر لیا۔ یہ تثلیث، دکھاوا، یہ سنگ پرستی، دیوتا پرستی، یہ قبر پرستی و خانقاہیت سب کے سب ملّا و برہمن کے اٹھائے ہوئے فتنے ہیں۔ جن سے انسانی گروہوں کی وحدت تباہ ہو چکی ہے اور جو امنِ عالم کے لیے ایک مستقل خطرہ ہیں۔

عقیدۂ حلول (اوتار) : جس طرح نصاریٰ نے انجیل کے بعض الفاظ کو غلط معانی پہنا کر عیسیٰ کو ابن اللہ بنا دیا ۔ اسی طرح ہندوؤں نے گیتا کے بعض الفاظ سے اوتار کا عقیدہ تراش لیا ۔ اگر ہندو علمأ اللہ کے انداز بیان سے آگاہ ہوتے تو وہ اس غلط فہمی کا شکار نہ ہوتے ۔ اللہ نے قدیم صحائف میں انبیا کی آمد کو اپنی آمد کہا تھا ۔

" خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر طلوع ہوا ۔ فاران کے پہاڑ سے وہ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا ۔ اور اس کے دائیں ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت تھی " (استثنا ۳۳:۲)

سینا کا تعلق موسیٰ سے ، شعیر (یروشلم کے قریب ایک مقام) کا مسیح سے اور فاران (کوہِ مکہ) کا محمد (علیہم السلام) سے ہے ۔ ان کے ظہور کو خدا نے اپنی آمد کہا ۔ بیعتِ رضوان میں محمد صلعم کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ بتایا ۔

یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ

(صحابہ کے ہاتھ پر محمدؐ کا ہاتھ نہیں تھا ۔ بلکہ اللہ کا ہاتھ تھا ۔)

اور جنگِ بدر کے موقعہ پر فرمایا :

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ — (اے محمدؐ ! یہ تیر تو نے نہیں چلائے

وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (قرآن) — بلکہ ہم نے چلائے ہیں ۔

اللہ نے یہی اسلوب بیان گیتا میں بھی اختیار فرمایا ۔ جس سے پنڈتوں کو یہ دھوکا لگ گیا کہ شاید کرشن کے لباس میں خود اللہ اتر آیا تھا ۔ بات سیدھی سی تھی لیکن ٹیڑھے دماغ کا کوئی علاج نہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔

" اے کرشن ! جو مذہب میں تم کو دے رہا ہوں ، یہ کوئی نیا مذہب نہیں بلکہ تم سے پہلے مختلف انبیا کو دیا جا چکا تھا ۔ مرورِ زمانہ سے مذہب بگڑ

گیا۔ آج میں وہی پرانا مذہب تم پر پھر نازل کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ تم میرے وفادار، پجاری اور حبیب ہو۔ یہ مذہب ایک سرِ عظیم ہے۔ (گیتا ۳/۴)

"جب سچائی کم ہو جاتی اور گناہ بڑھ جاتے تو میں خود جلوہ گر ہوا کرتا ہوں۔ تاکہ سچائی قائم رہے اور بدکار مٹ جائیں۔ میں سچائی کی خاطر بار بار جلوہ گر ہوتا ہوں۔" (گیتا ۸،۷/۴)

آیات ۷۔ ۸ کا ترجمہ فیضی نے منظوم گیتا (فارسی) میں یوں کیا ہے۔

چو بنیاد دیں سست گردد بسے
نمایم خود را بہ شکل کسے

کرشن میں خدائی صفات:

ہر الہامی کتاب کا انداز بیان بڑا پیچیدہ اور پُراسرار ہوا کرتا ہے۔ قرآن شریف کو دیکھئے۔ سورۂ فاتحہ سے یوں معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی آدمی خدا سے کہہ رہا ہے۔ اِیَّاكَ نَعْبُدُ ۔۔۔۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (اے خدا ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں۔۔۔ تو ہمیں سیدھی راہ دکھا۔۔) اوحینا اور انزلنا میں خدا متکلم ہے۔ اوحیٰ الیٰ عبدہٖ میں غائب ہے اور اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا میں مخاطب ہے۔ یہ سلسلہ قرآن میں از اول تا آخر موجود ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر ایک ہی آیت میں خدا متکلم بھی ہے اور غائب بھی۔ یہی حال گیتا کا ہے کہ اس میں بھی اللہ کہیں "میں" ہے، کہیں "تو" اور کہیں "وہ"۔

ہر چند کہ یہ انداز بیان پُر اسرار اور پیچیدہ ہے۔

"اے معصوم انسان! گیتا ایک نہایت مبہم و پُراسرار کتاب ہے۔" (گیتا ۲/۵۰)

"میرے بلند اور جلیل القدر پیغام کو سُن۔ یہ پیغام دیگر پیغاموں سے

زیادہ مشکل ہے اور پُر اسرار ہے۔" (گیتا $\frac{18}{64}$)

لیکن ایک سلیم الطبع انسان کو بشرطیکہ وُہ پنڈت نہ ہو۔ سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ حضرت کرشن صرف ایک خدا کے قائل تھے اور اسی کی عبادت کی طرف دُنیا کو بُلاتے رہے۔

"نیک لوگ میری عبادت کرتے ہیں۔ مَیں ایک ہوں۔"

(گیتا $\frac{9}{15}$)

"جو لوگ دیوتوں، بزرگوں اور عناصر کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ اُن کے پاس جائیں گے۔ اور جو میری عبادت کرتے ہیں۔ وہ میرے پاس آئیں گے۔"

$\frac{9}{25}$

"نیک وُہی ہے جو قدیم، طاقتور۔ حاکم مطلق، مخفی، حامل کائنات، ناقابل تصور اور آفتاب کی طرح روشن خدا (ایک خدا) کی پرستش کرتا ہے۔"

$\frac{8}{8}$

"بہترین عقل مند وُہ ہے۔ جو ایک خدا کی پرستش کرتا ہے۔" ($\frac{7}{17}$)

"صرف خالقِ کائنات رب کی عبادت سے کمال روحانی حاصل ہو سکتا ہے۔"

"اے ارجن خدائے واحد کائنات کے دل میں رہتا ہے۔ وُہ اُمورِ عالم کو اپنی مشیت کے قالب میں اسی طرح ڈھالتا ہے جس طرح کمہار مٹی سے مختلف شکل کے برتن بناتا ہے۔ اطمینانِ دل حاصل کرنے کے لیے تم اسی اللہ کی پناہ میں آؤ کر اس کی نگہِ التفات کے بغیر اصلی سکون نہیں مل سکتا۔"

($\frac{8}{62-61}$)

آپ نے خدائی صفات بیان کرتے وقت کہیں "وہ" استعمال کیا اور

کہیں "میں" دونوں مقامات پر صفات خاص خدا کی ہیں۔ مثلاً
"کائنات کی سب سے بڑی طاقت وہ ذاتِ عظیم ہے۔ جو تمام کائنات
کو محیط تینوں جہانوں (حیوانات۔ نباتات۔ جمادات) کا رب اور ناقابلِ
فنا ہے۔" (۱۵/۱۷)

اور معاً ساتھ والی آیت میں مذکور ہے۔
"میں فانی و غیر فانی (روح) ہر دو سے برتر ہوں مجھے وید میں نیز ساری
کائنات میں **ذاتِ عظیم** کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ جو شخص میری **ذاتِ
عظیم** کو پہچانتا ہے۔ وہ صرف میری پرستش کرتا ہے۔"
(۱۵/۱۸-۱۹)

صاف ظاہر ہے کہ اس "میں" اور "وہ" سے مراد اللہ تعالیٰ ہے
ایک اور مثال ملاحظہ ہو۔
"خدا کی آنکھیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ سر اور منہ ہر جگہ موجود ہیں۔ وہ ہر
بات سن رہا ہے۔ وہ ہر جگہ رہتا ہے۔ اور وہ تمام کائنات پر محیط ہے۔ اس
کے حواس نہیں۔ لیکن سب کچھ دیکھتا اور سنتا ہے۔ خود بے سہارا ہے۔ لیکن
ارض و سما اس کے سہارے پر قائم ہیں۔ صفات سے متصف بھی ہے اور
بے نیاز بھی۔ وہ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، متحرک بھی ہے اور غیر متحرک بھی۔
دور بھی ہے اور قریب بھی۔ وہ غیر منقسم ہونے کے باوجود تمام کائنات میں بٹا
ہوا ہے۔ وہ **رب کائنات** ہے اور وہ خالق موت و حیات ہے" (۱۳/۱۴-۱۷)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔
"میں ہر جگہ رہتا ہوں۔ میں ہر چیز کی ابتدا۔ وسط اور انتہا ہوں (۱۰/۲۰)
"میں سمندر ہوں" (۱۰/۲۴)

"میں ہمالہ ہوں"۔ (۲۵/۱۰)

"میں مچھلیوں کا خالق ہوں" (۱۰/۳۱)

"میں غیر فانی زمانہ ہوں۔ میں وہ رب ہوں جس کا منہ ہر طرف پھرا ہوا ہے"۔ (۱۰/۳۳)

"میں ہر چیز کا خالق ہوں اور شہرت۔ خوش حالی، تقریر۔ حافظہ عقل استدلال اور عفو کا منبع ہوں"۔ (۱۰/۳۴)

"جہاں سورج کی روشنی نہیں۔ جہاں چاند کی چاندنی نہیں۔ جہاں آگ نہیں اور جہاں سے کوئی واپس نہیں آسکتا۔ **وہاں میرا عرش (تخت) ہے**"۔ (۱۵/۶)

اس "میں" اور "وہ" کا مفہوم اس قدر واضح ہے کہ کوئی جھگڑا پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ لیکن جن برہمنوں نے پیپل۔ مور۔ بندر۔ سانپ۔ گنگا۔ جمنا۔ ہمالہ اور جہاں بھر کے پتھروں کو خدا بنا رکھا ہو۔ ان سے عزت کرشن کیسے بچ سکتے تھے۔

دیوتاؤں کی پرستش! وید، گیتا اور ہندوؤں کی دوسری مذہبی کتابوں میں دیوتاؤں سے مراد فرشتے، بزرگ۔ ماں۔ باپ۔ رہنما۔ بادشاہ اور حکما ہیں۔ اور پوجا سے مراد تعظیم و اطاعت ہے۔

"بادشاہ ایک دیوتا ہے"! (منوسمرتی ۸/۷)

"اپنے ماں باپ اور استاد سے اس طرح پیش آؤ، گویا وہ دیوتے ہیں"۔ (تیتریا ۱/۱۱، ۱/۲)

"دیوتاؤں، استادوں، داناؤں، سچوں، قانعوں، نیکوں اور بے آزاروں کی تعظیم (لفظ پوجا اور عبادت ہے) کرو"۔ گیتا (۱۷/۱۴)

"وہ عبادت جو لوگوں سے تعظیم (پوجا کا لفظ ہے) حاصل کرنے کے لیے کی جائے ریاکاری ہے۔" (گیتا $\frac{17}{18}$)

گیتا اور بائیبل کا انداز بیان ایک جیسا ہے۔ جس طرح بائیبل میں بزرگوں اور پیغمبروں کو خدا، خدا کا بیٹا، خداوند اور فرشتہ کہا گیا تھا۔ اسی طرح گیتا میں بھی انہیں خدا اور دیوتا کہا گیا ہے۔ جس طرح وہاں کسی نبی کی آمد کو خدا کی آمد بتایا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی کرشن کے لباس میں اللہ جلوہ گر دکھایا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تعظیم اور پیروی کے لیے سجدہ یا عبادت کا لفظ استعمال ہوا تھا۔

"بنت سبع نے داؤد کو سجدہ کیا" (۱۔ سلاطین $\frac{1}{16}$)

"کوشی نے داؤد کے سپہ سالار یواب کو سجدہ کیا"

(۲۔ سموئیل $\frac{18}{21}$)

"بخت نصر نے دانیال کو سجدہ کیا" (دانیال $\frac{2}{46}$)

کیخسرو ایران کا آتش پرست بادشاہ تھا۔ اس کے متعلق درج ہے۔

"خداوند یوں فرماتا ہے کہ مصر اور سبا کے قدآور لوگ تیرے پاس آئیں گے۔ تیرے ہو جائیں گے۔ تیری پیروی کریں گے .... اور تیرے آگے سجدہ کریں گے۔ اور تیرے آگے منت کریں گے۔ (یسعیاہ $\frac{45}{14}$)

اسی طرح یہاں بھی اس مفہوم کو "عبادت یا پوجا" سے تعبیر کیا گیا ہے قرآن میں بھی دو مقامات پر تعظیم کے لیے سجدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک ابلیس و آدم کے سلسلے میں اور دوسرا حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ اس "پوجا" کا عبادت سے کوئی تعلق نہیں۔

تعلیمِ گیتا: جہاد: "اے ارجن نامرد (بزدل) نہ بن۔ خوف کو جھٹک کر

جنگ کے لیے اُٹھو۔" (۲/۳۷)

"روح کسی ہتھیار سے کٹ نہیں سکتی۔ آگ میں جل نہیں سکتی۔ پانی میں بھیگ نہیں سکتی اور نہ ہوا میں سوکھ سکتی ہے۔" (۲/۲۳)

"ہر موجود کو فنا ہونا ہے اور فنا ہو کر پھر اُٹھنا ہے، تو پھر موت سے ڈر کیسا!" (۲/۲۷)

"تمہیں اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے۔ ایک سپاہی کا فرض لڑنا ہے۔ تم لڑو۔ اور ڈرو مت۔ کہ نیکی کی خاطر جہاد بہترین عمل ہے۔" (۲/۳۱)

"وہ بہادر خوش قسمت ہیں جو جہاد کے دروازے سے گزر کر جنت میں جا پہنچتے ہیں۔" (۲/۳۲)

حضورؐ کی حدیث یاد کیجئے۔

اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ (جنت تلواروں کے سائے میں ہے)

"اگر تم لڑائی میں قتل ہو گئے تو بہشت میں جا پہنچو گے اور اگر جیت گئے تو سلطنت کے مالک بن جاؤ گے۔ اسلیئے اے ارجن! اُٹھو اور جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ (۲/۳۷)

توبہ؟ "اگر کوئی گنہگار خلوص سے میری عبادت شروع کرے، تو اُسے نیک سمجھو۔ اس لیے کہ وہ نیکی کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ اگر یہ اپنے فرائض کو پوری طرح ادا کرنے لگ جائے تو اُسے غیر فانی سکون حاصل ہوتا ہے اور وہ کبھی مرے گا نہیں جو لوگ میری پناہ میں آ جاتے ہیں، خواہ وہ گناہ کے پیٹ سے پیدا ہوئے ہوں، وہ میری روشن راہوں پر چل پڑتے ہیں" (۹/۳۰-۳۲)۔

عمل؛ "تیرا فرض صرف عمل ہے۔ صلہ کی لالچ نہ کر اور بے عمل سے بچ" (۲/۴۷)

"تم صلہ سے بے نیاز رہ کر عمل کیے جاؤ کہ عمل ہی سے تم ذات عظیم تک

پہنچ سکتے ہو۔" (۴/۲۷)

" جو شخص کسی سے بغض نہیں رکھتا۔ سب کا دوست اور ہمدرد ہے جس میں لالچ اور نخوت نہیں۔ جو غم و مسرت میں معتدل رہتا ہے۔ جو دوسروں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ قانع و بُردبار ہے۔ نفس پہ ضبط رکھتا ہے۔ بلند ہمت و مستقل مزاج ہے۔ صرف اللہ پہ تکیہ رکھتا ہے۔ وہ میرا محبوب اور پاک بندہ ہے۔ یہ دنیا سے نہیں بھاگتا اور نہ دنیا اس سے بھاگتی ہے۔ یہ خوشی، غم اور خوف کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔ یہ پاک دل، بے حرص، مصائب سے متاثر نہ ہونے والا، اللہ کی راہ میں سب کچھ دے دینے والا، نہ کسی دنیوی چیز سے محبت کرتا ہے نہ نفرت، نہ مغموم ہوتا ہے، نہ امید باندھتا ہے۔ اور یہ اچھی بُری چیز سے بے نیاز رہتا ہے۔ اس کا سلوک دوست اور دشمن سے یکساں ہوتا ہے۔ وہ شہرت و گمنامی سے بے پروا ہوتا ہے۔ سردی ہو یا گرمی، دُکھ ہو یا خوشی، فلاکت ہو یا فراغت، اس کی تعریف ہو رہی ہو یا ہجو، اُس کا دماغی سکون و توازن بہرحال قائم رہتا ہے۔ خاموش، قانع، بے خانماں، راسخ العزم اور خلوص و محبت سے لبریز۔ یہ ہے میرا بندہ۔" (۱۲/۱۳-۱۹)

" منافقت، نخوت، تکبر، تند مزاجی، بدکلامی اور حماقت، ابلیسی خصائل ہیں۔" (۱۶/۴)

" ابلیس صفات لوگ نکوکاری، تقویٰ، پاکیزگی، اعتدال اور صداقت سے بالکل ناآشنا ہوتے ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اس دنیا میں نہ خدا ہے نہ سچائی اور اس کی تخلیق محض کسی اتفاق کا نتیجہ ہے۔ یہ کم فہم، گمراہ اور فاجر لوگ دنیا کو تباہ کرنے پہ کمر باندھ لیتے ہیں۔ یہ شہوات کے ہاتھ میں ایک کھلونا

ہوتے ہیں۔ ان کے دماغ غرور، فریب اور تکبر سے لبریز ہوتے ہیں۔ ان کے خیالات گندے، ارادے بُرے اور اعمال فاسد ہوتے ہیں۔ وہ موت کو زندگی کا انجام سمجھتے ہیں۔ اور پست خواہشات کی تسکین ہی کو حاصلِ زندگی تصور کرتے ہیں۔ (۱۶/۱۱)

خدا کا دن: "خدا کا ہر دن اور ہر رات ایک ہزار قرنوں کی ہوتی ہے" (۸/۱۷)

سنیاس: "جو لوگ نفس کشی کرتے ہیں، جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔ یہ فریب زدہ احمق اور خواہشات پرور لوگ اس جسم کو تباہ کرتے ہیں، جس میں اللہ رہتا ہے۔ ان لوگوں کے یہ اعمال شیطانی ہیں" (۵-۶/۱۷)
(لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ)

خیرات: "جو خیرات بُرے محل اور ناموزوں اوقات میں ذلیل اشخاص کو نفرت کے ساتھ دی جائے۔ وہ بُری ہے" (۲۲/۱۷)
(وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ)

تو یہ ہیں مقدس گیتا کے چند احکام۔ ہے کوئی بات ان میں خلافِ صداقت، خلافِ قرآن اور خلافِ صحائف۔ یہ ممکن ہے کہ گیتا میں چند ایسی باتیں موجود ہوں، جو آپ کے عقائد یا قرآنِ حکیم کی کسی ہدایت سے متصادم ہوتی ہوں۔ اس مشکل کا علاج یہ نہیں کہ آپ گیتا کی تردید پر مقالات نامنا شروع کر دیں۔ بلکہ یہ ہے سوچ کر تناقض کو رفع کریں۔ اگر کمیٔ علم کی وجہ سے ایسا نہ کر سکیں تو خاموش ہو جائیں۔ مسلم کا شعار یہی ہے کہ وہ محکمات پر ایمان لائے اور متشابہات کو سمجھنے کے لیے علم کی نئی دنیاؤں کی تلاش میں نکل جائے۔ کہ کمالِ علمی کے بغیر متشابہات

سمجھ میں نہیں آتیں ۔

وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ۔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ (بقرہ)

(متشابہات کا مفہوم یا تو اللہ جانتا ہے اور یا وہ لوگ جو راسخ العلم ہیں)

وید : وید چار ہیں ۔

۱۔ رگ وید : اگنی رشی پہ نازل ہُوا اور اس میں ۱۰۵۱۸ اشلوک ہیں
۲۔ یجر وید : وایو " " " " " " ۱۹۷۵ " "
۳۔ سام وید : آدتیہ " " " " " " ۱۰۶۴ " "
۴۔ اتھر وید : انگرہ " " " " " " ۵۸۴۷ " "

ویدوں میں بت پرستی کا کہیں ذکر نہیں۔ از اوّل "تا" آخر صرف ایک خدا کی عبادت کی تلقین کی گئی ہے۔ چونکہ پنڈت کی ذہنیت بُری طرح مسخ ہو چکی ہے۔ مظاہر کی پرستش اس کے رگ و ریشہ میں گھسی ہوئی ہے۔ اس کے اِن تعظیم و عبادت میں کوئی فرق نہیں رہا۔ اس لیے وُہ خدا اور مہاتما گاندھی دونوں کے سامنے سجدے میں گر جاتا ہے۔ وُہ کرشن کی مورتی اور اکبر بادشاہ کے پاؤں چومتا ہے۔ اُسے ہمالہ پر خدا کا سنگھاسن بچھا نظر آتا ہے۔ وہ بجلیوں کی کڑک اور طوفانوں کے شور سے دیوتوں کی پُرہیبت آوازیں سنتا ہے۔ اُسے سانپ کے پھن اور مور کے ناچ میں اللہ جھومتا ہُوا نظر آتا ہے۔ اور اسی لیے وہ وید مقدس کے ایک ایک حرف میں ایک نیا خدا تلاش کرتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ صرف خدا سے برہمن کی تسلی کیوں نہیں ہوتی۔ جب وہ جانتا ہے کہ یہ تمام کائنات، یہ سمندر، یہ پہاڑ یہ کروڑوں آفتاب و ماہتاب ایک خدا کی تخلیق ہیں۔ اس کی قوتوں کا اندازہ لگانا محال ہے۔ اس کے پاس تمام نعمتوں کے بیشمار خزائن ہیں۔ ہوائیں وہی چلاتا ہے۔ بارشیں وہی برساتا ہے۔ زمین سے

رزق وہی اُگاتا ہے۔ عقل و فکر کا نور اسی کا عطا کردہ ہے۔ دل کی مشینری وہی چلا رہا ہے۔ موت و حیات۔ لیل و نہار۔ نور و ظلمت، عزت و ذلت سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ تو پھر کسی پتھر کے سامنے کیوں ماتھا رگڑا جائے کسی دُمدار، تو سروں والے اور پچاس ہاتھوں والے مضحکہ خیز بت کے سامنے کیوں جُھکا جائے۔ گلی سے ایک پتھر اُٹھا کر اس کا مُنہ تراشنا اور پھر اس مُردہ بے بس اور بیکار کھلونے کے سامنے سجدے میں گر جانا بے بصری و کم فہمی کی انتہا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ وید میں خدا کے صفاتی اسما مثلاً برہمو (اکبر) مہا دیو (عظیم) وشنو (محافظ، نگہبان) وغیرہ اور دیوتوں (فرشتوں) کا ذکر موجود ہے۔ لیکن متعدد خداؤں کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔

وید کا ایک فاضل مارش میں لکھتا ہے:

"ویدوں کا خاص مسئلہ خدا کی وحدانیت ہے۔ ان میں خدا کے بغیر کسی اور ہستی کی پرستش کا ذکر موجود نہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ جا بجا دیوتوں کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن ان سے مراد فرشتے یا دنیا کی مختلف طاقتیں ہیں۔ مقام افسوس ہے کہ ہندو قوم ویدوں کی تعلیم سے بہت دور جا پڑی ہے۔"

(مارشین ہسٹری صا)

"ایک اور محقق کالبروک کہتا ہے:

"ویدوں میں متعدد خداؤں کی پرستش کا کہیں ذکر نہیں۔"

تحقیقات حالات ایشیا ج ۸ ص ۲۱۵

پروفیسر ولسن لکھتے ہیں:

"وید سے بتوں کی پرستش اور ان کا بنانا ثابت نہیں ہوتا۔"

(دِیس کا لکچر مطبوعہ آکسفورڈ صا۱۲)

ہندوستان میں اُردو دان ہندو علما کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے لیکن آج تک کسی کو یہ ہمت نہیں ہوئی کہ ویدوں کو اردو زبان میں منتقل کردے۔ میری نگاہ سے صرف یجر وید کے دو اردو ترجمے گذرے ہیں۔ ایک غازی محمود دھرمپال لدھیانوی کا۔ دوسرا عبدالحق ودیارتھی کا۔ غازی محمود نے یہ ترجمہ اس وقت کیا تھا۔ جب آپ نے سنہ۱۹۲۰ء کے قریب آریہ دھرم قبول کر لیا تھا۔ اور عبدالحق نے سنہ۱۹۲۲ء میں کیا۔ عبدالحق مشہور مذہبی مناظر ہیں۔ اور آپ کا پیشہ تمام مذاہب و صحائف کی تردید ہے۔ آپ نے یہ ترجمہ بھی اسی جذبہ تردید و تنقیص کے ماتحت تیار کیا ہے۔ اور وید کے مضامین کو بے ربط۔ مہمل اور لغو ثابت کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے۔ آیئے ذرا ایک آدھ مقام کا مقابلہ کریں۔ یجر وید کے پہلے منتر کا ترجمہ دھرمپال اور سوامی دیانند یوں کرتے ہیں:۔

"اے انسانو! خدا تمام کائنات کو پیدا کرنے والا۔ مکمل جلال والا اور تمام سُکھوں کا منبع ہے"

اور عبدالحق یُوں:

"تجھے بارش یا اناج کے لیے، تجھے طاقت یا رس کے لیے دُور جا کے ٹھہرو۔ سوتا دیوتا تمہیں نیک کام کے لیے لے جاوے۔ اسے گائیو اندر دیوتا کے لیے ہر طرح حصہ کو بڑھاؤ۔"

ہے کوئی تعلق ان ترجموں میں؟

چھٹا منتر دیکھئے:

"اللہ اچھے اعمال اور علم حاصل کرنیکا حکم دیتا ہے تاکہ ہمیں تبلیغ مذہب

نیکوں سے ملنے اور نیک اوصاف پیدا کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔" (محمود)

اب اسی منتر کا ترجمہ دیارتھی صاحب کی زبانی سنیے:

"کون تجھ کو ملاتا ہے۔ وہ تجھ کو ملاتا ہے۔ کس لیے تجھ کو ملاتا ہے۔ اس لیے تجھ کو ملاتا ہے۔ کام کے لیے تم دونوں کو۔ بہت کاموں کے لیے تم دونوں کو لیتا ہوں۔"

ہے کس فقرے میں کوئی مفہوم، سارا منتر ایک مجذوب کی بڑ معلوم ہوتا ہے۔ دیارتھی صاحب کا سارا ترجمہ اسی قسم کے مہمل اور بے ربط جملوں کا مجموعہ ہے۔ اگر یجر وید ایسی ہی بے ربط اور لغو کتاب ہوتی، تو کس کو کیا پڑی تھی کہ اس پر ایمان لاتا پھرتا۔

لاانتہا زمانوں سے، لا محدود انسانوں کا اس کتاب کی عظمت کے سامنے سربسجود ہونا اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ دیارتھی صاحب کا ترجمہ حقیقت سے بہت کم تعلق رکھتا ہے۔ اور انہوں نے اس کتاب کو اہل نظر کی نظر سے گرانے کے لیے عمداً بے ربط و مہمل بنانے کی کوشش کی ہے خود ہندوؤں نے ویدوں کو اُردو میں منتقل نہ کیا۔ شاید برہمنوں کا یہ عقیدہ ہو کہ وید کو غیر مذاہب کی "ناپاک" نگاہوں سے بچانا اُن کا مذہبی فرض ہے۔ یہ وہی برہمن تو ہیں، جو اچھوتوں کے کانوں میں اسلیے پگھلا ہوا سکہ ڈال دیا کرتے تھے۔ کہ وید کی آواز اُن تک کیوں پہنچی۔ اس وقت جو کچھ ملتا ہے، وہ یا تو چند متفرق حصوں کے انگریزی تراجم ہیں، یا سوامی دیانند کا ہندی ترجمہ اور یا محمود و دیارتھی کے تراجم جن میں سے ایک فرط عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ اور دوسرا جذبۂ عناد کی پیداوار۔ احکام ذیل سوامی دیانند اور محمود و دھرمپال کے تراجم سے اخذ کئے گئے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے لیے

کوئی دوسرا راستہ موجود نہیں تھا۔

"اے خدا، تو سب عیوب سے پاک ہے، تو دنیا کا نگران ہے ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ جو لوگ ہم نیکوں کو دکھ دیتے ہیں اور جو چور ہیں انہیں آتشیں اسلحہ سے ہلاک کر" (۱/۲)

"میں تمام کائنات کو پیدا کرنے والا، جاہ و جلال والا اور سکھ دینے والا ہوں" (۱/۱)

"اے خدا، تو نورِ کل، مقدس، غیر فانی، تمام اشیاء کا سہارا۔ حمد و ثنا کے قابل، نہ ڈرنے والا اور قابلِ عبادت ہے۔ میں تیری پناہ لیتا ہوں" (۱/۱)

"اے عدلِ مجسم! اور اپنی سنت کو پورا کرنے والے نورِ کل۔ مجھے ہمت دے کہ اپنے اعمال کے نتائج برداشت کر سکوں" (۲/۸)

"جو بدکار ریاکاری کرے، مذہب کو چھپائے۔ اغراضِ نفسانیہ کو پورا کرے۔ دوسروں کے مال و متاع کو ظلم سے چھینے۔ اے نورِ کل و خالقِ کائنات تو اسے دونوں جہان سے دور کر دے" (۲/۸)

"اے پرمیشور! مجھے اپنے فضل سے سلطنت عطا کر تاکہ میں سب کو سکھ پہنچا سکوں" (۲/۸)

"خدا تعالیٰ سورجوں کا سورج ہے۔ وہ جنگل میں منگل کیا کرتا ہے۔ اسی نے فضا کو وسعت دی۔ اسی نے گھوڑے کو دوڑنا سکھایا، وہی گائے کے تھنوں میں دودھ پیدا کرتا ہے۔ وہی نورِ کل اور مقلب القلوب ہے۔ وہی خالقِ نباتات ہے۔ ہم اسی خدا کی عبادت کرتے ہیں" (۲/۱)

"اے ہم پر فضل کرنے والے! ہمہ صفت موصوف۔ نورِ کل، علمِ کل، سب شے پر جلتے سب کو دیکھنے والے اور چمک کرنے والے تیرے آگے زمین و آسمان

سجدہ کرتے ہیں۔ اے انسانو! تم اسی خدا کی حمد و ثنا کرو" (۵/۱ یجر)

"اے انسانو! تم صرف اسی خدا کی عبادت کرو۔ جو نورِ کل، آگ کو حرارت اور سورج کو روشنی دینے والا۔ سب کا خالق۔ کائنات کا منتظم اور تمام جہان میں جلوہ گر ہے" (۳۲/۱۵ یجر)

"اے عالمو! خدا واحد لاشریک، غیر متحرک۔ حاضر و ناظر۔ غیر مرئی۔ قائم بالذات، بدکاروں سے دور۔ نیکوں کے قریب، قادرِ مطلق۔ عیوب سے مبرا، ناقابلِ تقسیم۔ عالم الغیب، قدیم، خالق کائنات اور بدکاروں کو سزا دینے والا ہے۔ تم صرف اسی کی عبادت کرو" (۸/۴۰ یجر)

ویدوں میں از اوّل تا آخر خدا کی وُہی صفات دی گئی ہیں۔ جو قرآن میں درج ہیں۔ کہیں کسی بت یا دیوتے کو معبود نہیں بتایا گیا۔ کہیں شرک، گناہ، ظلم، بدکاری، چوری، زنا، اور فریب کی تعلیم نہیں دی گئی۔ ہمارا فرض ان تمام انبیاء و کتب پر ایمان لانا ہے۔ پیروانِ وید و گیتا سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے کہ بھائیو! ہم تمہیں یہ نہیں کہتے کہ قرآن کو مانو۔ یا اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی اور دین اختیار کرو۔ بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ تم وید و گیتا کی تعلیم پر عمل کرو۔ کیا ان مقدس کتابوں میں سنگ پرستی یا عناصر پرستی کا کہیں کوئی ذکر ملتا ہے۔ اگر نہیں ملتا اور ہرگز نہیں ملتا۔ تو بتاؤ تم وید کے خلاف ان لغویات کے کیوں مرتکب ہو رہے ہو۔ تم اس جلیل القدر رام کے پیرو ہو جس نے ایک بھیلنی کے چکھے ہوئے بیر بڑے مزے سے کھا لیے تھے۔ اور تمہارا یہ حال کہ تم شودر کے سائے سے بھی کوسوں دور بھاگتے ہو۔ کسی مسلمان سے ہاتھ ملا بیٹھو۔ تو اسے پہروں رگڑ رگڑ کر دھوتے ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ تم کسی عیسائی، مسلمان یا شودر کا وجود تک برداشت نہیں کر سکتے۔ تم جس سنگدلی سے مسلمانوں

کو قتل کرتے اور ان کی لڑکیوں کی عصمت لوٹتے ہو، تم جس اطمینان سے ان کے گھروں کو جلاتے اور پھر قہقہے لگاتے ہو۔ اس کی مثال وحشی سے وحشی قوم میں بھی نہیں ملتی۔ تمہارے اعمال اور تمہارے عقائد کا تمہارے مکرم و مرفوع صحائف سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ اگر آج حضرت رام چندر جی یا حضرت کرشن علیہما السلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں اور تمہارے کرتوت دیکھ پائیں، تو شرم سے پانی پانی ہو جائیں۔ تمہارے یہ زنار، یہ لمبی لمبی چوٹیاں، یہ ٹیکے، یہ دھوتیاں، یہ عجیب و غریب مُورتیاں، یہ شو لنگ۔ یہ لکشمی اور یہ کالی دیوی کچھ ایسی چیستانیں ہیں جنہیں رام و کرشن تو رہے ایک طرف خود خدا بھی نہیں سمجھ سکتا۔

ہندو دوستو! مت بھولو کہ ہر قسم کے اوہام و اباطیل کے موجد مذہبی رہنما ہوا کرتے ہیں، تم جب تک رہنمائی کے لیے پنڈت کا منہ دیکھتے رہو گے کبھی گیتا کی مانند تعلیم سے مستفید نہیں ہو سکو گے۔ اُٹھو اور مقدس گیتا کو تھام کر اس نورانی دنیا کی طرف بڑھو۔ جہاں تمام کائنات صرف ایک آقا کے آگے سربسجود ہے۔ اور جہاں ایک نسل انسانی ایک معبود کے سامنے نغمہائے حمد و ثنا گا رہی ہے۔

مہاتما بُدھ

"بدھ" کے لفظی معنی ہیں روشن ضمیر۔ بدھ کا اصل نام سدھارتھ اور خاندانی نام گوتم تھا۔ والد کا نام سدھودنا اور والدہ کا نام مایا تھا۔ جو آپ کی ولادت سے سات دن بعد انتقال کر گئیں۔ آپ کی پیدائش ۵۶۳ قبل مسیح میں ایک سرسبز مقام لمبینی میں ہوئی جو بنارس سے ڈیڑھ سو میل شمال کی طرف نیپال کی ترائی میں ساکیوں کے پایۂ تخت کپل وستو کے قریب واقع تھا۔ پینتیس برس کی عمر میں سلسلۂ الہام شروع ہوا۔ آپ کی عمر پچیس برس کی تھی کہ شاہی محل کے عیش و آرام کو ترک کر کے حقیقی راحت کی تلاش میں نکل گئے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ کی غذا ہر روز چاول کا صرف ایک دانہ ہوا کرتی تھی۔ آپ کا عقیدہ یہ تھا کہ حقیقی مسرت دکھ جھیلنے کے بعد دستیاب ہوتی ہے۔ چنانچہ آپ نے ہر قسم کے دکھ اٹھائے اور آخر وہ منزل پالی، جہاں دکھ بھی خوشی کا روپ دھار لیا کرتا ہے۔ آپ کی صحیح تاریخِ وفات معلوم نہیں ہو سکی۔ آپ کے مختلف سوانح سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ آپ نے تقریباً اسّی برس کی عمر پائی اور ۴۸۳ ق م کے بعد انتقال کیا۔

بُدھ کی مُقدس کتابیں تین ہیں۔

اوّل ستا پٹکا: جس کے پانچ حصے ہیں (۱) دیگا نکایا (۲) مجھما نکایا (۳) سمتیا نکایا (۴) انگترا نکایا (۵) کھدکا نکایا۔

اس کتاب میں بُدھ کے الہامات درج ہیں۔ ایک حصہ تاریخی ہے۔ جو

مہاتما بدھ اور آپ کے اصحاب کے حالات پر مشتمل ہے۔

دوم : دنایا پتکا۔ اس میں ہر گناہ کی سزا درج ہے۔

سوم : ابیدھما پتکا۔ اس میں کچھ مناظرے اور کچھ اخلاقی مضامین ہیں۔ نیز حیاتِ انسانی پر تبصرہ دیا ہوا ہے۔

مہاتما بدھ کا پیغام مغرب میں مصر اور مشرق میں جاپان کے آخری جزیرے تک پہنچا۔ ڈاکٹر بیلو اپنی مشہور کتاب "اقوامِ افغانستان" (ص ۲۰۶-۲۰۵) میں لکھتا ہے کہ وادیٔ جلال آباد کا پہلا نام نن گرہ یا دہارا تھا۔ جو ہار کے معنی میں مندر اور یہاں کسی وقت بدھوں کے نو مندر تھے۔ قندہار کا پرانا نام گلنا تھا۔ ان علاقوں میں بدھی مناور کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔ جب ساتویں صدی عیسوی میں مشہور چینی سیاح ہیلس تسنگ ایران میں وارد ہوا۔ تو اسے تین بدھی درسگاہیں ملیں۔ جن میں کئی سو فقرا بدھ مت کا درس لے رہے تھے۔

پروفیسر مہالی لکھتا ہے کہ ولادتِ مسیحؑ سے دو سو برس پہلے کئی بدھی مبلغ فلسطین میں بھی پہنچے تھے۔ (ایلگزینڈرین امپائر ص ۱۴۰) اور ڈاکٹر پیٹری کی تحقیق یہ ہے کہ اشوک اعظم کے مبلغین نے بدھ کا مذہب مصر میں بھی پھیلایا تھا۔ (مذاہب مصر)

مغربی ایشیا سے اس مذہب کے آثار مٹ گئے۔ لیکن مشرقی ایشیا کے بعض ممالک مثلاً چین، کوریا، جاپان، برما، ملایا، سنگاپور، سیام اور ہند چینی وغیرہ میں آج بدھ کے سترکروڑ پجاری موجود ہیں۔ یہ سب کے سب مہاتما بدھ کے اصلی پیغام کو بھول کر بت پرستی اور ہر قسم کے خرافات میں چوٹی تک ڈوبے ہوئے ہیں۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بدھ کا پیغام

ماگدھی یا پالی زبان میں تھا۔ یہ زبان سنسکرت سے کچھ ملتی جلتی تھی۔ اس زبان کو مرے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں۔ عوام اس زبان سے واقف نہیں خواص کو اس کے سیکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ نتیجہ یہ کہ چند بدھی پنڈت مذہب کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں۔ وہ جدت کی خاطر ہر زمانے میں کوئی نہ کوئی بدعت رائج کرتے رہے اور آج مذہب چند ایسی بدعات کا مجموعہ بن چکا ہے۔ جسے بدھ کے اصلی پیغام سے دور کا بھی تعلق نہیں رہا۔

بُدھ کا پیغام

(۱) مبارک ہیں وہ جو نفرت کرنے والی دنیا میں نفرت سے دور رہتے ہیں۔

۲۔ مبارک ہیں وہ جو پرے رہتے ہیں۔

۳۔ مبارک ہیں وہ جو اپنے آپ پر فتح حاصل کرتے ہیں۔

۴۔ سمندر کا ذائقہ ایک ہے۔ یعنی نمکین۔ اسی طرح میری تعلیم کا ذائقہ بھی ایک ہی ہے یعنی نجات۔

۵۔ میں ایک ہی بات سکھاتا ہوں۔ یعنی دکھ سے رہائی۔

۶۔ محبت اصل ایمان ہے۔

۷۔ طمع۔ نفرت اور دھوکے سے بچنا بدھ کا دھرم ہے۔

۸۔ اصلی مذہب وہی ہے جو غصے کی جگہ حلم نفرت کی جگہ محبت اور لالچ کی بجائے قناعت کی تعلیم دے۔

۹۔ نجات دین میں ہے۔ جہاں انصاف و اخلاق کی پیروی ہے۔

۱۰ سکونِ دل بہترین خزانہ ہے۔

۱۱۔ جو لوگ والدین کی خدمت کرتے ہیں وہ گویا سب سے بڑے دیوتا کا وصال حاصل کرتے ہیں۔

۱۲ ۔ ناراض کو محبت سے، بُرے کو نیکی سے اور کمینے کو فراخدلی سے شکست دو۔

۱۳ اصلی دھرم کیا ہے؟ کسی کو دُکھ نہ دینا۔

۱۴ ۔ محض پیدائش کوئی چیز نہیں۔ اچھے اعمال ہی آدمی کو ممتاز کرتے ہیں۔

۱۵۔ یاد رکھو کہ سمندر کی تہ میں، پہاڑوں کی غاروں میں اور ہوا میں دُور جاکر تم اعمال کے نتائج سے نہیں بچ سکتے۔

۱۶ ۔ دُوسروں کے عیوب ڈھونڈنا آسان ہے۔ میرا پیرو وہ ہے جو اپنے عیب تلاش کرے۔

۱۷ ۔ علم اور نیکی بہترین زیور ہیں۔

۱۸ ۔ اگر کوئی شخص گناہ کا اعتراف کرکے اس سے بچے تو گناہ کی گرفت رفتہ رفتہ ڈھیلی پڑ جاتی ہے۔ اور یہی وہ توبہ ہے جس کی بدھ قدر کرتا ہے۔

۱۹ ۔ لہو ولعب، کاہلی اور بے اعتدالی سے بچو۔

۲۰ ۔ یاد رکھو کہ شاندار زندگی کا ایک لمحہ گمنام زندگی کے سو سال سے بہتر ہے۔ (بدھ مت مصنف شیو نارائن شمیم)

باباگرو نانک

ہندوؤں کی گذشتہ ہزار سالہ تاریخ میں قابلِ ذکر مصلح دو تھے۔ باباگرو نانک اور سوامی دیانند۔ ہر دو نے بُت پرستی اور بدعات کے خلاف جہاد کیا۔ لیکن اِن کے نقطۂ نگاہ میں ایک بُنیادی فرق تھا اور وہ یہ کہ بابا نانک تمام صحائف وانبیاء کی یکساں تعظیم کرتے تھے وہ جہاں سچائی دیکھتے تھے۔ وہیں جا پہنچتے تھے وہ اگر ایک طرف صداقت کی تلاش میں بنگال، آسام اور جگن ناتھ تشریف لے گئے تھے۔ تو دوسری طرف مکہ و مدینہ میں بھی جا پہنچے تھے۔ اگر ایک طرف وہ ہندو علماء (صوفیاء) کے خوشہ چین تھے تو دوسری طرف بابا فرید، بابا دلی تدھ، میاں قطب[1] الدین، میاں فقیر دھلوی، فقیر جلال[2] الدین۔ فقیر شمس الدین شاہ ابو چشتی اور صوفیائے اجمیر کی صحبتوں سے مدتوں مستفیض ہوتے رہے۔ آپ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور باشندگانِ ہند کے بہت بڑے محسن تھے وہ توحید کی تعلیم دے کر ہندوؤں کو ایک عظیم ذہنی گمراہی سے بچا رہے تھے۔ اور مسلمانوں کو نیکی کی طرف بلا کر صحیح معنوں میں حاملین قرآن بنا رہے تھے۔ بدیگر الفاظ بابا جی ہندو مسلم ہر دو کے محسن تھے۔ لیکن سوامی جی مسلمان ہی کا نام سُن کر بدک

---

[1] بابا نانک کے گاؤں تلونڈی (لاہور سے ۴۵ میل جنوب مغرب میں واقع ایک گاؤں) کے قریب ہی کسی گاؤں میں درس دیا کرتے تھے۔

[2] فقیر جلال الدین، شمس الدین اور شاہ ابو چشتی کرنال کے رہنے والے تھے۔

جانتے تھے۔ باباجی نے مسلمانوں کے اعمال پر نکتہ چینی کی اور سوامی جی نے
قرآن پر۔ باباجی کا مقصد اصلاح تھا اور سوامی جی کا تخریب۔ باباجی نیکی کو
مذہب سمجھتے تھے اور سوامی جی کتابوں کو۔ باباجی ہندو مسلم کو ایک دوسرے کے
قریب لانا چاہتے تھے۔ اور سوامی جی ان دونوں میں ایسی دیواریں اٹھانا چاہتے
تھے جنہیں کوئی پھلانگ نہ سکے۔ ہر چند کہ سوامی جی نے آریہ سماج کی بنیاد ڈال
کر ہندوؤں کے ایک بہت بڑے گروہ کو بعض عقائد میں مسلمانوں کے قریب کر
دیا۔ لیکن ساتھ ہی قرآن و رسولؐ پر وہ اندھا دھند آتش بازی کی کہ ذہناً یہ دونوں
قومیں ایک دوسرے سے بہت دور ہو گئیں۔ سوامی جی کے مشن کو پنڈت لیکھرام
(آریہ مسافر) نے زندہ رکھا۔ اور مخالف فریق کی وہ خبر لی کہ توبہ ہی بھلی۔ لیکھرام
کے بعد کئی اور مناظر پیدا ہوئے جن میں بہت مشہور پنڈت رام چندر دہلوی تھے
ان کے مقابلے میں کئی مسلمان مناظر بھی اٹھے جن میں سے زیادہ مشہور مولوی
ثناء اللہ صاحب امرتسری، قاری محمود دھرمپال اور مرزا غلام احمد صاحب
قادیانی تھے۔ ان حضرات کی تقریریں تحریریں دونوں قوموں کے دل و دماغ میں
زہر بھرتی رہیں۔ اس فتنے میں اخبارات بھی آ کودے۔ انھوں نے ایک دوسرے
پہ وہ گندگی اچھالی کہ مذہبی بغض و عناد نے فسادات کی شکل اختیار کر لی۔
اس سلسلے کا سب سے بڑا ہنگامہ اگست ۱۹۴۷ء کا وہ محشر تھا جس میں کم و
بیش تیرہ لاکھ ہندو مسلم ہلاک ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ کروڑ کو اپنے گھر بار سے
جدا ہونا پڑا۔ یہ تھے سوامی دیانند اور وہ تھے باباجی۔

بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۶۹ء کو تلونڈی میں پیدا ہوئے۔ جو لاہور سے
۳۰ میل قدر جنوب میں دریائے راوی کے کنارے ایک گاؤں تھا۔ والدہ کا نام ترپتا
دیوی اور والد کا کالو نام تھا۔ کالو رام اپنے گاؤں کے ایک مسلمان راجپوت رائے

ہولار کا گماشتہ تھا۔ بابا جی کے قلب و دماغ پر والد کی اس ملازمت نے بھی
ضرور اثر ڈالا ہوگا۔ شب و روز ایک مسلمان گھرانے میں رہنا سہنا [illegible] بیٹھنا
اٹھنا۔ اس سے وہ نفرت و اجنبیت ختم ہو گئی ہوگی۔ جو عموماً ہندوؤں کے
افراد میں (ہمارے "بزرگوں کی کوششوں" کی وجہ سے) موجود ہوتی ہے۔ آپ نے
مذہبی تعلیم پنڈت برج ناتھ سے حاصل کی اور فارسی مولوی قطب الدین سے پڑھی۔
سن بلوغت کو پہنچتے ہی مائل بہ تصوف ہو گئے۔ اور مختلف مسلمان فقرا کے ہاں
جانا شروع کر دیا۔ انہی دنوں آپ کو والد نے بیس روپے دے کر لاہور روانہ کیا
کہ جاؤ اور وہاں سے کوئی منفعت بخش جنس تجارت کے لیے خرید لاؤ۔ راہ میں
بابا جی کو چند فقرا مل گئے۔ رقم اُن کے حوالے کی اور خود گاؤں میں لوٹ آئے۔ جب
والد ناراض ہوئے تو کہنے لگے۔

"پتا جی! آپ ہی نے تو حکم دیا تھا کہ کھرا سودا خرید کر لانا۔ مجھے اس سے
زیادہ کھرا سودا اور کوئی نظر نہ آیا" (جنم ساکھی از دولت رائے صفحہ ۹)

بابا جی ہر بدعت کے (خواہ وہ مسلمانوں میں تھی یا ہندوؤں میں) زبردست دشمن
تھے اور ہونا بھی چاہیئے تھا۔ اس لیے کہ انسانیت کا کوئی محسن یہ برداشت نہیں
کر سکتا کہ لوگ غلط عقائد اور غلط اعمال کا شکار ہو کر خدائی غضب کا نشانہ بنیں۔

چنانچہ بابا جی نے بھی مسخ شدہ عقاید و اعمال کے خلاف جہاد شروع کر دیا۔
جب اُس دور کے مُلاّں نے دیکھا کہ ایک ہندو فقیر اُس کے بنائے ہوئے جھونپڑے
پر آگ برسا رہا ہے۔ تو اُس نے ابراہیم لودھی کو مشتعل کر کے آپ کو جیل میں
ڈلوا دیا۔ جب بابر نے ابراہیم کو شکست دی اور تمام قیدی جیلوں سے بھاگ
نکلے، تو بابا جی اندر ہی بیٹھے رہے۔ اور کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا۔

"جیل سے بھاگنا حاکم وقت کی چوری ہے۔ اور میں یہ گناہ کرنے کے لیے تیار نہیں"
(جنم ساکھی صفحہ [illegible])

اس جواب کو پھر پڑھیئے۔ اور اندازہ لگایئے کہ باباجی کا کردار کتنا عظیم اور بلند تھا۔

قرآن نے یہ فرض مسلمانوں پہ عاید کیا تھا کہ وہ اقوام و ملل کے انبیاء و صحائف پہ ایمان لائیں۔ ان کی صداقت و عظمت کا اعلان کریں اور دنیا میں پھر پھر کر اس حقیقت کو واضح کریں کہ اعمال ضائع نہیں ہوتے اور اللہ کی نظر میں سب انسان یکساں ہیں۔ جو نیک عمل کرے گا جزا پائے گا۔ اور جو بدی کا مرتکب ہوگا۔ خدائی غضب کا شکار بنے گا۔ خواہ اس کا دامن قرآن سے وابستہ ہو۔ یا انجیل و گیتا سے۔ لیکن مسلمان اس فرض کو صدیوں سے ترک کر چکے ہیں۔ بابا نانک پہلا ہندوستانی مصلح ہے جس نے اس حقیقت کو پھر زندہ کیا۔ چنانچہ مذکور ہے[1] کہ جب ۱۴۹۹ء میں آپ لاہور پہنچے اور سکندر لودھی کے مرشد سید احمد سے ملے تو اُسے اس بات کا قائل کر لیا کہ خدا کی نظر میں ہندو مسلم برابر ہیں۔ اللہ اختلاف مذاہب کی بنا پر کسی کو عذاب نہیں دے گا بلکہ صرف اعمال کو دیکھے گا۔

بھائی بالا کی جنم ساکھی میں درج ہے کہ جب باباجی بابر بادشاہ سے ملے اور قرآن کا ذکر چل پڑا تو آپ نے فرمایا:

"حق تعالیٰ بولی تے پاک"

(کہ خدا کا کلام سچا اور پاک ہے)

باباجی کے اقوال روحانیت میں ڈوبے ہوئے ہیں، کوئی پڑھے۔ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرماتے ہیں۔

(۱)خدا ایک ہے۔ اس کا نام سچا ہے۔ وہ خالق حقیقی ہے اس کو کسی

---

[1] جنم ساکھی صفحہ

کا خوف نہیں۔ کسی سے عداوت نہیں۔ وُہ لازوال اور قائم بالذات ہے۔

۲۔ اے نانک! اگر کوئی سمجھے تو دنیا میں سب کچھ اعمال پر منحصر ہے۔ نیک اعمال ہی سے اچھا پھل مل سکتا ہے۔

۳۔ اے نانک! ایذا، حرص اور غصہ آگ کی ندیاں ہیں، جو ان میں گرتا ہے وُہ ڈوب جاتا ہے۔

۴۔ جو لوگ ایشور کی حفاظت میں آجاتے ہیں۔ وہ سب دکھوں سے نجات پا جاتے ہیں۔ ایشور بھگتی کے بغیر زندگی عبث ہے اور ہر بھگن (حمد خدا) کے بغیر ہر گھڑی بیکار ہے۔

۵۔ اے بھائیو! ہم دیوی دیوتا کی کیوں پوجا کریں اُن سے کیا مانگیں۔ وہ کیا دے سکتے ہیں۔ ان کی پوجا تو ایسی ہے۔ جیسے پانی میں پتھر تیرائیں۔

۶۔ عاقبت میں ذات اور جنم نہیں پوچھیں گے۔ بلکہ صرف اعمال پوچھے جائیں گے۔

۷۔ دانش مند سوئے دل دھوئے
مسلمان سوئے مل کھوئے

(عقلمند وہ ہے جو دل صاف رکھے اور مسلمان وہ ہے جو دل کا میل دھو ڈالے۔

۸۔ اے مسلمانو! محبت کی مسجد بناؤ۔ اس میں سچائی کا مُصلّٰی بچھاؤ۔ حق و حلال کا قرآن پڑھو۔ شرم کو سنت سمجھو اور صلح کا روزہ قرار دو۔ تو تب سچے مسلمان بنو گے۔

۹۔ اے مسلمانو آؤ! تمہیں پانچ نمازوں کے نام بتاؤں۔ اوّل سچائی۔ دوم حلال کی کمائی۔ سوم یادِ الٰہی۔ چہارم نیک نیتی۔ اور پنجم خدا کی راہ میں

پھیلے گا۔ جہاں صرف اعمال معیارِ انسانیت بنیں گے اور جہاں ابو آدم مُلّا، پنڈت گیانی اور پادری کی انسانیت کُش تہذیب سے محفوظ ہو جائے گا۔

اُٹھ! کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
دیکھ! پھر انسانیت کے دور کا آغاز ہے
(اقبال بہ ترمیم)

رسولِ عربیؐ

اے اقوامِ عالم! ذرا سوچو، کہ یہ ہزارہا انبیاء، یہ شمعِ الوہیت کے پروانے اور صداقت کے دیوانے کس مقصد کے لیے اس قدر مصائب برداشت کرتے رہے۔ حضرت بدھ شاہی محلات کو چھوڑ کر کس لیے جنگلوں میں مارے مارے پھرتے رہے۔ حضرت کرشن نے کیوں بڑی بڑی سلطنتوں سے ٹکر لی۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے خلاف کیوں نوائے بغاوت بلند کیا اور کس لیے ایک بے آب و گیاہ صحرا میں اپنی قوم کو لے کر چالیس برس تک پڑے رہے۔ وہ کس جلوۂ نظر فریب کا کرشمہ تھا کہ ان میں سے بعض آرے سے چیرے گئے۔ ہزارہا قتل ہوئے۔ کچھ ہاتھیوں تلے روندے گئے۔ اور بعض آگ میں زندہ پھینکے گئے۔ لیکن یہ اپنی ہٹ سے باز نہ آئے۔ اور مسلسل اللہ کی مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتے رہے۔ کیا یہ سب کچھ مکر و فریب تھا۔ کیا انکا مقصد صرف دنیا کی دولت سمیٹنا اور اپنی تجارت کو چمکانا تھا۔ کیا یہ سب لوگ معاذاللہ مکار، فریبی، جھوٹے اور لٹیرے تھے۔ اور پھر لطف یہ کہ آخری دم تک ان میں سے نہ کوئی تائب ہوا، نہ اپنی دُھن سے باز آیا اور نہ ایک پائی تک وراثت میں چھوڑ کر مرا۔ کیا جھوٹ اور فریب کو اتنی عظیم الشان کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ کہ ہزارہا سال گذر جانے کے بعد بھی ان کے نام اور مشن دنیا میں زندہ ہیں۔ اللہ کے نام لیواؤں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اور اُن کے پاؤں پر تمام کائنات سجدہ ریز نظر آتی ہے۔

درحقیقت یہ لوگ شکارِ فریب نہیں تھے۔ بلکہ ہم ہیں، جو ان کی بے پناہ قربانیوں، ان کی لامحدود خدمات اور ان کے بے شمار احسانات کو بھول کر ان میں سے بعض کو جھوٹا اور بعض کو گھٹیا سمجھتے ہیں۔ ان کے لائے ہوئے جلیل القدر دساتیر کو پرِ کاہ کے برابر وقعت نہیں دیتے۔ انہیں پڑھے اور سمجھے بغیر مسترد کر دیتے ہیں۔ انسان کی کم نظری، کم فہمی، حماقت اور خود فریبی کا اندازہ لگائیے کہ انبیاء کے مقابلے میں اس کی حیثیت بدر رو کے ایک کیڑے سے زیادہ نہیں۔ لیکن وہ ان خدائی راہنماؤں پہ تھوکنے سے نہیں شرماتا۔ وہ کتابِ کائنات کی ایک سطر تک نہیں سمجھ سکتا۔ لیکن الٰہی انقلاب انگیز کتابوں پہ خطِ نسخ کھینچنے سے باز نہیں آتا۔ اس سے ذرا پوچھو کہ تو نے کیا کیا۔ اور تیری مقدار کیا؟ اسی برس کی زندگی میں تو نے کتنے بدمعاشوں سے بدمعاشی چھڑائی کتنے چوروں کو مہذب شہری بنایا۔ کتنے شرابیوں کو راہِ راست پہ ڈالا کتنے غنڈوں کو خادمِ خلق بنایا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر صرف ایک بدمعاش ہدایت کی خاطر تیرے حوالے کیا جاتا، تو یہ حقیقت تجھ پہ کھل جاتی۔ کہ کسی کو نیک بنانا کس قدر صبر آزما اور دشوار فرض ہے اور یہی وہ مشکل کام تھا جو ان انبیاء کے سپرد کیا گیا اور انہوں نے اس فرض کو یوں سرانجام دیا کہ باطل کے بڑے بڑے محل دھڑام سے زمین پہ آ رہے۔ صداقت کی تجلیاں، فسق و فجور کی ظلمتوں کو چیر کر نکل گئیں۔ دلوں کی دنیا میں و کھوں زلزلے آئے ان سے خیر و معروف کے چشمے پھوٹ نکلے۔ اور ابنِ آدم کے لق و دق صحرا لہلہاتی کھیتیوں میں بدل گئے۔

اے اہلِ عالم!

تم ایک دوسرے کے شعراء و حکماء کی عظمت کو تسلیم کرتے ہو تم سعدیؒ، حافظؒ

غالبؔ، کالیداس، ٹیگور، شیکسپئیر۔ ڈانتے، گوئٹے۔ البیرونی۔ ابنِ سینا ہربرٹ سپنسر۔ آئن سٹائن۔ ویاس۔ تلک اور گاندھی کے سامنے سر جھکاتے ہو۔ یہاں تک کہ تم رستمِ ہند کی پہلوانی۔ رام مورتی کی غیر معمولی قوتِ جسمانی اور خدا بخش بنگالی کی شعبدہ بازی پہ ایمان رکھتے ہو۔ لیکن جب تمہیں انسانیت کے محسنینِ اعظم یعنی انبیا کے سامنے سر تعظیم خم کرنے کو کہا جاتا ہے تو تم بھاگ نکلتے ہو۔ نہ جانے اِس راہ میں کون سے وہ کانٹے ہیں۔ جن سے تمہاری عقیدت کی کف پا مجروح ہو جاتی ہے۔ کبھی تم کہتے ہو کہ فلاں رہنما جہاد کی تبلیغ کرتا رہا اس لیے قابلِ قبول نہیں۔ میرے نادان بھائیو! سوچو کہ اگر ایک لمحہ کے لیے جہاد کا اصول ختم کر دیا جائے، تو دنیا فتنہ فساد، لوٹ مار اور مار دھاڑ کا محشرستان بن جائے۔ تمہاری آزادیاں ختم ہو جائیں۔ تمہارا چین جاتا رہے۔ تمہاری دولتیں اور تمہاری خواتین کی عصمتیں لٹ جائیں۔ یہ تلوار ہی کا اعجاز ہے۔ کہ غنڈوں اور بدمعاشوں کا دستِ حرص تم تک نہیں پہنچ سکتا۔

امریکہ کا برِاعظم سرخ وحشیوں کا مسکن تھا۔ وہاں انگریز پہنچے۔ جہاد کے بل پر حکومت قائم کی اس جہاد کے نتائج دیکھو کہ آج اہلِ امریکہ علم و دانش میں دنیا کے امام بنے ہوئے ہیں۔ اسی طرح عہدِ قدیم میں ہندوستان ایک سیاہ رنگ، جاہل اور وحشی قوم کا وطن تھا۔ وسط ایشیا سے آریہ اُبھرے ان کے ایک ہاتھ میں تلوار تھی اور دوسرے میں وید مقدس، وہ ہندوستان میں پہنچے اور ان کے دم قدم سے یہ زمین ہم پایۂ آسمان بن گئی۔ چھٹی صدی عیسوی میں عرب، عراق، ایران، مصر اور یورپ گناہ و جہالت کی ظلمتوں سے تاریک ہو رہے تھے۔ عرب سے ایک مُصلح آتشیں شریعت لے کر اٹھا۔ اس نے قیصر و کسریٰ کے ظالمانہ اور مستبدانہ نظامِ حکومت کو اُلٹ کر ایک ایسی جمہوریہ کی

بنیاد ڈال دی۔ جس میں ہر فرد کی ذاتی صلاحیتوں کو پھولنے پھلنے کا موقع ملا۔ اور اسی صحرا سے جہاں قتل و غارت۔ قمار بازی۔ شراب خوری اور حرام کاری کے بغیر کوئی اور چیز موجود ہی نہ تھی۔ حکمت و دانش کے وہ سیلاب پھوٹ نکلے کہ بغداد سے سپین تک جل تھل کا عالم ہوگیا۔ ہمارے شہرۂ آفاق حکماء و مفکرین سے ایک دنیا مستفید ہوئی اور رفتہ رفتہ فراوانی علم کی یہ کیفیت ہوگئی کہ جب ہلاکو خاں نے ۱۲۵۸ء میں بغداد کو تباہ کیا تو وہاں ۳۶ لائبریریاں موجود تھیں۔ جن میں کتابوں کی مجموعی تعداد چار کروڑ کے قریب تھی۔

ہندو بھائی نظریہ جہاد کے سخت مخالف ہیں۔ میں ان سے صرف ایک بات کہتا ہوں۔ کہ اگر تم واقعی جہاد کے خلاف ہو تو اپنی حکومت پہ دباؤ ڈالو کہ وہ فوجوں کو توڑ کر عدم تشدد کا اعلان کردے اور پھر دیکھو کہ تم کتنے دن زندہ رہتے ہو۔ منہ سے آہنسا (عدم تشدد) کا پرچار کرنا آسان ہے۔ لیکن ایک ایسی دنیا میں رہ کر جہاں حرص کے ہاتھ بہت لمبے ہیں جہاں گناہ کے سائے بہت مہیب ہیں۔ اور جہاں تلوار کا ڈر دور ہوتے ہی شرافت غنڈا پن کا روپ بدل لیتی ہے۔ اس پر عمل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہ تلوار ہی کی برکت ہے کہ تم دانگہ سے کلکتہ تک بلاخوف حکومت کر رہے ہو۔ تم اپنے گھروں میں چین سے بیٹھے ہوئے ہو۔ تمہارا تمدن ترقی کر رہا ہے۔ تمہاری تہذیب درختِ چنار کی طرح پھیل رہی ہے۔ تمہاری علمی کھیتیاں بسنت کی سرسوں کی طرح لہلہا رہی ہیں اور تم ایک حسین مستقبل کی تعمیر میں باطمینان تمام مصروف ہو۔ اگر تم آج تلوار پھینک دو۔ تو آنس کلی کی طرح جسے تمہیں توڑ کر ہاتھ میں مسل دیتا ہے۔ تمہاری زندگی آناً فاناً ختم ہو جائے اور بے رحم مورخ تمہیں تاریخ کے قبرستان میں ہمیشہ کے لیے سلا دے۔

جہاد کے خلاف وہی لوگ آواز اٹھاتے ہیں جو زندگی کی تلخیوں سے ناآشنا ہوں۔ جو حقائق حیات کو کسی برہمن کی آنکھ سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہوں۔ اور جو صرف مخالفت کی خاطر مخالفت کرتے ہوں۔ ورنہ تلوار اتنی ہی ضروری ہے۔ جتنا پیری کے لیے عصا۔ جوانی کے لیے طاقتور بازو اور آرٹ کے لیے اعجاز نگار قلم۔

کبھی تم انبیا کو تسلیم نہ کرنے کا یہ عذر پیش کرتے ہو۔ کہ انہوں نے شادیاں کی ہوئی تھیں۔ بجا ہو۔ اگر شادی کا سلسلہ نہ ہوتا تو انبیاء کہاں سے پیدا ہوتے اور تم کیسے عالم وجود میں آتے۔ تم جانتے ہو کہ بحر حیات کی سب سے بڑی لہر اور آتشکدہ گیتی کا سب سے بڑا شعلہ جذبۂ جنسیت ہے۔ اگر اس جذبہ کی تسکین کے لیے جائز وسائل اختیار نہ کئے جائیں، تو یہ اُبھر کر نظام اخلاق کے تمام در و دیوار کو گرا دیتا ہے۔ اللہ نے عورت مرد کے لیے پیدا کی ہے۔ اور مرد کے نظام جسمانی کو نسوانی تقاضوں کے قالب میں ڈھال کر بنایا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انبیا نے کیا خاص قصور کیا ہے۔ کہ انہیں اس جذبہ کی تسکین کے جائز وسائل سے محروم کر دیا جائے۔ سوامی دیانند نے عورت کو مرد کی روحانی ترقی کی سب سے بڑی رکاوٹ قرار دیا تھا کہ ان کے پیرو عورت سے دور رہیں۔ لیکن سب سے پہلے خود سوامی جی نے اس غیر فطری ہدایت کی خلاف ورزی کی اور امریکہ میں جا کر ایک عورت سے شادی کر لی۔ ہندوستان کی سرزمین میں روحانیت کا روشن ترین پیکر اور انسانیت کبریٰ کا عظیم ترین مظہر حضرت رام چندر جی تھے۔ کیا کوئی صاحب بتا سکتے ہیں۔ کہ اُن کی سیتا اُن کی روحانیت میں کہاں رکاوٹ حائل ہوئی اور مہاتما گاندھی کی راہ میں ان کی بیوی کیوں آڑے نہ آئی۔ یہ روحانیت اور تجرد کا غلط نظریہ اُن پنڈتوں کا

قائم کیا ہوا ہے جنہیں یا تو کسی عورت نے پسند نہ کیا اور یا نفس کشی کی خود ساختہ راہوں پہ چل پڑے۔ ورنہ خدا نے کسی الہامی کتاب میں عورت سے بھاگنے کا حکم نہیں دیا۔ اگر خدا نے عورت کو روحانیت کی راہ میں رد کا دستہ نہیں سمجھا۔ تو پھر اسے پنڈتو! انصافاً کہو کہ ہم تمہاری بات کیوں سنیں اور بات بھی ایسی جس پر نہ تمہارے اسلاف عمل کر سکے اور نہ ان کے اخلاف۔

ہمارے ہندو بھائی رسول عربی کو تسلیم نہ کرنے کا ایک عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ بعض مسلمان حملہ آوروں نے ان کے بت توڑ ڈالے تھے اور ان کے معابد کی بے حرمتی کی تھی۔ الزام درست، لیکن اس میں قرآن و رسولؐ کا کیا قصور؟ ہمارے رسولؐ کے صحابہ نے چالیس لاکھ مربع میل پہ قبضہ کیا تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی وسیع سلطنت میں ایک گرجا نہ گرایا۔ ایک آتش کدہ سرد نہ کیا اور کسی بت کو ہاتھ تک نہ لگایا۔ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ مذہب میں جبر گناہ ہے۔ ہمارے رسولؐ بارہ سال تک مکہ میں رہے آپ نے کعبہ کے تین سو ساٹھ بتوں کی طرف میلی آنکھ سے بھی نہ دیکھا۔ لیکن جب تمام اہل مکہ مسلمان ہو گئے اور انہوں نے مل کر التماس کی کعبہ سے بتوں کو ہٹایا جائے تو حضورؐ نے ان کی متحدہ التجا کو منظور فرما لیا۔

۱۹۴۷ء کے فسادات میں ہندوؤں اور سکھوں نے مل کر دس لاکھ مسلمان قتل کئے۔ ان کی مساجد جلائیں۔ اور دیگر مقدس مقامات کی بے حرمتی کی۔ ظاہر ہے کہ ان مظالم کی ذمہ داری مقدس گیتا اور گرنتھ پہ عائد نہیں ہوتی۔ اسی طرح غزنوی کی بت شکنی قرآنی ہدایات کا نتیجہ نہیں تھی۔ اس میں کلام نہیں کہ قرآن سنگ پرستی کے خلاف ہے۔ لیکن قرآن نے سنگ شکنی کی ہدایات قطعاً نافذ نہیں کیں۔ رسول عربیؐ نے بت پرستی کے خلاف اسی طرح تبلیغ کی۔

جس طرح حضرت بُدھ اور حضرت کرشن آپ سے پہلے کر چکے تھے۔ دنیا کا کوئی پیغمبر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ انسانی عظمت پتھر کے سامنے سربسجود ہو جائے۔ اس لیے ہر نبی نے ہر زمانے میں بتوں کے خلاف پرچار کیا لیکن انسانی ہٹ کی داد دیجئے کہ جونہی پیغمبر رخصت ہُوا۔ خدا کے گھر بتوں سے بھر گئے۔ اور انسان اپنی حاجات کے لیے بے جان پتھروں کے سامنے رینگنے اور گڑگڑانے لگا۔

بعض لوگ انکارِ انبیا کا یہ بہانہ پیش کرتے ہیں کہ فلاں نبی نے عبادت کا نیا طریقہ جاری کر دیا تھا۔ بھلا آپ کو کیا تکلیف پہنچی۔ خدا مشرق مغرب شمال جنوب ہر طرف موجود ہے۔ کسی طرف مُنہ کرو اُسے سامنے پاؤ گے اگر تم شمال یا مشرق کی طرف مُنہ کر کے نغمہائے حمد گا رہے ہو اور کوئی مغرب کی طرف متوجہ ہو کر یہی کام کر رہا ہے۔ تو تم اس سے اُلجھتے کیوں ہو۔ یا تو ثابت کرو کہ خدا صرف مشرق کی طرف ملتا ہے۔ اور اگر ثابت نہ کر سکو، تو دوسرے کو شمال کی طرف رُخ پھیر کر دُعا مانگنے دو۔ تمہارا کیا جاتا ہے۔ تم کیوں لٹھ لے کر اُس کے پیچھے پڑو۔ کیوں مساجد میں اُس پر بم برساؤ۔ اور کیوں اس کے کلیسا کو بارود سے اُڑاؤ۔

بعض یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ رسُولِ عربیؐ نے اپنا مذہب بزورِ شمشیر پھیلایا تھا۔ خدا کے لیے سوچو کہ کیا تلوار میں اتنی ہمت ہے کہ وہ رُوح کی چٹانوں کو کاٹ سکے یا ایمان کے پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکے۔ تم اپنے جیلوں ہتھکڑیوں اور کوڑوں کے بل پر چند چوروں سے بدمعاشی نہیں چھڑا سکتے تم اُنہیں سزائیں دے کر چھوڑتے ہو اور وہ پھر جُرم کرتے ہیں۔ پھر تمہاری تلوار میں یہ ہمت کہاں کہ وہ کسی نیک انسان سے اس کا ایمان چھین سکے۔ اگر تلوار ست

مذہب بدل سکتا ہے تو آیئے تلواریں میں دیتا ہوں اور آپ فسانہ ذیریوں اور مہمندیوں میں جاکر اس نسخے کو آزمائیں۔ اگر آپ یہ کہیں کہ یہ قبائل بے حد جاہل اور متعصب ہیں تو میں عرض کروں گا کہ جب ان لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا تو وہ آج سے بہت زیادہ جاہل، جنگجو اور وحشی تھے۔ آج تو اُن میں میٹرک اور بی۔ اے پاس تک مل جاتے ہیں۔ اور اس زمانے میں اُن کی زبان میں تعلیم کا لفظ تک موجود نہ تھا۔ مذہب ایک عزیز ترین تعصب اور ہٹ کا نام ہے۔ جسے چھوڑنا گوشت سے ناخن کو جدا کرنا ہے۔ مذہب بدلنے سے پہلے دل و دماغ میں خوفناک زلزلے آتے ہیں اور کان پھٹتے ہیں۔ تمام ماحول میں تذبذب کا دھواں چھا جاتا ہے۔ پھر فکر کے افق سے ایک نئی کرن پھوٹتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ تمام مطلع پہ پھیل جاتی ہے۔ تیتلیاں ناچنے لگتی ہیں۔ ظلمتیں بھاگ نکلتی ہیں۔ اور دل و دماغ میں نور و سُرور کی اک نئی دنیا آباد ہو جاتی ہے۔ اور اس کیفیت کا نام ہے تبدیلِ مذہب۔ یہ تبدیلی فکری انقلاب کا نتیجہ ہوتی ہے۔ نہ کہ تلوار یا ڈانگ چلانے کا۔ جو لوگ اسلام کو ایک ذہنی زلزلہ اور ایک فکری نشتر نہیں سمجھتے بلکہ اُسے ڈانگ ماروں کی دھاندلی قرار دیتے ہیں۔ وہ فلسفۂ مذہب سے قطعاً ناآشنا ہیں۔

اے ساکنانِ گیتی!

رسولِ عربی دنیائے انسانیت کے اتنے بڑے محسن ہیں کہ آپ ان کے احسانات کا شکریہ قیامت تک ادا نہیں کر سکتے۔

گر بہ ہر موئے زبانے بشود!
شکرِ یک نعمت بگوئی از ہزار (سعدیؒ)

(۱) آپ کی آمد سے پہلے تم لوگ ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔ ایک دوسرے کے انبیاء و صحائف پر کیچڑ اُچھال رہے تھے۔ آپ نے تمام انبیاء و صحائف کی تصدیق فرما کر تمہارے اختلافات کو ختم کیا۔

(۲) تمہاری کتابوں کی زبانیں مر چکی تھیں۔ آپ نے ان تمام کتابوں کی شریعت کو ایک ایسی زندہ و محکم زبان میں دوبارہ پیش کر دیا۔ جس کو بولنے والے گیارہ کروڑ اور سمجھنے والے پندرہ کروڑ سے زیادہ ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں اب تک کوئی خاص بگاڑ راہ نہیں پا سکا۔ اگر ایک مولوی کوئی خود ساختہ اصول پیش کرے، تو اس کی تردید میں پندرہ کروڑ سے زیادہ آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ جعلی احادیث کی راہ سے بعض غلط تصورات اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔ لیکن ہمارے صحیح الخیال علماء کی بہت بڑی تعداد ان کی بیخ کنی میں مصروف ہے۔ اور دیر سویر ان خرافات کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔ اور دوسری طرف پنڈتوں اور پادریوں نے تمہارے مذاہب کا وہ ستیاناس کیا ہے کہ تمہارے عقائد اور تمہارے صحائف میں دور کا تعلق بھی باقی نہیں رہا۔ اور پھر زیادہ قابلِ افسوس حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ہاں صحیح الفکر نقادوں کی کمی ہے۔ جو اُٹھتا ہے اوہام و اباطیل کی عمارات کو اور استوار کر جاتا ہے۔ آریہ سماج اور پروٹسٹنٹ گروہ سے کچھ اُمیدیں وابستہ تھیں۔ لیکن پنڈت لیکھرام اور لوتھر کے بعد یہ میدان بھی خالی ہو گیا۔ اور اب پادری اور پنڈت کا اُلجھا ہوا دماغ الہام کی وہ دُوہ تفاسیر پیش کر رہا ہے۔ "تثلیث، کفارہ، عبادتِ اشجار اور دیگر خرافات پر فصاحت کے وہ دریا بہا رہا ہے کہ انسانیت سر پیٹ

رہتا ہے۔

(۳) تم ہر نبی کو ایک نئے مذہب کا بانی سمجھ بیٹھے تھے۔ تم حضرت کرشن اور حضرت مسیح کے ان ارشادات کو بھول چکے تھے کہ ہم کوئی نیا مذہب لے کر نہیں آئے۔ بلکہ مذہب ازل سے ایک ہے اور ہم اسی کی تجدید کے لیے مبعوث ہوئے ہیں۔ نتیجۃً تم ایک دوسرے کو کافر و مردود سمجھتے تھے رسولِ عربیؐ نے انبیاء سابقہ کے اس اعلان کو پھر دہرایا یا اعلان فرمایا کہ اے انسانو! مذہب ایک حقیقت ہے۔ حقیقت ہر زمانے میں ایک رہتی ہے۔ تم ایک ملّت اور ایک گھرانا ہو۔ تمہارا مذہب ایک تھا، ایک ہے اور ایک رہیگا۔ اسلئے ایک دوسرے سے مت الجھو۔

(۴) تم نے جزائے اعمال کو چند عقاید سے باندھ رکھا تھا۔ اور کہتے تھے کہ فلاں عقیدہ کے بغیر اعمال ضائع ہو جاتے ہیں رسولِ عربیؐ نے پوری طاقت کے ساتھ اعلان فرمایا کہ اعمال ضائع نہیں ہوتے اور بلا لحاظ مذہب ہر بندہ اعمال انسان اپنے اعمال کا صلہ پاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔ (اللہ کسی انسان پر قطعاً ظلم نہیں کرتا)

(۵) تم ایک دوسرے کی کتابوں کو غلط سلط اور محرف قرار دے رہے تھے۔ رسولِ عربیؐ نے نہ صرف ان کی صداقت کا اعلان کیا بلکہ حاملینِ قرآن کو انکا محافظ بنا دیا۔ (وَمُھَیْمِنًا عَلَیْہِ)

میں بصد ندامت اعتراف کرتا ہوں کہ ہمارا مولوی قرآن کی بلند سیاست کو سمجھ نہ سکا اور اس نے صائفِ اولیٰ پر بے پناہ بمباری کی لیکن مولوی کی لیڈری کا زمانہ اب ختم ہو چکا ہے۔ اسوقت ایسے لوگ مذہب کے

میدان میں آ رہے ہیں۔ جن کی ٹکر راسخ جہانِ کہن کو پیامِ مرگ دے رہی ہے۔ اور ایک ایسے دور کی بنیاد ڈال رہی ہے۔ جس کا نظام ہو گا ہمہ گیر محبّت اور جہانگیر اُخوّت۔

۴) حضورؐ سے پہلے عوام سلاطین کی خدمت کے لیے وقف تھے۔ آپؐ نے بتایا کہ سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔ امیرِ قوم کا کام خدمتِ قوم ہے۔ عرب کے گرد و نواح میں دو بڑی بڑی سلطنتیں تھیں۔ یعنی سلطنتِ قیصر اور حکومتِ کسریٰ۔ ان کے بادشاہ نہایت ظالم اور عیاش تھے۔ یہ لوگ سلطنت کی آمدنی ذاتی عیش و آرام پر برباد کر رہے تھے۔ انہوں نے کروڑوں انسانوں کو غلام بنا رکھا تھا۔ یہ بڑے بڑے محلات میں رہ کر عیش و مستی کی داد دے رہے تھے۔ لیکن دوسری طرف حضور علیہ السلام نے ساری زندگی کھدر کے صرف ایک جوڑے میں گذار دی۔ تین تین ماہ تک اُن کے چولہے میں آگ نہیں جلتی تھی۔ سات سات دن تک پیٹ پہ پتھر باندھے پھرتے تھے۔ جب خیبر کے چالیس قلعے فتح ہوئے اور حضورؐ شہر میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے، تو جانتے ہو کہ وہ کس رنگ میں داخل ہوئے تھے۔ ایک گدھے کی برہنہ پیٹھ پر سوار تھے اور گدھے کے گلے میں رسّی کی جگہ کھجور کے پتّے باندھ رکھے تھے۔ آپؐ کا روزانہ معمول یہ تھا کہ صبح کے نو بجے تک محوِ عبادت رہتے۔ پھر گھر جاتے وہاں چھوٹے چھوٹے کام کرتے مثلاً چارپائی اور جوتے کی مرمّت، جھاڑو پھیرنا اور کبھی کبھی اپنے کپڑے دھونا۔ ایک بجے پھر مسجد میں تشریف لے آتے۔ ظہر و عصر کے درمیان عدالت کرتے۔ انتظامی امور کی طرف توجہ دیتے۔ گورنروں کی بھیجی ہوئی رپورٹیں سُنتے۔ بیت المال کے حسابات مکمل کراتے۔ نئی مہمات کے

لیے فوج، راشن اور اسلحہ کا بندوبست کرتے۔ رات کو ایک بجے تک
بیدار رہتے۔ اور پھر دو گھنٹے آرام فرماتے۔ آپؐ کے جانشینوں کی یہ
کیفیت تھی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ (خلیفۂ اوّل) کو چھوٹی چھوٹی بچیاں گلی
میں گھیر لیتیں اور کہتیں۔ ہمارے اچھے ابا، آؤ ہماری بکریوں کا دودھ دوہ
جاؤ یا میری گڑیا کی شادی میں شمولیت کرو اور آپ ان چھوٹی چھوٹی التجاؤں
کو منظور فرماتے خلیفۂ دوم کی یہ حالت تھی کہ مدینہ کی دو دو میل نادار بیواؤں
کے گھر میں سحر کو جاتے۔ ان کے گھروں میں جھاڑو پھیرتے اور ان کے
گھڑوں میں پانی بھر آتے۔ جب ایک بستی میں ایک عورت کو دیکھا کہ خالی
پانی ہنڈیا میں ڈال کر بھوکے بچے کو بہلا رہی ہے، تو بیت المال سے
دو من راشن نکلوایا اور اپنی پیٹھ پر اٹھا کر سات میل تک اس کے گھر میں
پہنچا آئے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی کوئی فریاد لے کر آیا تو دیکھا کہ آپ ایک
زیرِ تعمیر مکان کے سائے میں زمین پر سو رہے ہیں اور ٹانگیں گارے سے
لتھڑی ہوئی ہیں۔ ایک رات آپ پہرہ دے رہے تھے کہ ایک خیمہ
سے کراہنے کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ ایک مسافر بدو کی عورت
دردِ زہ میں مبتلا ہے۔ فوراً گھر میں آئے۔ تھوڑا سا آٹا، کچھ کھجوریں اور
بیگم کو ساتھ لے کر خیمہ میں جا پہنچے۔ بیگم نے دایہ کے فرائض ادا کئے۔ اور
جب بچہ پیدا ہوا تو بیگم نے آواز دی "اے امیرالمومنین! اپنے دوست
کو بیٹے کی ولادت پر مبارک دیجئے"۔ امیرالمومنین کا لفظ سن کر بدو
دہشت زدہ ہو گیا اور لگا معذرت کرنے۔ آپؓ نے اُسے اطمینان
دلایا اور فرمایا کہ امیر کا فرض ہی خدمت کرنا ہے مت سمجھو لیے کہ قیصر و
کسریٰ کو تباہ کرنے والے یہی عمرؓ تھے اور ان کی سلطنت [illegible]

تک اور نئے سے بحیرۂ خضر کے شمالی ساحل تک پچیس لاکھ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ خلیفہ سوم اور چہارم عموماً فرشِ خاک پہ آرام فرمایا کرتے تھے اور بعد کے ایک خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؓ کی یہ کیفیت تھی کہ ایک رات چراغ کی روشنی میں سرکاری کام کر رہے تھے۔ کہ کوئی شخص ملنے آگیا۔ آپ نے چراغ بجھا دیا اور پوچھنے پر فرمایا کہ میں ذاتی ملاقات پر سرکاری تیل جلانا بد دیانتی سمجھتا ہوں۔ ان تفاصیل کا ماحصل یہ ہے۔ کہ حضور علیہ السلام نے سلطنت کو نیا تخیل پیش کیا۔ یعنی امیر قوم کو خادمِ قوم بنا ڈالا۔

(۷) حضورؐ کے زمانے میں تین بڑے بڑے مذہب تھے۔ عیسائیت، ہندو دھرم اور بدھ مت تینوں مادیت کے دشمن تھے۔ ان کے مذہبی رہنما نکاح تک سے گریزاں تھے۔ ان کے ہاں روحانیت کا کمال نفس کشی تھا۔ یہ دنیا کی تمام نعمتوں سے نفور، چلہ کشی، استغراق سنیاس اور خشک رہبانیت کے شیدائی تھے۔ حضورؐ نے اس سلسلہ میں یہ انقلاب انگیز اعلان کیا کہ مذہب دین و دنیا اور روح و جسم ہر دو کی بہتری کا نام ہے۔ جسم کو کچلنے اور خدائی نعمتوں سے بھاگنے والا خدا کو ہرگز پسند نہیں۔ آخر اللہ نے دنیا میں بے شمار قسم کے پھل اور غذائیں کس لیے پیدا کیں۔ ہوائیں کس کے لیے چلائیں۔ چشمے کس کے لیے جاری کیے اور سطح زمین کو حسین پھولوں سے کس کی خاطر آراستہ کیا۔ صرف انسان کے لیے۔ اگر انسان ان چیزوں سے منہ موڑ لے تو پھر ان تمام لذائذ و نعم سے کون متمتع ہوگا۔ حقیقتاً روح و جسم میں آشتی ابنِ آدم پر حضورؐ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ ورنہ اگر ان پنڈتوں اور پادریوں کا داؤ چل جاتا تو انسان بھیڑیوں اور

دیکھوں کسمپرسو جنگلوں میں زندگی گذار رہا ہوتا اور یا منہ پر راکھ مل کر
غاروں میں اُلوؤں کی طرح ہُو ہُو کے نعرے لگا رہا ہوتا۔

(۸) حضورؐ کی بعثت سے پہلے توحید کا تصور تک دُنیا سے مٹ چکا تھا۔
انسان نے لاکھوں خدا تراش رکھے تھے۔ پونچھوں والے، مہیب جبڑوں
والے دس دس سروں والے، جن کے گلے میں انسانی کھوپڑیوں کے ہار
ہوا کرتے تھے۔ انسان کا ذہن ان عجیب وغریب خداؤں کے ہجوم میں
معطل ہو چکا تھا اور اس کے دل ودماغ پر بیم وہراس کی گھٹائیں
چھائی ہوئی تھیں۔ آپ نے اعلان فرمایا کہ خدا ایک ہے۔ یہ
وہ مہیب للکار تھی جس سے بتکدوں میں زلزلہ آگیا۔ آتش کدے بجھ
گئے۔ اور صنم منہ کے بل گر کر اللہ احد کا ورد کرنے لگے۔ آج اگر سر
زمین ہند میں بابا نانک اور سوامی دیانند کے پیرو توحید کا پرچار کر
رہے ہیں۔ تو یقین جانئے کہ یہ سب کچھ اسی پیغام کی صدائے بازگشت
ہے جو حاملین قرآن نے ساکنانِ گیتی کو دیا تھا۔ ایک نسل انسان کو لاکھوں
خداؤں کی غلامی سے چھڑانا رسولِ عربیؐ کا بہت بڑا کارنامہ ہے اس
میں کلام نہیں کہ ہر الہامی صحیفہ نے توحید ہی کا درس دیا تھا۔ لیکن
دنیا اس درس کو بھول چکی تھی اور خدا کے بغیر دیگر معبودوں کی
پرستش میں گرفتار تھی۔

(۹) رسولِ عربیؐ کا ایک اور احسان یہ تھا کہ آپ نے مطالعۂ قدرت
کا درس دیا اور تسخیر مہ وانجم کی ہدایات نافذ کیں۔ اس اجمال کی
تفصیل میری کتاب "دو قرآن" میں دیکھئے۔

(۱۰) حضورؐ کے فیضِ تعلیم سے اسلام میں حکماء وفلاسفہ کا ایک ایسا گروہ پیدا ہوا

جس نے انسانی تہذیب میں چار چاند لگا دیئے۔ رفتارِ فکر کو تیز کر دیا اور اُس روشن دور کی بنیاد ڈال دی، جس کے جلوے آج آپ کے سامنے ہیں۔ آج کا یورپ ہمارے فارابی، الکندی، بوعلی سینا، ابن رشد، الغزالی، الجاحظ، رُومی اور الرازی کے بارِ احسانات کے نیچے دبا ہوا ہے۔ علومِ جدیدہ اور تہذیبِ حاضرہ کی جو عظیم الشان عمارت آپ دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بانیانِ اوّل یہی لوگ تھے۔

تو یہ ہیں وہ چند احسانات جو رسولِ عربی صلعم نے نسلِ انسانی پر کیے تھے میں فرطِ عقیدت میں کوئی بڑ نہیں ہانک رہا۔ بلکہ ٹھوس حقائق پیش کر رہا ہوں جن سے وہی شخص انکار کر سکتا ہے۔ جو تاریخِ عالم سے بالکل بے بہرہ اور حقائق کو پادری اور پنڈت کی آنکھ سے دیکھنے کا خوگر ہو چکا ہو۔

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم
چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

اے ابنائے آدم! تم نپولین اور سکندرِ اعظم کی عظمت کے گن گاتے ہو حالانکہ اُن کے پاس صرف تلوار تھی۔ وہ نہ کسی فلسفہ کے حامل تھے اور نہ کسی طاقتور تہذیب کے پیامبر رساں۔ ان کا کام ممالک کو فتح کرنا اور ہر روز ہزارہا انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنا تھا۔ تم حافظ، برادننگ اور قاآنی کے اشعار جھوم جھوم کر پڑھتے ہو، اور جی کھول کر داد دیتے ہو۔ تم تاج محل کے معمار کے سامنے سجدہ تک کرنے کے لیے تیار ہو۔ لیکن جس بے برگ و بے نوا یتیم نے عرب کے صد ہا خونخوار اور وحشی قبائل کو انسان بنایا، چرواہوں کو اورنگِ جہانبانی پر جا بٹھایا، جواریوں اور شرابیوں کو ساقیٔ مئے وحدت کر دیا، اکھڑ جاہلوں کو معلمِ حکمت و دانش بنا ڈالا اور تمام نسلِ انسانی کو اس کا بھولا ہوا پیغام

اور سیر نو عطا کیا تم اس انسانِ عظیم کی عظمت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں
کیوں؟ اس لیے کہ پنڈت جی کی آگیا یہی ہے۔ بھلا نہ ہو تعصب کا۔ یہ وہ
ظلمت ہے جو تجلیاتِ حقیقت کے سامنے آڑ بن کر کھڑی ہو جاتی ہے۔
اور انسان کو آفتاب بھی ایک سیاہ گیند نظر آتا ہے۔

تم جہاں بھر کے لچر افسانے پڑھتے ہو۔ جنّ دیو کی کہانیوں۔ جاسوسی۔
ناولوں اور کوک شاستر تک کا مطالعہ کرتے ہو۔ لیکن قرآن، انجیل یا گیتا کو
چھونا گناہ سمجھتے ہو۔ کیا تمہیں کبھی خیال نہیں آیا کہ جن کتابوں نے اس قدر مہیب
انقلابات برپا کئے۔ کروڑوں انسانوں کی ذہنیتوں کو بدل ڈالا۔ لٹیروں
اور ڈاکوؤں کو شہنشاہانِ روم و ایران کے تخت پہ جا بٹھایا۔ گڈریوں کو
پاسبانِ عالم بنا دیا۔ جاہلوں کو علم و دانش اور تہذیب و تمدن کی امامت
عطا کر دی۔ اُن میں بقا و استحکام کے کیسے کیسے گوہر ہوں گے۔ یہ
عذر لنگ ناقابلِ سماعت ہے۔ کہ ان کتابوں کی جو تفسیر پادری، پنڈت
اور مولوی پیش کرتے ہیں۔ اُسے ذہنِ سلیم کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مجھے آپ
سے اتفاق ہے کہ مذہب سے موجودہ بیزاری کی ذمہ داری سو فیصدی ملا و برہمن
پہ عائد ہوتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر تم انگریزی علوم و فنون میں مہارت
پیدا کر سکتے ہو۔ اگر تم ہواؤں اور فضاؤں کو مسخر کر سکتے ہیں۔ اگر تم ایک غیر
مرئی ذرّے میں منفی و مثبت بجلی دیکھ سکتے ہو۔ اگر تم سبزیوں اور پھلوں میں حیاتین
و دیٹا من کا مشاہدہ کر سکتے ہو۔ اگر تم مریخ اور چاند کے پہاڑوں، صحراؤں
اور دریاؤں کے فوٹو اتار سکتے ہو۔ تو تم یقیناً عربی یا سنسکرت میں کمال
حاصل کر کے اپنی مقدس کتابوں کی دلنواز تفاسیر بھی پیش کر سکتے ہو۔ لیکن
اسکا کیا علاج کہ تم مذہب کی طرف توجہ نہیں دیتے اور اگر اس طرف کا رخ

گرہی بیٹھو تو اپنے خوفناک برہمن اور مُلّا سے ٹکرانے کی ہمت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ کسی صحیح المسلک اور سلیم الذہن انسان کو مذہب کے قریب نہیں آنے دیتے مبادا کہ وہ مذہب کے صحیح خدوخال دیکھ لے اور ان کے اوہام و خرافات کا تار و پود بکھیر کر رکھ دے۔ اگر کوئی شخص کسی الہامی ہدایت کو اصلی رنگ میں پیش کر بیٹھے تو سب سے پہلے اسے تفسیر بالرائے کا ملزم بنایا جاتا ہے۔ پھر ملک بھر میں اس کے الحاد کا چرچا کیا جاتا ہے اور وہ طوفان اٹھایا جاتا ہے کہ ساری قوم کی توجہ اس طوفان میں جذب ہو جاتی ہے اور اُس مفکر کی آواز صدا بہ صحرا بن کر رہ جاتی ہے۔ برہمن ہزارہا برس سے گنجِ الہام پر سانپ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ کسی کو قریب تک پھٹکنے نہیں دیتا۔ حضرت مسیحؑ نے انہیں سانپ اور سانپ کا بچہ کہا تھا۔ (متی ۲۳/۳۳) وقت آ گیا ہے کہ ہم مظلومِ الہام کو ان زہریلے پاسبانوں سے آزاد کرائیں۔ اور انسان کی امانت انسان کے حوالے کریں ؎

خالی ہے کلیموں سے یہ کوہ و کمر ورنہ
تو شعلۂ سینائی، میں شعلۂ سینائی (اقبالؔ)

رسولِ عربیؐ کے متعلق بشارات

الہامی کلام میں بڑی لچک ہوتی ہے اور ہر آیت کی کئی تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ یہ لچک اُن بشارات میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ جو بعض انبیا کے ظہور کے متعلق صحائفِ اولیٰ میں ملتی ہیں۔ ممکن ہے کہ اُن بشارات کا مفہوم وہ نہ ہو جو میں پیش کر رہا ہوں۔ لیکن اس وقت تک رسولِ عربیؐ کے بغیر ہمیں کوئی اور ایسا رسول نظر نہیں آیا جس پہ یہ بشارات ہر طرح پوری اترتی ہوں۔

پہلی بشارت: ہندوؤں کی ایک مقدس کتاب کلکی پران کے بارھویں باب میں درج ہے

"جگت گرو وشنو بھگت اور سومتی سے پیدا ہوگا۔ اس کی پیدائش ۱۲ ربیع الاول، پیر کے دن سورج نکلنے سے دو گھڑی بعد ہوگی۔ اس کا والد اس کی پیدائش سے پہلے فوت ہو جائے گا۔ اور بعد میں ماتا بھی فوت ہو جائے گی جگت گرو کی شادی سلسل دیپ کی شہزادی سے ہوگی۔ شادی کے موقعہ پر اس کے چچا اور تین بھائی موجود ہوں گے۔ ایک غار میں پرس رام اُسے تعلیم دے گا۔ اور جس وقت سلسل دیپ سے سمبالا میں آئے گا، تو وہ تبلیغ شروع کرے گا جس پر اُس کے رشتہ دار ناراض ہو جائیں گے۔ مصائب سے تنگ آکر وہ شمال پہاڑوں میں بھاگ جائے گا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ اسی شہر (سمبالا) میں تلوار لے کر آئے گا۔ اور سارا ملک فتح کرے گا۔ جگت گرو کے پاس ایک گھوڑا ہوگا۔ جس پر سوار ہو کر وہ زمین اور سات آسمانوں کی سیر کرے گا۔

اس بشارت کو سمجھنے کے لیے خط کشیدہ الفاظ و فقرات کی تشریح ضروری ہے۔

(۱) جگت گرو۔ جگت = دنیا، گرو = اُستاد۔ یعنی دنیا کا اُستاد
ظاہر ہے کہ حضورؐ تمام کائنات کے لیے ہادی و معلم بنا کر بھیجے گئے تھے۔

(۲) وشنو بھگت۔ وشنو = اللہ، بھگت = بندہ، عبد، یعنی عبداللہ حضورؐ کے والدِ بزرگوار کا نام تھا۔

(۳) سومتی۔ سو = امن، اطمینان، متی = دل۔ یعنی وہ دل جس میں امن و اطمینان ہو اور یہ ترجمہ ہے۔ لفظ آمنہ کا۔ جو آپؐ کی والدہ محترمہ کا نام تھا۔

(۴) سلمل دیپ ۔ ہندو پرانوں میں دُنیا کو چھ دیپوں (حصوں) میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے ناموں اور تعیین حدود میں اس قدر اختلاف پایا جاتا ہے کہ ان چھ دیپوں کی چھ مختلف فہرستیں تیار ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ایک فہرست یہ ہے۔

(۱) جنو دیپ ۔ ہندوستان۔ تبت ۔ برما وغیرہ
(۲) شاک دیپ ۔ یورپ
(۳) شالکی دیپ ۔ روس اور چین
(۴) کرد پنج دیپ ۔ بلوچستان اور افغانستان
(۵) کش دیپ ۔ افریقہ
(۶) سلمل دیپ ۔ ایشیائے صغیر و عرب

(۵) پرس رام ۔ رام ۔ خدا، پرس ۔ بلندی اور کلہاڑی
جبرئیلؑ کی بلندی تو ظاہر ہے اور کلہاڑی ان معنوں میں کہ جبرئیل ایسا پیغام لے کر آتا ہے جس کا لازمی نتیجہ بدکاروں کا استیصال ہوتا ہے بدیگر الفاظ جبرئیل اللہ کی تلوار یا تبر ہوتا ہے۔

(۶) شادی ۔ آپؐ کی شادی عرب کی ایک دولتمند خاتون (شہزادی) خدیجہؓ سے ہوئی تھی جس میں آپؐ کے چچا ابو طالب اور تین بھائی (چچا زاد) یعنی علیؓ، عقیلؓ اور جعفرؓ شامل ہوئے تھے۔

(۷) سمبالا ۔ اس لفظ کا صحیح مفہوم معلوم نہیں۔ لیکن تصریحاتِ بالا کی روشنی میں اس سے مراد مکہ ہی ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے غارِ حرا سے نکل کر اسی شہر میں تبلیغ شروع کی تھی۔

(۸) غار ۔ غارِ حرا ۔ جہاں پہلی مرتبہ جبرئیلؑ آئے تھے اور آپؐ کو کہا تھا۔ اِقْرَأ (پڑھ)

(۹) شمالی پہاڑیاں: مدینہ مکّہ سے شمال کی جانب اندازاً سو اور سو میل دور واقع ہے۔ اس کے جنوب میں پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ثنیات الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ آپؐ مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ چلے گئے تھے۔

(۱۰) تلوار لے کر آنا: پھر حضورؐ مدینہ سے مکّہ میں تلوار لے کر آئے تھے۔

(۱۱) سارا ملک فتح ہونا: حضورؐ نے اپنی زندگی میں سارا جزیرہ نمائے عرب فتح کر لیا تھا۔

(۱۲) گھوڑا: غالباً واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۳) ۱۲ بیساکھ سوموار کے دن } بکرمی سمت میں بیساکھ بہار کا مہینہ ہے۔ عربی زبان میں بہار کو ربیع کہتے ہیں۔ حضورؐ کی پیدائش ۱۲ ربیع الاوّل (عام الفیل) کو سوموار کے دن ہوئی تھی۔

(۱۴) والد اور والدہ کا انتقال } حضورؐ کے والد کا انتقال آپ کی ولادت سے چند ماہ پہلے ہو چکا تھا۔ اور جب آپؐ نے زندگی کے چھٹے برس میں قدم رکھا تو والدہ بھی فوت ہو گئیں۔

یہ بشارت ان تمام جزئیات کے ساتھ محمد عربی صلعم کے بغیر کسی اور جگت گرو پر صادق نہیں آتی۔

دوسری بشارت: اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی بھیجے گا۔" (استثنا ۱۸/۱۵)

حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل سے تھے اور محمد صلعم بنی اسماعیل سے جو بنی اسرائیل کے بھائی تھے۔ تاریخ شاہد ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے حضور کے بغیر کوئی نبی نہیں آیا۔ اس بشارت کی مزید تشریح یسعیاہ

کی کتاب میں یوں ملتی ہے۔

"قیدار کی ساری بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ اور نبیط کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے۔" (یسعیاہ ۶۰:۷)

"تیری خدمت" سے مراد "خداوند کے جلال کا طلوع" (نبوت) ہے (یسعیاہ ۶۰:۱)

حضرت اسماعیل عرب میں سکونت پذیر ہو گئے تھے۔

"خداوند اس لڑکے (اسماعیل) کے ساتھ تھا۔ وہ بڑھا۔ بیابان میں رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا۔ وہ فاران کے بیابان میں رہا (پیدائش ۲۱:۲۰-۲۱)

اور آپ کے بارہ بیٹے تھے۔ پہلا نبیط اور دوسرا قیدار (قیدار) (پیدائش ۲۵:۱۳)

ان کی اولاد (بھیڑیں اور مینڈھے) صرف ایک مرتبہ "خداوند کی خدمت" میں حاضر ہوئی۔ یعنی جب ان میں حضورؐ مبعوث ہوئے۔"

تیسری بشارت: جب حضور علیہ السلام مکہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو آپ کے ہمراہ پورے دس ہزار صحابہؓ تھے۔ اس واقعہ کی طرف حضرت سلیمان علیہ السلام یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

"میرا محبوب سرخ و سفید ہے۔ وہ دس ہزار آدمیوں کے درمیان جھنڈے کی طرح کھڑا ہے۔ . . . . . وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا یہ میرا جانی ہے۔" (غزل الغزلات ۵:۱۰-۱۶) عبرانی بائبل میں آخری فقرات یوں ہیں۔

"خلو محمدیم زہ ددی و زہ ریعی بنوت یروشلم"

(وہ محمد ہے یہ میرا پیارا اور جانی ہے۔ اے دختران یروشلم)

مترجمین نے "محمدیم" کا ترجمہ "عشق انگیز" کر دیا ہے، یہ حقیقت محتاج

تشریح نہیں کہ جس عشق انگیز ہستی کے ساتھ ۔ ہزار کروڑی تھے وہ رسولِ عربی صلعم کے بغیر کوئی اور نہ تھا۔ اس حقیقت کی مزید تفصیل حضرت موسیٰؑ کی اس بشارت میں ملاحظہ فرمایئے۔

"خداوند سینا سے آیا شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ اور فاران کے پہاڑ سے جلوہ گر ہوا۔ وہ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت تھی۔" (استثنا ۳۳:۲)

"شعیر" ایک مقام ہے یروشلم کے قریب۔ اس میں ظہورِ مسیحؑ کی طرف اشارہ ہے۔ اور فاران مکہ کا پہاڑ ہے۔ حضرت موسیٰؑ ظہورِ مسیحؑ کے بعد ایک ایسے رسول کی خبر دے رہے ہیں۔ جو کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوگا۔ اور جس کے ہمراہ دس ہزار قدوسی ہوں گے۔ دنیا بھر کی تاریخ چھان ڈالیے آپ کو محمدؐ کے بغیر کوئی اور ایسا نبی قطعاً نہیں ملے گا۔ جو کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا ہو اور جس کے ہمراہ دس ہزار قدوسی ہوں۔ تاریخ چیخ چیخ کر اعلان کر رہی ہے کہ کوہِ فاران سے صرف ایک ہی نبی جلوہ گر ہوا تھا۔ اور وہ تھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر کوئی اور بھی تھا، تو اس کا نام بتایئے۔

چوتھی بشارت: حضرت حبقوقؑ ایک ایسے رسول کی خبر دیتے ہیں۔

۱۔ جو کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوگا۔

۲۔ جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دے گی۔

۳۔ جس سے زمین کانپ اٹھے گی۔

۴۔ جو قوموں کو پراگندہ اور قدیم پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دے گا۔

۵۔ اور جس سے مدائن (کسریٰ کا پایۂ تخت) کی دیواریں ہل جائیں گی۔

"وہ جو قدوس ہے۔ کوہِ فاران سے آیا۔۔۔ اُس کی شوکت سے آسمان

چھپ گیئں، اس کی حمد سے معمور ہو گئی۔ اس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ ایک ہاتھ سے کرنیں نکلیں ..... وہ کھڑا ہوا اور اس نے زمین کو لرزا دیا۔ اسنے نگاہ کی اور قوموں کو پراگندہ کر دیا۔ قدیم پہاڑ ریزہ ریزہ ہو گئے۔ پرانی پہاڑیاں اس کے آگے دھنس گئیں ..... اور زمین مدائن کے پردے کانپ جاتے تھے۔" (حبقوق کی کتاب ۳ باب)

اگر حضورؐ کے بغیر ان اوصاف کا کوئی اور نبی ذکر جس نے قدیم اقوام کو پراگندہ کر دیا ہو۔ اور جس کی سطوت سے مدائن کی دیواریں ہل گئی ہوں) کوہِ فاران سے کبھی جلوہ گر ہوا ہے، تو اس کا نام لیجئے۔

پانچویں بشارت: آنحضرتؐ نے جب حجۃ الوداع کے موقعہ پر آخری خطبہ ارشاد فرمایا تھا تو میدان عرفات میں، حاجیوں کی تعداد ایک لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ حضرت یوحنّا اپنے مکاشفہ میں اس واقعہ کی طرف یوں اشارہ فرماتے ہیں۔

"پھر میں نے نگاہ کی، تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برہ صیہون کے پہاڑ پر کھڑا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں"۔ ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں" (مکاشفہ ۱۴ باب)

میدان عرفات کے ارد گرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بھی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بھی وادی مکہ (بکہ) سے گذرنے والے کی خبر دی تھی۔

"مبارک ہے وہ انسان جس کی قوت تجھ سے ہے۔ ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وہ بکہ[۱] کی وادی سے گذرتے ہوئے وہاں ایک کنواں بناتے ہیں۔ پہلی برسات اسے برکتوں سے ڈھانپ لیتی ہے"

---

(۱) قرآن شریف میں مکہ کو بکہ بھی کہا گیا ہے۔

وہ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ
خدا کے آگے صیہون میں حاضر ہوتے ہیں۔ (زبور ۸۴/۵-۷)

چھٹی بشارت: ممکن ہے کہ آیاتِ ذیل میں واقعہ حرا کی طرف اشارہ ہو۔

"اور وہ کتاب ایک ان پڑھ کو دے کر کہیں کہ پڑھ اور وہ کہے کہ
میں تو پڑھنا نہیں جانتا۔"

غارِ حرا میں جبرئیل نے حضورؐ سے کہا تھا: اِقْرَاْ (پڑھ) آپؐ نے گھبرا کر
فرمایا: مَا اَنَا بِقَارِیٍٔ (میں پڑھنا نہیں جانتا) یہ واقعہ تمام کتب احادیث
میں بالتفصیل مذکور ہے۔

ساتویں بشارت: حضرت یسعیاہ ایک نبی کی آمد کا یوں اعلان فرماتے ہیں:

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا جی
راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی۔ وہ قوموں کے درمیان عدالت
کرائے گا ..... اس کا زوال نہ ہوگا۔ اور نہ مسلا جائے گا جب تک
راستی کو زمین پر قائم نہ کرے ..... خداوند نے تجھے
صداقت کے لیے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا۔ اور تیری حفاظت کروں گا۔
خداوند کے لیے ایک نیا گیت گاؤ۔
....
...... بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز
بلند کریں گے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں
پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں گے ..... (یسعیاہ ۴۲/۱-۱۲)

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قیدار حضرت اسماعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا اور
تمام عرب نبط و قیدار کی اولاد ہیں۔ سلع مدینہ میں ایک ٹیلے کا نام ہے مشہور
مورخ طبری ابن اسحاق کی روایت سے جنگِ خندق کے سلسلے میں

لکھتا ہے۔ حَتّٰی جَعَلُوْا ظُهُوْرَهُمْ اِلٰی سلع

(ان کی پشت سلع کی طرف تھی۔)

یہاں سلع سے مراد مدینہ ہے۔ اہلِ مدینہ نے حضورؐ کی آمد پر بے پناہ مسرت کا مظاہرہ کیا تھا اور استقبالیہ گیت گائے تھے۔ (وہ سلع کے بسنے والے گیت گائیں گے!) ایک گیت یہ ہے:۔

اَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا   مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

(دیکھو! مدینہ کی پہاڑیوں سے چودھویں کا چاند برآمد ہوا)

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا   مَا دَعَیٰ لِلّٰهِ دَاعٍ

(اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر اس وقت تک ادا کرتے رہو جب تک اللہ والے اللہ کی طرف بلاتے رہیں۔)

اَیُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا   جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

(اے ہمارے رسولؐ! تو ہماری طرف ایک ایسی شریعت لے کر آیا جس کی تعمیل ہم پر فرض ہے۔)

حضورؐ کفار کے مظالم سے تنگ آ کر مکہ چھوڑا تھا۔ آپؐ کا استقبال نہ صرف اہلِ مدینہ نے کیا۔ بلکہ مدینہ سے دور چند دیگر بستیوں نے بھی آپؐ کی پذیرائی میں حصہ لیا تھا۔

"اے تیما کی سرزمین کے باشندو! روٹی لے کر بھاگنے والوں کے ملنے کو نکلو۔ کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار، کھچی ہوئی کمان اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں۔"

(یسعیاہ ۲۱/۱۵)

مدینہ سے جنوب کی طرف مکہ کی سڑک پر تبوک ایک مشہور مقام ہے۔ جس کے قریب ایک بستی کا نام تیما تھا۔

آٹھویں بشارت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپن میں مائی حلیمہؓ نے دودھ پلایا تھا اور وہ انہیں کچھ وقت کے لیے گدھے پر لاد کر طائف لے گئی تھیں۔ آپ خیبر کی بستی میں گدھے پر سوار ہو کر داخل ہوئے تھے۔ ممکن ہے کہ بشارت ذیل میں انہی واقعات کا ذکر ہو۔

"دیکھ تیرا بادشاہ تیرے پاس آتا ہے۔ وہ صادق ہے اور نجات دینا اس کے ذمہ ہے۔ وہ فروتن ہے اور گدھے بلکہ جوان گدھے اور لاگدھی کے بچے پر سوار ہے"

(زکریا ۹)

حضرت مسیح کی بشارات حضرت مسیح مسلسل کسی آنے والے کی خبریں سُناتے رہے۔

"دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔" (یوحنا ۱۴)

"جب وہ سچائی کی روح آئے گا، تو تم کو سچائی کی راہ دکھائے گا۔ وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہے گا، بلکہ جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا۔ (اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى) وہ تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا۔ اور میرا جلال ظاہر کرے گا۔" حضرت مسیح کا "جلال" جس طرح قرآن نے ظاہر کیا، ویسا انجیل بھی نہ کر سکی۔ قرآن میں حضرت مسیح کی پاکیزگی، معجزات بلند تعلیم اور شاندار کردار پر سینکڑوں آیات موجود ہیں۔

"جب ابن آدم اپنے جلال میں آئیگا اور سب فرشتے اسکے ساتھ آئیں گے تو اس وقت وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا اور سب قومیں اسکے سامنے جمع کی جائیں گی۔ وہ ایک کو دوسرے سے جدا کرے گا" (متی ۲۵)

انصاف کیجئے حضرت مسیح کے بعد وہ صاحب جلال کون تھا جس کی امداد کے لیے فرشتے نازل ہوا کرتے تھے[1] جس کا تخت پُرعظمت تھا اور جو اقوامِ عالم کی قسمتوں کے فیصلے سُنایا کرتا تھا۔

"اس وقت ابن آدم کا نشان آسمان پر دکھائی دے گا۔ اس وقت زمین

---

[1] قرآن میں مذکور ہے کہ جنگ میں حضورؐ کی امداد کے لیے فرشتے بھی نازل ہوا کرتے تھے۔

کی ساری قومیں چھاتی پیٹیں گی اور ابنِ آدم کو بڑی قدرت اور جلال کے ساتھ آسمان کے بادلوں پر آتا دیکھیں گی۔" (متی ۲۴: ۳۰-۳۱)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لیے مفید ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں، تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا" (یوحنا ۱۶: ۷)

"اور بہت ہی تھوڑی مدت باقی ہے کہ آنے والا آئے گا اور دیر نہ کرے گا۔" (عبرانیوں ۱۰: ۳۷)

"پس اے بھائیو خداوند کی آمد تک صبر کرو۔ ....

کیونکہ خداوند کی آمد قریب ہے۔" (یعقوب ۵: ۷-۸)

تو یہ تھیں حضورؐ کے متعلق چند بشارات۔ اگر یہ بشارات نہ بھی ہوتیں تب بھی محسنینِ انسانیت کی خدمات کا اعتراف کرنا فرضِ انسانیت ہے۔ ہم ملٹن، کالیداس اور بابا نانک کی عظمت کا اعتراف اسلیے تھوڑا ہی کرتے ہیں کہ ان کے متعلق کسی جوتشی کی کوئی پیشگوئی موجود تھی۔ بلکہ محض اس لیے کہ ان کی خدمات قابلِ ستائش تھیں۔ کسی کو بُرا سمجھنا اپنی چھوٹائی کا ثبوت پیش کرنا ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی عیسائی یہ کہے کہ قرآن میں عیسائیوں کو بُرا بھلا کہا گیا ہے اس لیے ہم رسولؐ کی عظمت تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ تو جواباً عرض ہے کہ صرف بُروں کو بُرا کہا گیا ہے۔ اچھوں کی تعریف کی گئی ہے۔ خود حضرت مسیحؑ نے فریسیوں کو سانپ کا بچہ، اور جہنم زادہ کہا تھا۔ انبیا کسی کا لحاظ نہیں کرتے وہ ظلمت کو ظلمت اور روشنی کو روشنی کہتے ہیں۔ اگر آج کوئی نبی آجائے تو وہ سب سے زیادہ مسلمانوں کی خبر لے گا۔ بلکہ اگر خود رسولِ عربیؐ دوبارہ تشریف لے آئیں تو وہ موجودہ مسلمانوں کو پہچان تک نہ سکیں اور غالباً سب سے پہلے مسلمان ہی ان کا انکار کریں۔

تعلیماتِ قرآن

قرآن ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کی تعمیل تمام روحانی، جسمانی اخلاقی اور سیاسی بلندیوں تک پہنچانے کی ضامن ہے۔ لیکن آج مسلمان ہر لحاظ سے پست، ضعیف اور بقا کیلئے غیروں کے دستِ نگر ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ہمارے قائدینِ فکر نے آج تک پورا قرآن قوم کے سامنے پیش ہی نہیں کیا۔ ہمارے محدثین نے "بُنِیَ الْاِسلَامُ عَلیٰ خَمسٍ (اسلام کی بنیاد صرف پانچ فرائض پر رکھی گئی ہے)" کا نعرہ لگا کر باقی سارا قرآن غائب کر دیا۔ اہلِ طریقت نے رہبانیت کو حیاتِ انسانی کی منزل بتا دیا۔ حالانکہ رہبانیت کے متعلق ایک لفظ تک قرآن میں موجود نہیں۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ (قرآن) (ان لوگوں نے رہبانیت کی بدعت خود جاری کی تھی۔ ہم نے انہیں ایسا کوئی حکم نہیں دیا تھا)

ہمارے مُلّا نے صرف دو چیزوں کو پورا اسلام سمجھ لیا یعنی صلوٰۃ و صوم اور ان کے فضائل پر اس قدر لٹریچر تصنیف کیا اور اتنے وعظ کہے کہ ساری قوم باقی سارے قرآن سے غافل ہو گئی اور کسی کو یاد ہی نہ رہا کہ اس قرآن میں قومی زندگی، تمکن فی الارض، تسخیرِ کائنات اور حصولِ قوت و عظمت کے گر بھی درج تھے۔ پھر ستم یہ کہ قاریوں، ڈھیلے، شرعی پاجامے، منڈے ہوئے سر و مونچھوں پر قرآن خوانی، جمعرات کی روٹی، حلوے اور مگر نخے تک کو ارکانِ اسلام بنا دیا

قرآن کی جو آیات دفعِ اعدا کا درس دیتی تھیں انہیں دفعِ آسیب اور اخراجِ جن کے لیے استعمال کیا۔ جن سے تسخیرِ کائنات کا سبق ملتا تھا۔ انہیں تسخیرِ محبوب کا تعویذ بنا ڈالا۔ اور جن میں بقا و دوام کی نتیجہ افروز تفاصیل درج تھیں۔ انہیں سانپ اور بچھو پکڑنے کا منتر سمجھ لیا۔ فرمایئے جس کتابِ عظیم کا حلیہ یوں بگاڑ دیا گیا ہو۔ وہ قوم کو بلند منازل تک پہنچائے تو کیونکر؟ درست کہا تھا حکیم الامت نے کہ دنیا کی مظلوم ترین کتاب قرآن ہے۔

بہ بندِ صوفی و مُلا اسیری — حیات از حکمتِ قرآں نگیری
بہ آیاتش ترا کارے جز ایں نیست — کہ از یٰسین او آساں بمیری

(اقبال)

کچھ عرصے کی بات ہے کہ ایک پادری مجھے ملنے کے لیے آیا۔ اور مذہب پہ گفتگو چل پڑی۔ جب میں نے قرآن کی عظمت پہ دو چار دلائل پیش کئے تو پادری کہنے لگا، اگر اسلام یہی ہے جو آپ پیش کر رہے ہیں تو اس کا انکار ممکن ہی نہیں اور اگر وہ ہے جو آپ کی کتابوں میں درج ہے یا جس کی تفصیل مُلا پیش کیا کرتا ہے، تو معاف فرمایئے ایسے اسلام کو کوئی صحیح الدماغ انسان ایک لمحہ کے لیے قبول نہیں کر سکتا۔ اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ آپ کی فلاں کتاب کے پیش کردہ خدا سے میں اور آپ بہتر ہیں۔ پادری کی یہ بات سُن کر مجھے محسوس ہوا کہ اسلام سے متعلق دنیا بے شمار غلط فہمیوں میں گرفتار ہے۔ جنہیں دور کرنے کی کوئی صحیح کوشش آج تک نہیں کی گئی۔ اس میں کلام نہیں کہ اُردو میں قرآن کے بیسیوں تراجم موجود ہیں۔ لیکن ان میں سے بیشتر غلط سلط اُردو میں ہیں۔ جن کے مطالعہ سے ذوقِ سلیم کو انتہائی کوفت ہوتی ہے۔ حواشی پر کچھ ایسی ناقابلِ تسلیم روایات درج ہوتی ہیں کہ طبیعت اور منغض ہو جاتی ہے۔

دانایانِ فرنگ انسان کے اس نفسیاتی رجحان سے آگاہ تھے کہ جب تک کسی مضمون کو فصیح ترین زبان میں پیش نہ کیا جائے، اُسے کوئی نہیں سُنتا۔ اور اس لیے انہوں نے بائیبل کو اس قدر بلند انگریزی میں منتقل کیا کہ پڑھنا شروع کرو، تو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ عیسائیت کے فروغ کی سب سے بڑی وجہ یہ شاندار ترجمہ ہے۔ اور دوسری طرف ہمارے مترجمین نے قرآن کو ایسی اُردو میں ڈھالا کہ دو سطریں بھی پڑھنا مصیبت بن جاتی ہے۔ ہمارے بیشتر تراجم کچھ اس قسم کی زبان میں ہیں۔

"اور ڈرو اللہ سے، جس کے نام سے مانگتے ہو آپس میں۔ اور ڈرو قرابت سے تحقیق اللہ ہے اوپر تمہارے نگہبان۔ اور مت دو بیوقوفوں کو مال ان کے، جو کی ہے اللہ نے واسطے تمہارے معیشت قائم رہنا۔"

یہ سطور ایک مشہور ترجمہ کی منقول نقل ہے۔ انہیں پڑھ کر بغیر اس کے کیا کہہ سکتے ہیں کہ

گر تو قرآن بدیں نمط خوانی
ببری رونقِ مسلمانی
(سعدیؒ)

عصرِ حاضر کے نوجوان عربی سے ناواقف اور نیم خواندہ واعظین سے متنفر تھے جب انہوں نے ان تراجم سے براہِ راست مذہبِ اسلام لینا چاہا۔ تو وہ اسلام ہی سے بدک گئے۔ اگر بیسویں صدی میں اقبال، مشرقی، آزاد، اور ان کے بعد اسلم جیراجپوری، پرویز اور چند دیگر صحیح الفکر مفسرینِ قرآن پیدا نہ ہوتے تو ہمارا نوجوان یا تو ملحد بن جاتا اور یا عیسائیت کی آغوش میں چلا جاتا۔

اس تصنیف سے میرا مقصد پورا اسلام پیش کرنا ہے۔ یعنی ان تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالنا جن کے بغیر قومی بقا اور انفرادی فلاح کی کوئی سبیل پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔

قرآن میں حیاتِ انسانی کے ہر پہلو پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں طلاق و وراثت کے مسائل بھی ہیں اور مختلف عبادات کی تفاصیل بھی، لیکن میں صرف ان احکام کو لوں گا جن کا تعلق قومی بقا اور انفرادی اصلاح سے ہے۔

ایمان

ہر مذہب کا پہلا اصول خدا، اس کے نبی یا انبیا اور چند دیگر چیزوں پر ایمان لانا ہے۔ ایمان کا ماخذ ہے۔ اَمَنَ اور معنی ہیں "تسلیم کرنا، تصدیق کرنا"۔ المنجد میں درج ہے۔ 'اٰمَنَہٗ اِیمانًا' اسے صَدَّقَ وَ وَثِقَ بِہٖ قرآن نے لفظ ایمان جن معنوں میں استعمال کیا، ان کی تفصیل مندرجہ ذیل آیہ میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ (توبہ)

(ان میں سے بعض رسولؐ کی نسبت یہ کہہ کر وہ کانوں کے کچے ہیں، انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں۔ انہیں کہہ دو کہ رسولؐ صرف وہی باتیں سنتا ہے جو تمہارے لیے بہتر ہوں۔ یہ رسولؐ خدا پر اور مومنین پر ایمان رکھتا ہے اور اہلِ ایمان کے لیے رحمت مجسم ہے۔

اس آیہ میں "مومنین پر ایمان لانے" کا مفہوم یہی ہے کہ حضورؐ کو ان کی سچائی، وفاداری اور خلوص پر اعتماد تھا، اور وہ ان کی ہر بات کو صحیح سمجھ کر تسلیم کر لیتے تھے۔ (یؤمن للمومنین) مزید تشریح اس آیہ میں دیکھیے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ۔ (توبہ)

(جب تم جہاد سے لوٹ کر جاؤ گے تو منافقین جو جہاد میں شامل نہیں ہوئے کئی بہانے پیش کریں گے انہیں کہہ دو کہ بہانوں کی ضرورت نہیں۔ ہم تم پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔)

یعنی تمہاری کسی بات کو صحیح نہیں سمجھیں گے۔

تو گویا ایمان کے معنی ہیں ماننا، تصدیق کرنا۔ سچا سمجھنا، اعتبار کرنا۔ ہم دنیا کے لاکھوں حقائق پہ ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ پانی ہمیشہ ڈھلان کی طرف جاتا ہے۔ لکڑی پانی سے ہلکی اور پتھر بھاری ہوتا ہے۔ آگ گرم ہے اور برف ٹھنڈی۔ ستارے روشن ہیں اور کوئلہ بے نور۔ بدیگر الفاظ ہم تمام مشاہدات و محسوسات کے وجود و خواص پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن کچھ حقائق ایسے بھی ہیں جو ہمارے دائرۂ حواس سے باہر ہیں۔ مثلاً خورد بینی جراثیم، ذراتِ خون، بجلی، ایتھر، کشش ارضی، زمانہ وغیرہ۔ علم کی آنکھ نے ان حقائق کی ایک دنیا دیکھ لی۔ لیکن ابھی کچھ ایسی سچائیاں باقی ہیں جن تک علم و حکمت کا دستِ رسا نہیں پہنچ سکا۔ مثلاً ملائکہ، اللہ اور آخرت۔ قرآن نے ہمیں حکم دیا ہے۔ کہ اللہ، ملائکہ، آخرت انبیاء اور ان کے صحائف کو تسلیم کرو۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں تسلیم کریں۔ اگر ہم اللہ کو نہ مانیں تو کونسا فتور پیدا ہوتا ہے۔ نیز آخرت اور ملائکہ کے انکار سے کون سی قیامت ٹوٹ پڑتی ہے۔ یہ ہے وہ سوال جس کا صحیح جواب نہ ملنے پر لاکھوں انسان دہریئے بن گئے۔ اور ہمیشہ کے لیے سکونِ قلب کی نعمت سے محروم ہو گئے۔

ایمان باللہ: یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حیض سے پہلے اور بعد ایک چھوٹا سا انڈا جسے انگریزی میں اُووَم کہتے ہیں۔ رحم کے سامنے منتظر ہوتا ہے

جونہی اختلاط کے بعد مرد کے مادۂ منویات کا کوئی خلیہ (سپرزم) اس سے مل جاتا ہے۔ تو وہ دونوں ایک بن جاتے ہیں۔ اور سرک کر رحم میں چلے جاتے ہیں۔ وہاں فوراً عمل تقسیم شروع ہو جاتا ہے۔ وہ ایک سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ اور کروڑ سے دو کروڑ بنتے ہیں۔ پھر ان خلیوں کا ایک گروہ آنکھیں بنانے میں لگ جاتا ہے۔ دوسرا منہ۔ تیسرا کان اور چوتھا ہاتھ بناتا ہے ان خلیوں میں نہ فکر ہوتی ہے نہ عقل۔ لیکن جو بچہ یہ تیار کرتے ہیں۔ وہ ہر طرح سے مکمل ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں، کان، انگلیاں، ناک، پاؤں، پیٹ، دل، جگر، گردہ، کلیجہ اور باقی اعضا سب کے سب اپنے صحیح مقامات پر ہوتے ہیں۔ اس کی ہڈیاں اور رگیں بالکل اتنی ہوتی ہیں۔ جتنی کہ اس کے باپ کی تھیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان خلیوں میں اتنی عقل کہاں سے آ گئی تھی کہ انہوں نے کسی نقشے اور نمونے کے بغیر اس قدر مکمل انسان بنا ڈالا۔ انہوں نے روح کہاں سے لی۔ نظر کہاں سے حاصل کی۔ امید، و بیم، مسرت والم، محبت و انتظار جیسے بیسیوں جذبات کہاں سے مانگے۔ ناک کی جگہ دُم کیوں نہ بنائی۔ کبوتری کے انڈے میں چوہا کیوں تیار نہ کیا۔ مکھی کے انڈے سے چیونٹی کیوں نہ نکالی اور کسی بھیڑ کے بچے کے ساتھ آج تک پر کیوں نہیں لگا لیے؟؟؟

وہ کون سا حساب دان تھا۔ جس نے ہائیڈروجن اور آکسیجن جیسی زہر دل کے ایک نہایت دقیق تناسب سے پانی تیار کیا۔ جس نے چند معین عناصر سے حیوانات بھی پیدا کیے اور نباتات بھی۔ انہی عناصر کے ردّ و بدل سے گینڈے کا جسم، چنبیلی کی نازک ٹہنی اور گلاب کا نازک پھول بنا ڈالا۔ اور انہی سے آم، انگور اور سیب جیسے لذیذ پھل تیار کیے۔

ی کونسا معلّم ہے، جو ازل سے نحل کو شہد سازی، عنکبوت کو تار بافی عنادل کو نغمہ نوازی اور عقاب کو شاہبازی کا درس دے رہا ہے۔ وہ کونسا رنگ ریز ہے۔ جس کے الوان کبھی ماند نہیں پڑتے۔ اور جس کی بہاروں میں حسن و رنگ کی شوخیاں اور کیف و نُور کی مستیاں سامان صد ہزار لذت بنتی ہیں۔ یہ نیلگوں فضاؤں میں آفتاب و ماہتاب کا عنان کش کون ہے۔ یہ کروڑوں کُرّے کس کی مشیت سے اپنے مداروں پر دیوانہ وار گھوم رہے ہیں۔ حیات و موت کا خالق کون ہے اور ان لامعدود ذی حیات کا رازق کون؟ ان تمام سوالات کا جواب صرف ایک ہے۔ کہ اللہ الرحیم۔ اللہ کو کائنات سے نکال دیں، تو یہ تمام کائنات ایک علامت استفہام (؟) بن کر رہ جائے گی۔ اور ہماری دنیائے دل ابہام و اضطراب سے بھر جائے گی۔ سوچئے کہ اگر ارض و سما کا ہر ذرّہ ہمارے لیے چیستان بنا ہوا ہو۔ ہر سنگریزے، ہر قطرے اور ہر منظر سے یہ سوال اُبھر رہا ہو۔ کہ میں کون ہوں اور کیوں ہوں؟ تو پھر دماغ میں سکون کہاں سے آئے گا۔ اللہ کی یہ کتنی بڑی نوازش ہے۔ کہ اس نے لامکانی بلندیوں سے انسان کو پکارا اور کہا کہ زمین و آسمان کا خالق میں ہوں۔ اس ایک پکار نے لاکھوں سوالات کا جواب مہیّا کر دیا۔ اور انسان اطمینان سے تلاش و طلب کی راہوں پہ نکل پڑا۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ
وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَأَنْبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ
بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ
تُنْبِتُوْا شَجَرَهَا أَإِلٰهٌ مَّعَ

بتاؤ کہ ارض و سما کا خالق کون ہے
وہ کون ہے جس نے بلندیوں سے پانی
برسا کر پھولوں بھرے گلشن آراستہ کئے؟
کیا یہ حسین درخت تم نے اگائے تھے؟
کیا اللہ کے بغیر کوئی اور تخلیق کے یہ

اللہ بل ھم قوم یعدلون ط معجزے دکھا سکتا ہے، تعجب ہے

(النمل) کہ یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے)۔

اگر اللہ کا تصور موجود نہ ہوتا، تو انسان بجلیوں کی کڑک، آتش فشاں پہاڑوں کی گرج اور تند و تیز طوفانوں کی ہیبت سے گھبرا کر مختلف خداؤں کے دامن میں پناہ لیتا پھرتا۔ کہیں ماتھا رگڑتا، کہیں ہاتھ پھیلا پھیلا کر آسمانی دیوتاؤں کے غضب سے پناہ مانگتا اور کبھی بیقراری میں مٹی کے پتلوں کا چکر کاٹتا پھرتا۔ ایک خدا کے تصور نے انسان کو تمام خیالی معبودوں کی پرستش سے آزاد کر دیا۔ اور اُسے اس قدر بلند کر دیا۔ کہ وہ کہکشاں کے عظیم سے عظیم آفتاب کو بھی اپنا خادم سمجھنے لگا۔ وہ اٹھا اور اس نے سمندر کی مہیب موجوں، گرجتی ہوئی گھٹاؤں اور لامحدود فضاؤں پہ کمند آفاقی پھینک دی۔ اُس نے بجلیوں کو مسخر کر کے اُن سے نور و حرکت کا کام لیا۔ اس نے شعاعوں کو گرفتار کر کے انسانی خدمت پہ لگا دیا۔ اور آب و آتش کو بار برداری کے لیے استعمال کیا۔

بدیگر الفاظ ایک خدا کو تسلیم کر لینے کے بعد جہاں انسان کا ذہنی اضطراب ختم ہو گیا۔ وہیں کائنات اس کی عظمت کے سامنے سرنگوں ہو گئی۔ کہاں وہ حالت کہ انسان ہر سنگریزے کے سامنے رینگ رہا تھا اور کہاں یہ عالم کہ ارض و سما اس کی ہیبت سے کانپنے لگے۔ حقیقتاً انکارِ خدا یا شرک اتنا بڑا حادثہ ہے کہ انسانی قدم لامکانی رفعتوں سے پھسل جاتے ہیں۔ اُسے راہ میں یا تو لا کھوں خدا اُچک لیتے ہیں اور یا غلط تصورات و عقاید کی آندھیاں کہیں اڑا لے جاتی ہیں۔

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ۝ (الحج)

(شرک کرنے والا انسان اُس شخص کی طرح ہے، جو آسمانی بلندیوں سے گر

پڑے۔ راہ میں اُسے پرندے اُچک لیں اور یا آندھیاں اُسے دُور دراز مقام پر پھینک دیں۔

دُرست فرمایا تھا حکیم الامت نے:

دلِ خود را بدستِ کس ندادم — گرہ از رُوئے کارِ خود کشادم
بغیر اللہ کردم تکیہ یک بار — دو صد بار از مقامِ خود فتادم

(ارمغانِ حجاز)

اللہ مظلوموں، بیکسوں اور زیردستوں کی زبردست ڈھارس ہے ہم نے بار ہا دیکھا کہ کسی سنگ دل زمیندار نے کسی غریب کو بلاوجہ پیٹ ڈالا، یا تھانیدار نے کسی غریب کو مشتبہوں میں بٹھا کر اُس سے چھ سات روپے ہتھیا لیے جو اس کی کل کائنات تھی۔ غریب کی فریاد کون سنتا ہے۔ جب رات کی ظلمتوں میں افکار اس کا محاصرہ کر لیتے ہیں، تو وہ آنسوؤں کی جھڑی میں ایک گہری سانس لے کر اپنے دل کی ڈھارس یوں بندھاتا ہے۔

"غریب کا صرف اللہ ہے"

اگر اللہ کا تصوّر ختم کر دیا جائے۔ تو بتاؤ یہ کروڑوں مظلوم اور بیکس پھر کس کے سہارے جئیں۔ اور ظالم کی دست درازیوں سے گھبرا کر کس کے آگے ہاتھ پھیلائیں۔

بے شمار مشاہدات کے بعد مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اعمال دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کے نتائج صاف اور بدیہی ہوتے ہیں۔ مثلاً محنت کا نتیجہ کامیابی کاہلی کا ناکامی مے نوشی کا مالی، اخلاقی اور جسمانی تباہی اور جھوٹ کا بداعتمادی۔ دوسرے وہ کہ اُن میں اور اُن کے نتائج کے درمیان ایک مخفی سلسلۂ اسباب کارفرما ہوتا ہے۔ انسان کام کوئی کرتا ہے اور اُس کا نتیجہ کسی اور

شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ میں ایک ایسے آدمی کو جانتا ہوں، جس نے اپنے شریک تجارت کا دس ہزار روپیہ چھپایا، اور بھارت سے پاکستان آگیا۔ یہاں اُس نے غلہ کی تجارت شروع کردی۔ اور کافی متموّل ہوگیا۔ ایک دن اُس نے غلّہ کا ایک ٹرک ناجائز طور پر برآمد کیا۔ ٹرک پکڑا گیا۔ مال ضبط ہوگیا۔ اور اسے پانچ ہزار روپیہ جرمانہ ہُوا۔ ایک سال کے بعد اُس نے پھر یہی جُرم کیا اور بالکل تباہ ہوگیا۔ مَیں ایک ایسے آدمی کو بھی جانتا ہوں۔ جس نے ۱۹۱۱ء میں اپنے باپ کی ڈاڑھی نوچ ڈالی تھی۔ اللہ نے اُسے تیس سال تک مہلت دی۔ اس کے بعد اُس کے بیٹے دشمن بنا دیئے۔ اُسے مختلف بیماریوں میں مبتلا کردیا۔ اور سیلاب کا ایک ریلا اس کے تمام گھر کو بہالے گیا۔ مَیں ایک ایسے پولیس آفیسر سے بھی واقف ہوں جس نے صرف ایک مقدمہ میں دس ہزار روپیہ رشوت لی تھی۔ اللہ نے مختلف امراض، مقدمات اور حادثات میں اُسے یوں پھنسایا، کہ وہ ایک ایک کوڑی کو محتاج ہوگیا۔ مجھے ایک ایسے شخص کی بھی کہانی یاد ہے جس نے جائداد کے لالچ میں حقیقی بھائی کو مار ڈالا تھا۔ وہ قانون کی گرفت سے تو بچ گیا۔ لیکن اللہ کی لاٹھی سے بچ نہ سکا۔ اس کے تین بیٹے جب جوان ہُوئے، تو بدکاری کی وجہ سے یکے بعد دیگرے قتل ہوگئے۔ اس کی بیٹی کوئی بھگا لے گیا۔ اور خود دماغی چین کے ساتھ نظر سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔

دوسری طرف مجھے کچھ ایسے افراد کی داستانیں بھی یاد ہیں۔ جو جوانی میں بڑے پارسا، مہذّب، خدمتِ خلق کے جذبے سے معمور، صادق القول خوش اخلاق اور منکسر المزاج تھے۔ غریب ہونے کی وجہ سے ان کی آواز بے اثر تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اسباب کا ایک مخفی سلسلہ ترتیب دے رہا تھا۔

آج ان میں سے کوئی سفیر ہے۔ کوئی وزیر اور کوئی مرکزی حکومت میں سکریٹری
اگر اللہ موجود نہ ہوتا، تو قانون کی نظر سے بچ جانے والے مجرم کو کبھی سزا نہ
ملتی اور ایک بلند اعمال غریب، صلۂ اعمال سے سدا محروم رہتا۔ میرا[1]
یہ ایمان ہے کہ جب تک اللہ موجود ہے ہمیں کسی بڑے بُت کے سامنے
سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ خود وسائل فراہم کرتا ہے۔ نتائج اس
کی مشیتِ قاہرہ سے متحقق ہوتے ہیں۔ دلوں کا مالک وہی ہے
ارادوں اور خیالوں پر اسی کا قبضہ ہے۔ جب وہ کسی امیدوار کو کالج میں لیکچرار
بنانا چاہتا ہے تو ڈائرکٹر کے دل میں اسی کی تقرری کا خیال ڈال دیتا ہے۔

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ۔ (قرآن)

(تمہارے ارادے ہماری مشیت سے پیدا ہوتے ہیں۔)

ہمارے جسم کے پیچیدہ نظام کو سمجھنے، چلانے اور قائم رکھنے والا اللہ
ہے۔ وہ اگر اس مشینری میں ذرا سا فتور ڈال دے تو انسان کے ہر بُن مُو سے
لہو کے فوارے چھوٹ نکلیں۔ ۱۹۲۵ء میں اللہ نے مجھے میری بداعمالیوں کی
یوں سزا دی۔ کہ رائی جتنا ایک کنکر گُردے کی دائیں نال میں پھنسا دیا۔ شدتِ
کرب سے میری یہ حالت ہو گئی تھی کہ میں چارپائی سے چھ چھ انچ اونچا اچھلتا
تھا۔ ایڑیاں رگڑتا تھا اور میری چیخوں سے اہلِ محلہ رات بھر نہ سو سکتے تھے
جاؤ اور شفا خانوں میں اس قسم کے حادثات اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ تمہیں
کسی کی انتڑی میں زہر کسی کے جگر پر سرطان، کسی کے پھیپھڑوں میں

---

[1] یہ ایمان مجھے حال ہی میں حاصل ہوا ہے۔ ورنہ میری ساری زندگی بت پرستی
اور غیر اللہ کے در پہ جبیں سائی میں گزری ہے۔ جو روحانی سکون مجھے اس وقت حاصل ہے
وہ آج سے پہلے کبھی حاصل نہ تھا۔ (برق)

پیپ۔ کسی کے گلے میں ناسور اور کسی کے دماغ میں زہریلا پھوڑا نظر آئے گا۔ بتاؤ ان حادثات کو اللہ کے بغیر کون روک سکتا ہے اور اگر پیدا ہو جائیں تو کون دُور کر سکتا ہے۔

مجھے ان جسمانی عوارض اور دماغی حوادث سے بچنے کے لیے اللہ کے بغیر کوئی اور راہ نظر نہیں آتی۔ بے بس انسانو! تم بغیر اس کے کر ہی کیا سکتے ہو کہ بے چین مریض کے سرہانے بیٹھ کر آنسو بہاؤ۔ اور کیا کر سکتے ہو۔ وہی مصائب نازل کرتا اور صرف وہی دور کر سکتا ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ	بے قرار کی پکار کون سنتا اور اس کے دُکھ کو کون دُور کرتا ہے۔

(النمل)

توحید: پر لگا کر اُڑ جاؤ اور کہکشانی دنیا سے کوئی کنکر اٹھا لاؤ۔ بحر الکاہل کی گہرائیوں میں سات میل کا غوطہ لگا کر کوئی سیپی نکال لاؤ۔ پھر چمن کی بہاروں سے پھول کی کوئی پتی توڑ لاؤ اور ایک طاقتور خوردبین کے نیچے رکھ کر ان تینوں کا مطالعہ کرو۔ تم یہ دیکھ کر حیرت میں کھو جاؤ گے کہ ان سب کے اجزائے تکوینی ایک ہیں یعنی بجلی کی مثبت و منفی ذرات۔ کیا تمام کائنات کی یہ وحدتِ تکوینی اس حقیقت کا اعلان نہیں کہ اللہ ایک ہے؟ اگر ایک نہیں، تو پھر کیا وجہ ہے کہ ہر مقام پر پانی نشیب کی طرف بہہ رہا ہے۔ ہر دل ۷۲ مرتبہ دھڑک رہا ہے۔ اور ہر جگہ بکری کے پیٹ سے بکری پیدا ہو رہی ہے؟ نظامِ کائنات میں یہ یک رنگی۔ ایک خالق۔ ایک ناظم اور ایک کارفرما کے بغیر محال ہے۔ اگر دو خدا ہوتے تو کہیں نہ کہیں سلسلۂ خلق میں کوئی نہ کوئی نقص پیدا ہو جاتا۔ کہیں بھیڑ کے پیٹ سے مرغی نکلتی اور کہیں چھپکلی کے انڈوں سے مکھیاں پیدا ہوتیں۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (قرآن) — (اگر اس کائنات میں دو خدا ہوتے تو سلسلۂ نظم و تعلق میں زبردست فتور پیدا ہو جاتا۔

اعمال پر تصورات (عقاید) کا زبردست اثر ہوا کرتا ہے۔ ہم ایک بھائی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی اس خیال (تصور) سے کر گذرتے ہیں کہ ہم دونوں کی رگوں میں ایک ہی لہو دوڑ رہا ہے۔ ہم اپنے ہم جماعتوں سے اسلئے محبت کرتے ہیں کہ ہم سب کی درسگاہ ایک تھی۔ ایک پیر کے مریدوں میں اخوتِ مسلک پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم وطن کا رشتہ تمام اہل وطن کو گانٹھ دیتا ہے۔ ایک ملک، ایک قبلہ اور ایک کتاب کا تصور کروڑوں انسانوں کو ہم خیال بنا دیتا ہے اور ایک خدا کا عقیدہ تمام نسلِ انسانی کو رشتۂ وحدت میں منسلک کر دیتا ہے۔ چنانچہ توحید وہ حَبْلُ الْمَتِينِ ہے جو انسان کو انسان سے باندھ دیتی ہے اور اس کے بغیر ہمہ گیر اخوت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا (روم) — (تم مشرک مت بنو۔ یعنی ایک دین میں تفریق ڈال کر نسلِ انسانی کو گروہوں میں تقسیم نہ کرو)

الغرض ہم اللہ کے بغیر اس دنیا میں ایک قدم نہیں چل سکتے۔ اور اُسے تسلیم کرنا (ایمان لانا) نہایت ضروری ہے کیوں؟

(۱) معمۂ کائنات کو سمجھنے کے لیے۔
(۲) انسانی عظمت کو قائم رکھنے کے لیے۔
(۳) لاکھوں خداؤں کے شر سے بچنے کے لیے۔

(۴) غریبوں کو سہارا دینے کے لیے۔
(۵) تقاضائے انصاف پیدا کرنے کے لیے۔
(۶) مصائب سے بچنے کے لیے۔
(۷) نعمتوں کے حصول کے لیے۔
(۸) نسلِ انسانی کو ایک گھرانہ بنانے کے لیے۔
(۹) وحدتِ تکوین کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے۔
(۱۰) اور اس لیے بھی کہ وہ ایک زبردست حقیقت ہے اور حقیقت سے آنکھیں بند کر لینا دیدہ دانستہ اندھا بننا ہے۔

شرک: "شرک" کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ کسی چیز کو عبادت یا صفات میں اللہ کا شریک (مساوی مرتبہ) سمجھا جائے۔ جہاں تک صفات کا تعلق ہے۔ آج دنیا میں کوئی ایسی ملت باقی نہیں رہی جو اللہ کے بغیر کسی اور ہستی کو کائنات کی خالق و ناظم سمجھتی ہو۔ علم اس قدر ترقی کر چکا ہے کہ اس کی شعاعیں حبشیوں کی تاریک غاروں میں بھی پہنچ چکی ہیں اور علم ہی وہ آئینہ ہے جس سے اللہ نظر آتا ہے۔ اس لیے عصرِ حاضر میں اللہ کو نہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ شرک فی العبادت کے مناظر ہر جگہ ملتے ہیں۔

عبادت کے معنی ہیں غلامی اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کے غلام دنیا میں بہت کم ہیں۔ اور من دون اللہ کے بہت زیادہ۔ ان معبودوں کے کئی گروہ ہیں۔

اوّل: سرمایہ دار، جن میں سے کچھ بادشاہ ہیں اور کچھ نواب اور مہاراجے کچھ بڑے بڑے زمیندار ہیں اور کچھ برلا اور ڈالمیا کی طرح کروڑ پتیئے۔ ان کی غلامی میں کروڑوں انسان جکڑے ہوئے ہیں یہ ان سے بیلوں کی طرح کام لیتے ہیں۔ ان کی بہو بیٹیوں سے جذبات حیوانی کی آگ بجھاتے ہیں انہیں ہر بُرے

مقصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ بعض عوامی خود ساختہ سرداروں اور غنڈوں کی ایک تعداد دوسروں کی عزت آتارنے اور ڈاکہ ڈالا نے کے لیے پال رکھی ہے۔ حال ہی میں پشاور کے ایک بہت بڑے خان کو کیمبل پور پولیس نے اس بنا پر گرفتار کیا ہے کہ اس کے ملازمین موٹروں میں سوار ہو کر دو دو سو میل تک ڈاکے ڈالتے تھے۔

حضور علیہ السلام کے عہد میں ابوجہل و ابولہب نے ایسے لونڈے پال رکھے تھے۔ جو حضورؐ کو پتھر مارتے اور اُن کی راہوں پہ کانٹے بچھایا کرتے تھے۔

سرمایہ داروں کے یہ حاشیہ نشین شب و روز اپنے آقاؤں کے اشاروں پہ ناچتے اور ان کی غلامی (خدمت۔ عبادت) میں محو رہتے ہیں۔ حضرت خلیل کی دعائے ذیل میں کچھ ایسے ہی گمراہ کن معبودوں کا ذکر ہے۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ط رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ (ابراہیم)

(یاد کرو، جب ابراہیم نے دعا کی تھی۔ کہ اے رب اس شہر (مکہ) کو دارالامن بنا۔ نیز مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی غلامی سے بچا۔ اے رب ان بتوں نے انسانوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو گمراہ کر رکھا ہے)

کیا پتھر کی مورتیاں بھی گمراہ کر سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان اصنام سے مراد نمرود و ہامان جیسے عیاش و ظالم سرمایہ دار تھے۔

دوم: بتوں کی دوسری قسم خانقاہوں کے مجاور یعنی پیرانِ طریقت ہیں۔ یہ لوگ لاکھوں انسانوں کو دامِ بیعت میں پھنسا کر انہیں لوٹتے اور ان کے اسلام کا پلستر بگاڑتے ہیں۔ یہ ساحرانِ المُوط اپنے مریدوں کو اپنی خدائی کی وہ حشیش پلاتے ہیں کہ انہیں یاد ہی نہیں رہتا۔ کہ خدا بھی کوئی ہے۔ ان کی نامراد زندگیاں ان اصنام کے قدموں اور ان کے اسلاف کی قبروں پہ جبیں سائی کرتے کرتے گذر جاتی ہیں۔ وہ انہی سے حاجات طلب کرتے اور انہی کو ملی کُل تقدیر سمجھتے ہیں۔ یہ بُت موتیوں، باغوں اور حلقوں کے مالک بن جاتے ہیں۔ اور بیچارا مرید فلاکت و نکبت کے اسفل السافلین میں جا پہنچتا ہے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (قرآن)

(اے ایمان والو! ان پیروں کی اکثریت لوگوں کا مال نہایت ناجائز طریقوں سے کھاتی ہے۔)

مجھے آج تک معلوم نہ ہو سکا کہ ان پیروں کا مصرف کیا ہے بجز اس کے کہ یہ لوگ تسبیحوں، قباؤں اور قوالیوں کی آڑ میں دُنیا کی جیبوں پہ ڈاکے ڈالیں اور انہیں بیکار محض بنائیں۔ دنیا کی ہر تجارت میں سرمایہ لگانا پڑتا ہے اور اس میں سود و زیاں ہر دو کا احتمال رہتا ہے لیکن خانقاہیت ایک ایسی تجارت ہے جس میں ایک پائی کا سرمایہ نہیں لگایا جاتا۔ اور خسارے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان بیکار اور بیکار ساز معبودوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ ۔

(اللہ کے بغیر جن معبودوں سے تم اپنی حاجات طلب کرتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں۔)

سوم:۔ کیمبلپور سے صرف ڈیڑھ میل مغرب میں ایک گاؤں میروالہ کہلاتا ہے۔ آج سے پانچ برس پہلے یہاں کی گلیوں میں ایک غلیظ بھکاری ٹھوکریں کھاتا ہوا ملتا تھا۔ اس نے زندگی میں شاید کبھی مُنہ دھویا ہو۔ اس کے بدن پر غلاظت کی کئی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اُسے بلغم اور زکام سے ایک لمحہ کے لیے نجات حاصل نہ تھی۔ مکھیاں لاکھوں کی تعداد میں اس پر بھنبھنایا کرتی تھیں۔ لیکن جب وہ مرگیا تو اس کی قبر عبادت گاہ بن گئی۔ سُرخ و سبز جھنڈیاں لہرانے لگیں۔ اور علاقہ بھر کی عورتیں حاجات کے لیے اس غلاظت پناہ کی خدمت میں حاضر ہونے لگیں۔ کوئی پوچھے کہ کیا اللہ نے اپنے اختیارات اس غلیظ بھکاری کے حوالے کر دیئے ہیں اور خود عرشِ معلیٰ پر عضوِ معطل بن کر بیٹھ گیا ہے۔

درحقیقت اس شرک کی تمام تر ذمہ داری ہمارے پیرانِ طریقت اور مُلّا پر عائد ہوتی ہے۔ یہ دونوں مُردوں کو سمیع و بصیر ثابت کرنے اور اللہ کے ہاں انہیں وسیلہ بنانے میں بارہ سو برس سے اپنے قلم اور پھیپھڑوں کی تمام تر طاقت صرف کر رہے ہیں۔ یہ اس لیے کہ خانقاہی تجارت کا تمام تر انحصار ہی اسی عقیدہ پر ہے۔ اس قمار میں پیر کارفرما ہے اور مُلّا ایجنٹ اور دونوں مل کر دنیا کو اُلّو بنا رہے ہیں۔ قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے کمبختو! مُردے نہیں سُنتے۔ مراد مجھ سے طلب کرو۔ ہم تمہاری شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ لہٰذا اُمّہ آلام کے

طوفان ہمارے پاس ہیں۔ تمہارے یہ مُردے ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ بارشیں برسانے والے، موسموں کو بدلنے والے، ساری کائنات کو رونق دینے والے، فصلِ بہار میں زمین کو جنتِ نگاہ بنا دینے والے، ہوائیں چلانے والے سورج چمکانے والے، دن کے بعد رات لانے والے۔ تمہارے خالق تمہارے کارساز تمہارے سب کچھ ہم ہیں۔ لیکن تم اپنی حاجات کے لیے ایسے معبودوں کی آستاں پہ جبیں سائی کر رہے ہو جن کی ہڈیاں تک گل سڑ چکی ہیں۔ جو لوگ زندگی میں مچھر کی ایک ٹانگ تک بنانے سے عاجز تھے۔ جو جسم سے اکھڑا ہوا بال دوبارہ اپنی جگہ پر نہیں لگا سکتے تھے۔ وہ مرنے کے بعد اتنے بہادر اور ہنرمند کہاں سے بن گئے ہیں کہ وہ تمہیں اولاد کی نعمت دے سکیں یا تمہاری کھیتیوں پہ بارشیں برسا سکیں۔

جب ہمارے مُلّا نے قرآن میں یہ آیت دیکھی۔

وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ۔

(کہ اللہ تک پہنچنے کے لیے وسیلہ ڈھونڈو)

تو اُس کا ذہنِ رسا "فوراً اس نتیجہ پر پہنچا کہ ہو نہ ہو اللہ کے وسیلے یہی مُردے ہیں۔ اور یہ نہ سوچا کہ یہ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں تمام نتائج اور تمام خدائی انعامات مثلاً علم، صحت، سلطنت، عزت و دولت وغیرہ وسائل سے وابستہ ہیں۔ علم کا وسیلہ محنت و مطالعہ ہے۔ عزت کا پاکیزہ اخلاق اور سلطنت کا تنظیم، ایثار، جانفروشی وغیرہ۔ جب تک کوئی قوم ان وسائل کو ہاتھ میں نہ لے۔ وہ اللہ سے عزت و سلطنت کے انعامات حاصل نہیں کر سکتی۔ مُلّا نے وسیلہ کا مفہوم قبر سمجھ لیا اور لگا ہر قبر کا طواف کرنے اور زندوں کو مُردوں کے سامنے جھکانے۔ وہ قوم کس قدر

قابلِ رحم ہے، جو زندگی کی بھیک مُردوں سے مانگتی پھرتی ہے۔
مُلّا و برہمن ہر زمانے میں بُت تراش رہے ہیں۔ یہ قرآن و گیتا اس لیے نہیں
پڑھتے کہ وہ دنیا کے دلوں پر اللہ کی قدرت و حاکمیت کا سکہ بٹھائیں۔ بلکہ
اس لیے کہ کسی منتر یا آیت کو مروڑ توڑ کر انسان کو خدا بنانے کی کوشش کریں۔
اللہ نے جب شہید کو حیاتِ دوام کی بشارت سُنائی تو مُلّا نے شہیدوں
کی سینکڑوں قسمیں تیار کر لیں اور ہر ایک کو حیاتِ دوام کا پروانہ دے کر
کہا کہ آؤ اور ان کی خدائی سے مُرادیں مانگو اور ایک لمحہ کے لیے نہ سوچا کہ
ایک بے بس مُردہ جو مٹی کے نیچے ایک منجمد پتھر بن چکا ہے۔ وہ بھلا کسی کا کیا
سنوار سکتا ہے۔ اور اگر دو منٹ کے لیے یہ تسلیم بھی کر لیں کہ خدا براہِ راست
کوئی دُعا نہیں سُنتا۔ وہ صرف پراپر چینل (PROPER CHANNEL)
سے آئی ہوئی درخواستوں پر غور کیا کرتا ہے، تو یہ فرمایئے کہ یہ مُردے کہاں کی
"پراپر چینل" ہیں۔ اگر ہیں تو قرآن سے کوئی سند پیش کیجئے جب اللہ نے
رسولِ اکرم صلعم کو یہ کہہ دیا تھا۔

اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

(کہ اے رسولؐ۔ اگر تم ان بدکاروں کی مغفرت کے لیے ستّر مرتبہ بھی ہم سے
دُعا مانگو گے۔ تب بھی ہم ہرگز نہیں سُنیں گے اور انہیں کبھی معاف نہیں کریں
گے) اس اللہ کو آپ نے اس قدر کمزور اور (خاکم بدہن) بودا سمجھ رکھا ہے
کہ جونہی کسی مُردے نے سفارش کی۔ اللہ نے دم بخود ہو کر اسے منظور کر لیا۔
کیا اندھا دُھند سفارشات کو منظور کرنے سے نظمِ عالم قائم رہ سکتا ہے۔
فرض کیجئے کہ زید کسی مُردے سے کہتا ہے کہ انگلستان کے تخت پر مجھے
بٹھا دو۔ یا دریائے دجلہ کو میرے کھیت سے گزار دو۔ یا فلاں خاندان کو

اندھا کردے۔ یا تو پاؤں میں آگ لگا دے۔ اور اللہ تعالیٰ اس مُردے کی سفارش منظور کرے، تو خود ہی سوچیں کہ دنیا کا کیا حال ہو جائے۔

اللہ دنیا کا فرمانروا ہے۔ اس نے نظمِ عالم کو برقرار رکھنا ہے۔ اس نے اقوام و افراد کی بہتری کو دیکھنا ہے۔ اس لیے کہ وہ رب بھی ہے اور عادل و رحیم بھی۔ ایک مُردے کو کیا خبر کہ بہتری کس بلا کا نام ہے اور رحم و عدل کے تقاضے کیا ہیں۔ درست کہا تھا سعدیؒ نے:

"آنکس کہ توانگرت نمی گرداند، مصلحتِ تو از تو بہتر داند"

(گلستان)

ہر دُعا کو منظور کرنے سے پہلے وہ دیکھتا ہے کہ دیں سے کسی کا حق تو ضائع نہیں ہوتا۔ زید کو ڈپٹی کمشنر نہ بنا دینے سے عمر سے تو بے انصافی نہیں ہوتی۔ دُعا خود داعی کے لیے مُضر تو نہیں۔ ہم سینکڑوں اشیاء کو مفید سمجھتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ مضر ہوتی ہیں۔ ان تمام پہلوؤں پہ غور کرنے کے بعد اللہ دعاؤں کا فیصلہ کیا کرتا ہے۔ نہ یہ کہ آپ نے قبر کی جھنڈی ہلائی اور قبولیت کے ایوان میں بھونچال آگیا۔

ہشیار آں کہنہ نخچیر گیر
بدامِ تقاضائے تو گردد اسیر

(اقبال)

یہ بے کس اور مجبور مُردے پتھر سے زیادہ بے حِس اور بے بس ہیں۔ ان کے سامنے سجدے کرنا اور ان سے مرادیں مانگنا بے بصری و بے بصیرتی کی انتہا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۔ (النحل)

(یہ لوگ جن سے تم اللہ کو چھوڑ کر اپنی حاجات طلب کرتے ہو ایک ذرہ تک پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ یہ خود مخلوق اور بے جان میت ہیں۔ یہ نہیں جانتے کہ وہ قبروں سے دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے۔

چہارم: **نفس** :- نفس کا مفہوم بہت وسیع ہے اور نفسانی جذبات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ لیکن ہم یہاں نفس کے صرف دو جذبوں یعنی ہوس و غضب سے بحث کریں گے۔ ہوس کے معنی ہیں ہر اچھی چیز کو حاصل کرنے کی ناجائز خواہش اور کوئی آڑے آئے تو اسے بقوت دور کرنے کا نام غضب ہے۔ میرا مشاہدہ یہ ہے کہ دنیا کے تمام انفرادی و اجتماعی مفاسد کی ذمہ داری انہی دو جذبات پر عائد ہوتی ہے۔ یہ جھگڑے، یہ چھاپے، یہ عصمت دری یہ ڈانگ بازی۔ یہ سازشیں، یہ لیڈری کا شوق یہ بیلائے وزارت سے عشق۔ یہ رشوت۔ یہ جھوٹ اور یہ جہاں بھر کی بدکاریاں۔ ہوس و غضب کی پیداوار ہیں۔ گذشتہ دو عالمگیر جنگوں (۱۹۱۴-۱۹ء اور ۱۹۳۹-۴۵ء) کا باعث بھی نو آبادیوں، تیل کے چشموں، ربڑ کے کھیتوں، لوہے کی کانوں اور نئی اقوام کو غلام بنانے کی ہوس تھی۔

انسان کے قابل ذکر جذبات تین ہیں۔ جذبۂ ملکیت۔ جو اُسے تمدد تقویٰ کی راہیں دکھاتا ہے اور ہوس و غضب، جو اُسے جہان بھر کی بدمعاشیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ ہر بُرے اقدام کے وقت جذبۂ ملکیت انسان کو نیکی کی طرف بلاتا ہے۔ جب وہ مسلسل اس دعوت کو ٹھکرا دیتا ہے تو یہ آواز (ضمیر کی آواز) مدھم پڑ جاتی ہے۔ اور بالآخر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے طَبَعَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (اُن کے دلوں پر مُہر لگ گئی) سے تعبیر کیا ہے۔

اقلیم انسانیت پر ابلیس کی یلغار سدا جاری رہتی ہے اور اس کے بڑے بڑے حربے دو ہیں۔ غصہ اور شہوت (ہوس) جب کوئی فرد ان دو جذبات کے بس میں پوری طرح آجاتا ہے، تو وہ مجسم شیطان بن جاتا ہے۔ اپنے شہر کے غنڈوں پہ نگاہ ڈالو۔ کس طرح وہ بات بات پہ چاقو نکال لیتے ہیں۔ راہ جاتے کی بلا وجہ پگڑی اُچھال دیتے ہیں۔ جس چیز پہ دل آجائے۔ دکاندار کو ڈرا دھمکا کر مفت لے لیتے ہیں۔ اغوا، اغلام، کیسہ تراشی۔ دشنام بازی شراب نوشی اور قمار بازی جیسے جرائم کا علی الاعلان ارتکاب کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہیں قرآن نے شَیَاطِیْنَ اِنْس کے نام سے یاد کیا ہے۔ اور سورۂ الناس میں ان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے۔

جس طرح جہلا سے لے کر حکما، اولیا اور انبیا تک انسانوں کے کئی درجے ہیں۔ اسی طرح شیطانوں کے بھی کئی طبقے ہیں۔ یہ بدمعاش اور غنڈے سو فیصدی ابلیس ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں۔ جن کا شیطان شریفوں اور ادریسوں کے لباس میں نمودار ہوتا ہے اور وہ اپنی ہوس پر قباد تسبیح کی دلق ڈال دیتے ہیں

اے بسا آدم کہ ابلیسی کُند
اے بسا شیطاں کہ ادریسی کُند (اقبالؒ)

کچھ قلندری کا بھیس بدل کر شکار کھیلتے ہیں۔ اور کچھ لیڈروں اور وزیروں کی شکل میں آتے ہیں۔

ہم نے بارہا یہ منظر دیکھا کہ کسی ادارے میں ماتحت سے ذرا سی لغزش ہوئی اور افسر صاحب جھٹ جامہ سے باہر ہوگئے۔ نتھنے پھلا کر اور آنکھیں نکال کر گرجنے اور برسنے لگے۔ کیا ایسے افسر کو جو غضب کے ہاتھ میں ایک

کھلونا ہو۔ آپ انسان سمجھتے ہیں؛ میں کئی ایسے علما کو جانتا ہوں، جو دوسرے کی قیادت و شہرت سے جل کر تکفیر و تفسیق پہ اتر آئے ہیں۔ میں ایسے سینکڑوں خاندانوں سے واقف ہوں، جو کسی عزیز کو ترقی کرتے دیکھ کر آتشِ حسد میں جل مرے ہیں۔ ایسے ہزارہا ملازمین حکومت کی داستانیں سن چکا ہوں جو چند ٹکوں کے عوض حق و انصاف کو بیچتے رہے۔ میں ایسے سینکڑوں غداروں کے نام جانتا ہوں، جو اعدائے اسلام سے ملک و ملت کے سودے چکاتے رہے۔ یہ تمام لوگ صنمِ ہوس کے پجاری اور مشرک ہیں۔ پتھر کے بت کو توڑنا یا چھوڑ دینا بہت آسان ہے۔ لیکن نفس کے بت کو توڑنا نہایت مشکل ہے۔ غزنوی نے سومنات کے بت تو توڑ ڈالے تھے۔ لیکن اپنے دل کے بتوں کو نہ توڑ سکا۔

توحید پہ ناز ایسا ! دل ہو ایاز ایسا
توڑا نہ گیا تجھ سے محمود یہ بت خانہ

(حفیظ جالندھری)

بر بتے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را!

(اقبال)

بد معاش وہ نہیں، جو کسی غلط فہمی کی بنا پر کسی پتھر کے آگے سر جھکا دے بلکہ وہ ہے، جو مفتوح الہوا اور مغلوب الغضب ہو جس کے لفنگاپن سے پوری بستی نعل در آتش ہو، جس کے غضب کے شعلوں میں ایک دنیا جل رہی ہو۔ تیمور نے تیرہ لاکھ، چنگیز و ہلاکو نے صرف بغداد میں اٹھارہ لاکھ اور حجاج بن یوسف نے ساڑھے تین لاکھ انسانوں کو غضب کی قربان

۱۹۴۵ پر جینیٹ چڑھا دیا تھا۔ ولیم قیصر اور ہٹلر کی آتش ہوس میں بارہ کروڑ انسان جل مرے تھے۔ حقیقتاً ہوس وہ خوفناک اور خونخوار دیوتا ہے جس کی نگاہوں میں موت، جس کے تبسم میں مہیب بجلیاں اور جس کے خرام میں لاکھوں محشر نہاں ہیں۔ تمام عالم (باستثنائے چند) اس کا پجاری ہے اس کی قید سے نکلنا ہی وہ آزادی ہے، جس کا پیغام ہزارہا انبیا نے دیا تھا اور اس کا سر کچلنا ہی وہ کارنامہ ہے۔ جسے حضور علیہ السلام نے **جہادِ اکبر** کہا تھا۔

ہمارے علما کے ہاں مشرک وہ ہے جو کسی پتھر کا پجاری ہو۔ خدا جانے ان کم نگاہوں کو اپنے دل کا صنم خانہ کیوں نظر نہیں آتا۔ وہ ہولناک بُت کیوں دکھائی نہیں دیتا، جو ازل سے تمام تباہیوں اور فتنہ کاریوں کا منبع اوّل رہا ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ پتھر کی پرستش بہت بڑی لغویت اور ظلم ہے۔ لیکن اس سے بڑا ظالم کون ہے جو پرستارِ ہوس بن کر ایک دنیا کے لیے خطرہ بن جائے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوَاهُ۔ (قرآن)

(اس سے بڑا ظالم کون ہے، جس نے ہوس کو اپنا معبود بنا لیا)

پنجم: سنگ پرستی اور اس موضوع پر صفحات گذشتہ میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ ہر عمل کا اندازہ اس کے نتائج سے کیا جاتا ہے۔ نتائج کے لحاظ سے ہوس پرستی شرک کی نہایت مضر اور خوفناک قسم ہے۔ اس کے بعد سرمایہ پرستی اور پیر پرستی کا درجہ آتا ہے۔ سب سے آخر سنگ پرستی ہے۔

ہوس پرستی ہی وہ مکروہ شرک ہے۔ جس کی وجہ سے اللہ نے ایک سو انیس مرتبہ ہماری سلطنت کو تباہ کیا اور یہی وہ گناہ ہے جسے اللہ کبھی معاف

نہیں کرتا۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ (قرآن)

(اللہ سب کچھ معاف کرسکتا ہے۔ لیکن شرک کو کبھی معاف نہیں کرتا۔

سنگ پرستی سے مجھے یا آپ کو کیا نقصان۔ زیادہ سے زیادہ آپ اسے ایک لغو حرکت کہہ سکتے ہیں۔ اس سے اس عالم میں کوئی برہمی واقع نہیں ہوتی۔ یہ بےجان اور مُردہ بُت چوری اور دنگا فساد کی تعلیم نہیں دیتے اور نہ قتل و غارت پہ اکساتے ہیں۔ ان تمام مفاسد کا منبع تو نفس ہے۔ اس لیے سب سے بڑا مشرک وہ ہے جو نفس پرست ہے اور سب سے بڑا مُوحِد وہ جو نفس کی سینہ (کذا) میاں توڑ ڈالے اور شیطان کو پاؤں کے نیچے مسل دے۔

در عشق و ہوسنا کی دانی کہ تفاوت چیست؟

آں تیشۂ فرہاد ے، ایں حیلۂ پرویزے

(اقبالؒ)

ایمان بالآخرۃ

قرآن میں قیامت کے لیے مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

۱۔ آخرۃ : جس کا موصوف الساعۃ محذوف ہے السَّاعَةُ الْآخِرَةَ کے معنی ہیں آنے والی گھڑی، "مستقبل کی ہر ساعت" آنے والی گھڑی" ہے۔

۲۔ الیوم الآخر : یعنی آنے والا دن۔ آج کے لیے کل اور کل کے لیے پرسوں "الیوم الآخر" ہے۔

۳۔ یوم الدین : "دین" کے معنی ہیں شریعت۔ فیصلہ، حساب، بدلہ، جزا

مکافات، طاعت، تقویٰ، غلبہ

۴۔ یَومُ الحساب : حساب یعنی محاسبہ
۵۔ یوم الفصل : فصل = فیصلہ

ہم اوراقِ گزشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔ اور ہر شخص کا تجربہ اور مشاہدہ بھی اس حقیقت پہ شاہد ہے کہ اعمال کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے۔ قرآن میں عاد و ثمود۔ آلِ فرعون و نمرود۔ اصحاب الایکۃ و الرس اور اقوامِ لوط و شعیب کی داستانیں بیان کرنے کے بعد فرمایا:

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

(ہم نے ان اقوام کو ان کے گناہوں کی وجہ سے تباہ کر دیا اور ان کا وارث دیگر اقوام کو بنا دیا۔)

ایک کام چور طالب علم امتحان میں ناکام ہو جاتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ نتیجہ کا دن اس کے لیے "الیوم الآخر" ہوتا ہے۔ عیاش و بدکار اقوام کو یہیں تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اور بلند اعمال اقوام کو اسی دنیا میں سلطنت کی جزا مل جاتی ہے۔ یہاں کا ہر دن تمہارے گزشتہ اعمال کے لیے یوم الحساب اور یوم الدین ہے۔ جو لوگ جزا و سزا کے قائل نہیں وہ یا تو پرلے درجے کے احمق ہیں اور یا عمداً ایسے بن رہے ہیں۔ ایسے لوگ نہایت غیر محتاط۔ صلۂ اعمال سے بے پروا اور بدکار ہوا کرتے ہیں۔ یہ مکافات ہی کا ڈر ہے۔ جو انسان کو ارتکابِ گناہ سے روکتا اور اس کے دل میں "مالک یوم الدین" کا خوف پیدا کرتا ہے۔ بہ دیگر الفاظ۔ تباہی اور ہلاکت سے بچنے کے لیے سلسلۂ جزا و سزا پہ ایمان لانا نہایت ضروری ہے۔

کچھ اعمال ایسے بھی ہیں۔ جن کا بدلہ یہاں نہیں ملتا۔ مثلاً ہلاکو خاں نے بیس

لاکھ انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ لیکن کوئی اُس کا بال تک بیکا نہ کر سکا۔ یزید نے سارا خاندانِ رسالتؐ میدانِ کربلا میں ذبح کر ڈالا تھا۔ لیکن اُس کا کوئی کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔ تقسیمِ ہند کے وقت سردار پٹیل نے دس لاکھ مسلمان کاٹ ڈالے اور وہ مرتے دم تک مسندِ حکومت پہ متمکن رہا۔ کیا ایسے لوگوں سے انصاف نہیں کیا جائے گا؟ کیا ان لاکھوں مظلوموں کی روحیں فریاد رسی کیلئے ہمیشہ بھٹکتی پھریں گی اور ان کی شنوائی نہیں ہوگی؟ کیا ایسے ستم کار اور بد لگام لوگوں کیلئے کوئی یوم الحساب نہیں آئے گا۔ ضرور آئے گا اور یقیناً آئے گا۔"

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّينِ، أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ

(التین)

(تم قیامت کا انکار کیسے کر سکتے ہو۔ کیا اللہ سب سے بڑا عادل و منصف نہیں؟)

مجھے ایسی صورتیں بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے کہ ایک دسویں پاس امیرزادہ تو پانچسو روپے کی آسامی پر براہِ راست مقرر ہوگیا اور ایک غریب کا ایم۔اے پاس لڑکا دو چار سال تک دھکے کھانے کے بعد صرف کرید اور بن سکا۔ رشوت دینے والوں نے بڑے بڑے کام کر لیے اور غریب مستحقین ایڑیاں رگڑ رگڑ کر خاموش ہو گئے۔

قبولِ تو دگراں را بہ صدرِ وصل نشاند

دلِ شکستۂ ما را بر آستاں انداخت

ظہورِ پاکستان کے بعد امیروں نے کارخانے سنبھال لیے، تجارتی منڈیوں اور کمپنیوں پہ قبضہ کر لیا اور غریب مہاجرین کو سڑکوں پہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے کیلئے چھوڑ دیا۔ ایک مرتبہ ایک آسامی کے لیے سات اُمیدوار پیش ہوئے۔

جن میں یہ نیاز مند بھی شامل تھا۔ قابلیت، کوائف اور اسناد کے لحاظ سے میرا حق سب سے مقدم تھا۔ لیکن حکومت نے ایک ایسے آدمی کو منتخب کر لیا جو صرف اقل درجے کا حامل تھا۔ بلکہ کردار کے مضر اور بدخلق ہونے کی بھی اپنی مثال نہ رکھتا تھا۔ نتیجۃً سن کر میرے منہ سے یہ جملہ بے ساختہ نکل گیا۔

"غضب ہو جائے گا اگر قیامت نہ آئی"

پاس گاؤں میں ایک اکھڑے ہوئے زمیندار نے ایک تیلی کو بیگار میں دھر لیا جب اس نے بیماری کا عذر کیا تو پہلے اُسے بے تحاشا ماری اور پھر اس کا پانی بند کر دیا۔ بے بس تیلی یہ کہہ کر گاؤں سے نکل گیا۔ کہ میں اپنا مقدمہ اللہ کی عدالت میں پیش کروں گا۔ قیامت، غریب کی سب سے بڑی ڈھارس ہے اگر قیامت کا عقیدہ موجود نہ ہو، تو تمام مجبور و بے کس لوگ خودکشی کر لیں۔

یہ قیامت ہی کا خوف ہے کہ ہم میں سے بیشتر دوسروں کے مال کو ہاتھ نہیں لگاتے۔ اور یہ جزائے حسنہ ہی کی تمنا ہے۔ کہ ہمارے بعض اُمرا لاکھوں روپے کے صرف سے بڑے بڑے منفعت رساں ادارے مثلاً کالج شفا خانے وغیرہ قائم کر جاتے ہیں۔ آج سے چار سال پہلے ضلع اٹک کے ایک رئیس نے مہاجرین کشمیر کی معاونت کے لیے اڑھائی لاکھ روپیہ دیا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے اللہ کی راہ میں نصف اثاثہ دے ڈالا تھا اور حضرت صدیقؓ نے گھر میں صرف خدا اور رسول کا نام باقی چھوڑا تھا۔ یہ سب کچھ کس لیے ؟ صرف اس لیے کہ ایسے اعمال کی جزا، اگلی زندگی میں ملے گی۔

ملاحظہ فرما لیا آپ نے کہ قیامت کا تصور کس قدر مفید اور ضروری ہے اسی لیے اللہ نے حکم دیا کہ آخرت پہ ایمان لاؤ۔

ایمان بالملائکہ

لاہور کے ریلوے ورکشاپ میں جا کر دیکھیے۔ ایک لاکھ انسان وہاں کام کرتے ہوں گے۔ کائنات اس ورکشاپ سے یقیناً بڑی ہے۔ کیا اللہ کی اس ورکشاپ میں کوئی کارکن موجود نہیں۔ کیا ہر انسان کے اعمال اللہ خود لکھ رہا ہے۔ ہر کرۂ سماوی کو وہ خود کھینچ رہا ہے۔ ہر مکھی اور ہر مچھر کے انڈے میں اپنے ہاتھ سے بچے بنا رہا ہے۔ ہر ٹہنی اور ہر ڈال کے ساتھ ہر غنچہ اور ہر شگوفہ خود لگا رہا ہے؟ کیا اللہ کے ہاتھ اس قدر زیادہ ہیں کہ وہ بیک وقت کروڑوں اجرامِ سماوی اور کھرب در کھرب مخلوقاتِ ارضی کو بنا اور چلا رہے ہیں؟ کیوں نہ ہم ایک سیدھی سی بات مان لیں کہ اللہ نے کائنات میں لاتعداد کارکن (فرشتے) چھوڑ رکھے ہیں۔ جو تمام امورِ کار (باذن اللہ) انتظام کر رہے ہیں۔ ہمارے اعمال و اقوال کو لکھ رہے ہیں بطونِ امہات میں بچوں کی تشکیل کر رہے ہیں۔ بادلوں کو ہانک رہے ہیں۔ گلبن کے ساتھ گلاب کا پھول لگا رہے ہیں اور انگور کی بیل کے ساتھ انگور۔

آپ کہیں گے کہ فرشتوں کو کیا خبر کہ انگور کے خوشے میں رس کیسے بھرنا ہے اور ذائقہ کہاں سے لانا ہے۔ بھائی! جس طرح آپ اپنے کارکنوں کو پہلے تربیت دیتے ہیں۔ اور پھر شکر سازی یا شراب سازی کے کارخانوں میں لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح اللہ کے ہاں بھی تربیت گاہیں موجود ہوں گی۔ جہاں سے یہ کارکن (فرشتے) تربیت حاصل کرتے ہوں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح شہد سازی اور تار بافی کا علم نحل و عنکبوت کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ اسی طرح تکوینِ

اُٹھارہ ازہار اور تشکیل ذکورد اناث کا علم ملائکہ کی فطرت میں ہے۔

اللہ نے قرآن میں ملائکہ کے مختلف فرائض کی تفصیل یوں پیش کی ہے۔

اوّل۔ کہ وہ بادلوں کو ہانکتے، اجرام سماوی کو کھینچتے اور کائنات کی وسیع کارگاہ میں تکوین و تدبیر کے مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ۙ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۙ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا ۙ فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا ۙ فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۘ

(اُن فرشتوں کی قسم جو ستاروں کو) پوری قوت سے کھینچتے ہیں۔ جو (سیلابوں، چشموں، طوفانوں یا بہاروں میں زمین کا) منہ کھول دیتے ہیں۔ جو اپنے فرائض کے سلسلے میں ہر جانب اُڑتے پھرتے ہیں۔ جو الٰہی احکام کی بجا آوری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور جو امورِ کائنات کا انتظام (مُدبّرات) کرتے ہیں)۔

دوم۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ بعض انسانی اعمال اور اُن کے نتائج میں اسباب و علل کا ایک غیر مرئی سلسلہ کارفرما ہوتا ہے۔ غلام قادر روہیلے نے شاہی محل میں شاہ عالم کی آنکھیں نوکِ خنجر سے نکال ڈالی تھیں اور کچھ عرصہ بعد سندھیا راجپوت نے عین اُسی مقام پر روہیلے کی آنکھیں گرم سلاخوں سے بے نور کر دی تھیں۔ خاندانِ تغلق کا تقریباً ہر فرمانروا اپنے پیشرو کو قتل کرتا اور اپنے جانشین سے قتل ہوتا رہا۔ مہمان نواز کو ہر جگہ میزبان مل جاتے ہیں۔ اور رحم دل پر ہر جگہ رحم کیا جاتا ہے۔ آج سے تینتیس برس پہلے کسی دوست کی بائیسکل میری لاپروائی کی وجہ سے گم ہو گئی۔ اس نے مجھے معاف کر دیا۔ لیکن اللہ نے معاف نہ کیا۔ ۱۹۴۳ء کی شام کو یہاں (کیمبل پور) میں ایک لفٹیننٹ کرنل نے مجھے عصرانہ میں مدعو کیا۔ سائیکل کوٹھی کے احاطہ میں رکھ دی۔ جب

چائے سے فارغ ہو کر صحن میں آیا۔ تو باقی سب سائیکلیں موجود تھیں اور صرف میری غائب تھی۔ ۱۹۲۳ء کا ذکر ہے کہ مجھے ایک ہاسٹل کے دیرینہ سال خانساماں پہ غصہ آگیا اور میں نے اُس کے منہ پہ تھپڑ کھینچ مارا۔ وہ تو میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ لیکن خدائی کارندوں نے میری یہ کرتوت لکھ لی۔ ایک دن ٹرین میں بلا ٹکٹ سفر کر رہا تھا کہ پکڑا گیا۔ کرایہ پاس نہ تھا۔ ٹی ٹی ای نے پوری طاقت سے میرے بائیں گال پہ وہ تھپڑ کھینچا کر سر چکرا گیا۔ منہ لہو سے بھر گیا اور گال پہ نیل پڑ گئے۔

اعمال و نتائج کا یہی وہ غیر مرئی سلسلہ ہے۔ جس کی ایک ایک کڑی اللہ کے یہ کارندے مہیا کرتے ہیں۔

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِيْنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝

(ہم نے تم پر قابلِ عزت نگران مقرر کر رکھے ہیں جو تمہارے ہر عمل کو لکھ لیتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ تمہارے اعمال سے کاملاً باخبر ہوتے ہیں۔

نہ صرف اعمال بلکہ اقوال بھی لکھے جاتے ہیں۔

وَمَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ۔

(تمہارے منہ کے قریب ایک بے خوف نگران متعین ہے جو تمہارے ہر قول کو لکھ لیتا ہے۔)

سوم (۱) ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے کہ پشاور میں استبدادِ فرنگ نے ایک حشر بپا کر رکھا تھا۔ ہر روز بیسیوں افغان اُن کی گولیوں کا شکار بنتے اور سینکڑوں جیلوں میں پھینک دیئے جاتے۔ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک سفید رو چار بھرے ہوئے گورے کسی مشتبہ کی تلاش میں ایک بالا خانے پہ چڑھنے

گئے۔ اُوپر ایک عورت اپنے بچے کو دُودھ پلا رہی تھی۔ قدموں کی دھپ دھپ سے وہ گھبرا کر کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی اور جونہی وہ گورے نمودار ہوئے۔ اُس نے ایک چیخ لگائی اور گلی میں بچے سمیت کود پڑی۔ خود تو فوراً ہلاک ہوگئی۔ لیکن بچہ بچ گیا۔ کس نے بچایا اور کیسے بچایا؟ اس کا ایک ہی جواب ہو سکتا ہے۔ کہ غالباً عورت پیٹھ کے بل گری اور بچہ سینے سے لگا رکھا تھا۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ عورت پیٹھ کے بل کیوں گری۔ کیا یہ محض اتفاق تھا یا کسی مخفی ہاتھ نے اُس کا رُخ پھیر دیا تھا؟

(۲) میرا ایک پانچ سالہ بھتیجا چھت کی منڈیر سے سیدھا گلی کے پختہ فرش پہ جا پڑا۔ اور اُٹھ کر اندر چلا آیا۔ اُسے کس نے بچایا؟

(۳) جس اللہ نے ایک فرشتہ نحل کو فنِ شہد سازی سکھلانے پہ مقرر کر رکھا ہے۔ وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ (اللہ نے نحل کو بذریعۂ وحی یہ ہدایت کی کہ ....) کیا اُس نے سانپوں اور بچھوؤں پہ کوئی کنٹرولر (ان کی حرکات پہ ضبط رکھنے والا) مقرر نہیں کیا؟ اگر کیا ہے۔ تو کیا یہ سانپ اس کنٹرولر کے اشارے کے بغیر آپ کو کاٹ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

۱۹۱۱ء کا ذکر ہے کہ میں ایک کھیت میں سے اپنی بھینس کے لیے چارہ کاٹ رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ کوئی چیز میری دائیں ران کو مس کرتی ہوئی سرک رہی ہے۔ مڑ کر جو دیکھتا ہوں کہ ایک ڈیڑھ انچ موٹا سانپ ایک ایسے سوراخ سے نکل رہا ہے۔ جو میری ران کے عین نیچے تھا۔ میں سخت گھبرایا اور چیختا ہوا بھاگ نکلا۔ چالیس برس تک سوچتا رہا کہ اُس زہریلے ناگ نے مجھے کیوں معاف کر دیا۔ آخر قرآنِ حکیم نے اس مشکل کو حل کیا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الطَّارِقُ النَّجْمُ الثَّاقِبُ

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ؕ
(آسمانی دنیاؤں اور مسافران شب کی قسم، جانتے ہو کہ یہ رات کے مسافر کون ہیں؟ نجوم تاباں۔ ہم صرف حرکات نجوم ہی کی نگرانی نہیں کر رہے بلکہ ہم نے ہر ذی حیات پر کنٹرولر (حافظ) مقرر کر رکھے ہیں۔)
تقریباً ایک ماہ کا ذکر ہے کہ میں رات کے نو بجے گاؤں سے اسٹیشن کو جا رہا تھا۔ چاندنی رات تھی، میں ہمراہیوں سے باتوں میں مصروف تھا کہ اچانک اڑھائی فٹ سے ایک خوفناک پھنکار سنائی دی اور ایک مہیب ناگ راستہ چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ ٹھنڈی ریت پر سانپ سویا ہوا تھا۔ جب ہم قریب آ گئے تو اس کے کنٹرولر نے آ سے جگایا اور راہ سے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ تورات میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے آگے ایک فرشتہ چلا کرتا تھا۔
"میرا فرشتہ تیرے آگے چلے گا" (خروج ۲۳/۲۳)
"اور خداوند نے موسیٰ کو فرمایا کہ یہاں سے تو جا .... اور میں تیرے آگے ایک فرشتہ بھیجوں گا۔" (خروج ۲/۳۳)
لیکن مصیبت پشت کی طرف سے بھی آ سکتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے انسانی حفاظت کا مکمل انتظام کر رکھا ہے۔
لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ (رعد)
اللہ نے انسان کے آگے اور پیچھے چند نگران مقرر کر رکھے ہیں جو اُسے مصائب سے بچاتے ہیں۔
(۴) ۱۹۲۰ء میں کمال اتاترک ایک چٹان پر بیٹھ کر ستار بجا رہے تھے

کر یناٹی نوح نے کہیں سے دیکھ لیا اور مغا آگ برسانی شروع کر دی۔ آپ دوستوں کے اصرار کے باوجود وہیں بیٹھے رہے۔ ہزارہا گولیاں آپ کے کان کے پاس سے گزریں۔ لیکن آپ کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ صرف ایک گولی آپ کی جیبی گھڑی سے ٹکرائی۔ چونکہ دور سے آرہی تھی۔ اس لیے گھڑی کو توڑ گئی۔ لیکن کمال کو نقصان نہ پہنچا سکی۔ کیوں! اس لیے کہ آپ سے بچانے والے موجود تھے۔ اللہ نے جن سے کچھ کام لینا ہوتا ہے انہیں آگ سے بھی زندہ نکال لیتا ہے۔ گولی یا بم سے وہی مرتے ہیں۔ جن کی موت کے احکام خدائی دفتر سے نکل چکے ہوتے ہیں۔ اور جن سے محافظ چھین لیے جاتے ہیں۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بدکاروں کو فرشتوں کی حفاظت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ نتیجۃً وہ زمینی و آسمانی حوادث سے ہلاک ہو جاتے ہیں۔ لیکن نیک لوگ بچ جاتے ہیں۔

جب قومِ نوحؑ کو طوفان نے آلیا تو

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِیْنَةِ (قرآن)

(ہم نے نوحؑ اور اس کے پیرووں کو بچا لیا)

جب قومِ لوطؑ کی بستیوں پر آسمان سے آگ برسنے لگی تو ہم

وَنَجَّیْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا۔

(ابراہیمؑ اور لوطؑ کو بچا کر ایک ایسی زمین میں لے گئے، جہاں ہماری برکتیں برس رہی تھیں۔)

جب آلِ فرعون کو سمندر کی پھنکارتی ہوئی لہروں نے گھیر لیا اور جب اہلِ مدین کو بھونچال نے آلیا تو

فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ ۝

(ہم نے اپنے انبیا اور چند دیگر لوگوں کو بچا لیا اور بدکاروں کو تباہ کر دیا)

وَكَذٰلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(ہم اپنے نیک بندوں کی حفاظت اسی طرح کیا کرتے ہیں)

اور ہم نے حفاظت کا انتظام فرشتوں کے سپرد کر رکھا ہے۔ بدر میں ۳۱۳ بے سرو سامان مسلمانوں کو ایک ہزار سرتاپا مسلح حملہ آوروں کی دستبرد سے بچانے والے یہی فرشتے تھے۔

اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا

(ہم نے مسلمانوں کی امداد ملائکہ کی غیر مرئی افواج سے کی تھی)

اور قیصر کی اڑھائی لاکھ فوج کی یلغار سے مٹھی بھر مسلمانوں کو محفوظ رکھنے والے یہی غیبی لشکر تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ

(جو لوگ اللہ کو اپنا آقا تسلیم کرنے کے بعد اس کی غلامی کا پختہ عہد کر لیتے ہیں۔ ان پر ہمارے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور انہیں جنت کی بشارت دینے کے علاوہ کہتے کہ ہم دوست۔ ہم اس زندگی اور اس زندگی میں تمہارے دوست اور مددگار رہیں۔)

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۔

(اللہ نے ان کے رگ و ریشہ میں ایمان بھر دیا ہے اور روح (ملائکہ) سے ان کی مدد کی ہے)۔

چہارم: نزول وحی کا سلسلہ فرشتوں کے سپرد ہے اور وہ آیات ایسی ہیں کہ

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اللہ کا کلام نہیں ۔ بلکہ کسی عظیم الشان فرشتے کا کلام ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحاقہ)

(یہ قرآن کسی شاعر کا قول نہیں بلکہ رسولِ کریمؑ کا قول ہے)

" رسولِ کریم " کی تفسیر اس آیہ میں دیکھیے ۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ ط وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ط وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأُفُقِ الْمُبِينِ ط (انفطار)

(یہ قرآن اس رسولِ کریمؑ کا قول ہے ۔ جو بڑی قوت والا رب العرش کے ہاں بڑی عزت والا ۔ اور تمام آسمانوں میں واجب الاطاعت ۔ و امین سمجھا جاتا ہے ۔ تمہارے نبی دیوانہ نہیں ہیں ۔ انہوں نے اس رسولِ کریمؑ کو ایک روشن اُفق پہ دیکھا تھا ۔)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قلمدانِ شریعت اس رسولِ کریمؑ کے حوالے ہے جو خدائی ہدایت کے مطابق ایک کتاب تیار کرتا ہے اور پھر اللہ اسے ملائکہ کی وساطت سے انبیا پہ نازل کر دیتا ہے ۔ گویا قرآن رسولِ کریمؑ کی تصنیف ہے اور اللہ کی تنزیل ۔

پنجم : اللہ آقائے ارض و سما ہے ۔ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایوانِ عدل میں بایں شان جلوہ گر ہوں گے کہ

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ

(کئی لوگ اللہ کو ان جسمانی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں گے)

تو ؟ اللہ تعالیٰ میدانِ حشر میں تنہا داخل ہوگا ۔ اس کے ہمراہ عصا بردار

حامل بردار اور خدم و حشم نہیں ہوں گے۔ ضرور ہوں گے۔
كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۔

(جب اس زمین کی دھجیاں بکھیر جائیں گی تو تمہارا رب صف در صف فرشتوں کے ہمراہ بڑے جلال سے میدانِ قیامت میں آ لے گا)

تفاصیلِ گذشتہ کا ماحصل یہ ہے کہ فرشتے کائنات میں اللہ کے کارندے کارگاہِ تکوین و تخلیق میں ناظم الامر، ستیاروں، بادلوں اور ذی الحیات کے کنٹرولر انسانی زندگیوں کے محافظ، مدبر الوحی اور اللہ کے عصا بردار ہیں۔ اگر فرشتوں کا تصور دائرہ عقائد سے خارج کر دیا جائے، تو ارض و سما کے بے شمار مسائل چیستان بن کر رہ جائیں گے۔ باقی رہ گیا ایمان بالانبیاء و الصحائف تو اس کی اہمیت پر کافی بحث ہو چکی ہے۔

آپ نے ملاحظہ فرما لیا کہ جن عقائق کو اللہ نے ہمارے دائرہ ایمان میں شامل کیا ہے۔ ان کو تسلیم نہ کرنے کے نتائج کس قدر مہلک اور تسلیم کر لینے کے فوائد کس قدر زیادہ ہیں۔ ایمان کے بعد اعمال کا درجہ آتا ہے۔ آیئے اب اعمال پر غور کریں۔

اعمالِ صالحہ

جس طرح مختلف دواؤں کی تاثیریں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح اعمال کے نتائج بھی جدا جدا ہوتے ہیں۔ ورزش سے ایک انسان تنومند بنتا ہے نہ کہ ادبیات کا فاضل۔ سچ بولنے سے ساکھ بڑھتی ہے نہ کہ توند۔ ہل چلانے سے فصل اچھی ہوتی ہے نہ کہ ذہانت۔ تنظیم و اتحاد سے قومیں مضبوط بنتی ہیں نہ کہ

عمارات۔ علم و حکمت سے دل روشن ہوتے ہیں نہ کہ چراغ۔

لیکن

داد دیجئے اپنے مذہبی رہنما کی کہ اُس نے ایک ایسا نسخہ ڈھونڈ لیا ہے جو اس کے خیال میں تمام انفرادی اور اجتماعی امراض کے لیے تیر بہدف ہے۔ یعنی نماز۔ ملک پر دشمن حملہ کر دے تو نماز پڑھو۔ قوم قرض کے نیچے دب جائے، تو نماز پڑھو۔ جہالت سے ملت کا گھرانہ تاریک ہو رہا ہو۔ تو نماز پڑھو۔ کوئی دشمن تختِ سلطنت سے اٹھا کر فرش پہ دے مارے تو نماز پڑھو۔ فوج کے پاس اسلحہ نہ ہو تو نماز پڑھو۔ بن محنت امتحان میں جا بیٹھو، تو نماز پڑھو۔ ان لوگوں نے نماز کو ایسا امرت دھارا سمجھ لیا ہے۔ جو ہر زخم، ہر درد اور ہر بیماری کا علاج ہے۔ حالانکہ آج کی دنیا میں امریکہ روس اور انگلستان کے بےنمازوں نے دنیا کے ساٹھ کروڑ نماز خوانوں کو یوں دبوچ رکھا ہے۔ جس طرح جنگِ شاہین میں تیتر۔ یا شیر کے پنجوں میں گیدڑ۔ یہ لوگ اعمال کا منطقی تجزیہ نہیں کر سکتے۔ اور ان کے فطری نتائج تک نہیں پہنچ سکتے۔ ورنہ یہ حقیقت محتاجِ تفصیل نہیں کہ ہر انسان کو زندگی میں بےشمار فرائض سرانجام دینا پڑتے ہیں۔ اس نے روزی کمانا ہے، بیاہ کرنا ہے۔ گھر بنانا ہے علم حاصل کرنا ہے۔ باوقار و معزز بننا ہے اولاد و والدین کی پرورش کرنا ہے۔ ریلیں چلانی ہیں۔ موٹریں دوڑانی ہیں۔ احباب و اقارب کے حقوق ادا کرنا ہیں۔ انصافاً کہو کہ کیا یہ بےشمار قسم کے فرائض صرف نماز پڑھنے سے سرانجام پا سکتے ہیں؟

اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جن سے انفرادی زندگی مکمل ہوتی ہے اور دوسرے وہ جن سے حیاتِ ملی استوار ہوتی ہے۔ قرآن نے حیاتِ انسانی کے دونوں پہلوؤں کو پائندہ و محکم بنانے کے لیے نہایت تاب دار

ہدایات نافذ کی ہیں اور اسی لیے اسلام کو مذہب فطرت کہا جاتا ہے۔ یعنی قرآنی ہدایات سے فطرت کو انسانی فطرت (دل دماغ) کی نشوونما نگ جاتی ہے۔ جس طرح زعفران کی فصل ایک خاص طبیعی ماحول میں پیدا ہوتی ہے۔ اور مچھلی پانی ہی میں زندہ رہ سکتی ہے۔ اسی طرح حیات انسانی کی نمود صرف اسی فضا میں ہو سکتی ہے۔ جو خدائی احکام کی تعمیل سے پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً قرآن کی ایک ہدایت ہے عدل کرنا۔ اگر آج انصاف کو ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے نکال دیں۔ تو سارا ملک فتنہ و فساد کے شعلوں سے بھسم ہو جائے۔ یہی حال سچائی۔ دیانت داری اور دیگر اوصاف کا ہے۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۔

(وہ فطرت جس پہ انسان کی تخلیق ہوئی۔ ایک ہے، وہ غیر متبدل ہے۔ اسی کے تقاضوں کا نام دین قیم ہے۔)

چوری، عیاشی، ناراستی، کجروی اور غنڈا پن تقاضائے ہوس ہیں۔ اور خیر و تقویٰ اقتضائے فطرت، بدکاری سے شیطنت نشوونما پاتی ہے۔ اور نیکی سے انسانیت یعنی فطرت۔ تنزیل کتاب سے اللہ کا مقصد نمود انسانیت تھا اور انسان کا مقصد اسرار کائنات کو بے حجاب کرنا تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ جہانِ ہست و بود کا سب سے بڑا راز خود اللہ ہے۔

نمود اس کی نمود تیری	نمود تیری نمود اس کی
خدا کو تو بے حجاب کر دے	خدا تجھے بے حجاب کر دے

(اقبال)

اجتماعی اعمال

قرآن پہ نظر ڈالنے سے پہلے عصر حاضر کی زندہ اقوام مثلاً روس و امریکہ کو دیکھو کہ ان کی سطوت کا راز کیا ہے۔ اور وہ کون سے اعمال ہیں جن کی بدولت ان کی قوت و ہیبت سے ساری کائنات کانپ رہی ہے۔ ان سوالات کا جواب ہر شخص یہی دے گا۔

(۱) کہ ان کے پاس علم ہے جو قوت کا سب سے بڑا منبع ہے۔ اسی سے ہوائیں اور فضائیں مسخر ہوتی ہیں۔ اسی سے لوہے کا بے جان ٹکڑا توپ۔ ٹینک اور طیارے کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی سے زمین اپنے خزائن انسانی کے قدموں پہ انڈیلنے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے۔ اسی سے عناصر ایٹم بم کی صورت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اور اسی سے اسرار کائنات بے حجاب ہونے پہ مجبور ہو جاتے ہیں۔

(۲) کہ وہ اتحاد و تنظیم کے زندہ پیکر ہیں۔

(۳) کہ وہ ایثار، جاں بازی، جفاکشی، محنت، مطلب اور بلند کردار کے اوصاف سے متصف ہیں اور قرآن بھی یہی اوصاف اپنے پیروؤں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ان اعمال کی بدولت عملاً مسلم ہیں۔ اور ہم مسلمان عملاً کافر۔ اللہ اعمال کو دیکھتا ہے نہ کہ خالی عقائد کو۔ وراثت ارض اللہ کا سب سے بڑا انعام ہے جو بلند کردار اور صالح الاعمال اقوام کو دیا جاتا ہے۔ صلاحیت سے مراد لمبی ڈاڑھی، تسبیح ڈھیلا اور استنجا نہیں۔ بلکہ وہ علم ہے۔ جس کی تجلیاں دل و وجود

کو چیر کر نکل جائیں۔ وہ عملی توحید تنظیم ہے جو قوم کو فولادی چٹان بنا دے۔ وہ جذبہ جانبازی ہے جس کی ہیبت سے موت کانپ اٹھے۔ وہ سوز تلاش و طلب ہے۔ جس کے سامنے زندگی کی بلند منازل سربسجود ہو جائیں۔ اور وہ خون گرم ہے جس سے بجلیاں تپش حاصل کریں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ٥

(ہم نے آئینہ صلاحیت کی تفصیل (الذکر) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا۔ کہ زمین کے وارث میرے **صالح الاعمال** بندے ہوں گے"

"صالح" کا مصدر "صلاحیت" ہے۔ یعنی ایسے اعمال جو زندہ رہنے کی **صلاحیت پیدا کریں۔**

زبور میں درج ہے۔

"خداوند صادقوں کا مددگار ہے۔ خداوند دینداروں کے دلوں کو پہچانتا ہے اور ان کی میراث ابدی ہوگی ٥ (زبور ۳۷/۱۸)

"جن پر خدا کی برکت ہے۔ وہ زمین کے وارث ہوں گے اور ملعون کٹ جائیں گے ٥ (زبور ۳۷/۲۲)

"شریروں کی نسل کٹ جائے گی اور صادق زمین کے وارث ہوں گے" (زبور ۳۷/۲۸-۲۹)

علم: انسان کے بغیر باقی تمام ذی حیات کو جس قدر علم کی ضرورت تھی۔ اُن کی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ آشیانہ کیسے بنانا ہے۔ انڈوں سے بچے کس طرح نکالنے ہیں۔ پھر اُن کی تربیت کیسے کرنا ہے۔ ان مسائل کو سیکھنے کے لیے ایک پرندہ کو کسی ٹریننگ کالج میں جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسلئے

کہ یہ سب علوم اس کی فطرت میں ڈال دیئے گئے ہیں۔ مرغی کے بچے کو پہلے دن سے معلوم ہوتا ہے کہ چیل اس کی دشمن ہے۔ لیکن انسان کا ننھا سا بچہ بچھو اور سانپ کے ساتھ کھیلنے سے باز نہیں آتا جنگلی جانوروں (بھیڑ بکریاں گیدڑ وغیرہ) کو الہاماً معلوم ہوتا ہے کہ کونسی چیز ان کی صحت کے لیے مضر ہے۔ نتیجۃً وہ ان سے احتراز کرتے ہیں اور بیمار نہیں ہوتے۔ دوسری طرف انسان اصولِ صحت سے اس قدر جاہل واقع ہوا ہے کہ ہر شہر میں بیسیوں ڈاکٹر اس کی خدمت کے لیے موجود ہیں اور کتب طب سے الماریاں بھری پڑی ہیں۔ پھر بھی اس کی صحت کی چولیں ہمیشہ ڈھیلی ہی رہتی ہیں۔

انسان فطرتاً جاہل ہے۔ جہالت تمام جسمانی، روحانی، اخلاقی، شخصی اور ملی امراض کی علتِ اولیٰ ہے۔ جہالت ایک سنگ گراں ہے جو انسانیت کو کچل دیتا ہے۔ یہ ایک تہ بہ تہ ظلمت ہے جو دل و دماغ کو تاریک بنا دیتی ہے۔ جہالت نہ صرف دین و دنیا کو تباہ کر دیتی ہے۔ بلکہ انسان کی صورت تک کو بگاڑ دیتی ہے۔ حیوان کو تمام ضروری اشیا کا علم الہاماً عطا کر دیا گیا تھا لیکن انسان کو الہاماً کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ بلکہ فرمایا کہ علم حاصل کرو اور علم کی روشنی میں زندگی کی راہوں پر بڑھو۔ بدیگر الفاظ ایک بے علم و جاہل انسان چوپائے سے بدتر ہوتا ہے۔

(اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ (قرآن)

(جاہل لوگ چوپاؤں سے بھی بدتر ہوتے ہیں)

اسلئے کہ چوپائے کے پاس ضروری علم موجود ہوتا ہے اور بے علم انسان کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ عالم و جاہل برابر نہیں ہو سکتے۔

قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (قرآن)

(اے رسول! اعلان کر دے کہ عالم و جاہل مساوی نہیں ہو سکتے)

علم انسان کو مکمل کرتا ہے۔ اسے آقائے ارض و سما بناتا ہے۔ اسے سیاست تدبیر، جہانگیری و جہانبانی کے گُر سکھاتا ہے۔ اسے مسجودِ ملائک بناتا ہے علم ہی کی بدولت انسان تاروں پہ کمند پھینکتا ہے۔ آتش و آب کا غرور توڑتا ہے۔ سرکش سمندروں کو لگام دیتا ہے۔ ماہ و انجم کو اپنی خدمت پہ لگاتا ہے اور شعاعوں، شعلوں اور بجلیوں کو اپنا غلام بناتا ہے۔ سچ ہے۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (قرآن)

(جسے علم کی نعمت مل گئی۔ وہ گویا بہت بڑی دولت (خیراً کثیراً) کا مالک بن گیا۔)

آج مسلمانانِ عالم میں ضعف و احتیاج کیوں ہے۔ اُن کی معادن پر اغیار کیوں قابض ہیں۔ ایران اپنا تیل انگریز سے کیوں خرید رہا ہے۔ والیانِ عراق و عرب نے اپنے خزائن فرنگ کے حوالے کیوں کر رکھے ہیں اس لیے کہ وہ خود جاہل ہیں اور ان کے علما نے انہیں کہہ رکھا ہے کہ خبردار علومِ طبیعی کے قریب نہ جانا۔ ورنہ ہم تمہاری ستر پشتوں کو کافر بنا دیں گے۔ کج نظری و کور دماغی کی انتہا دیکھیے کہ جن علوم سے ہم عظیم و مہیب بنتے ہیں جو ہمیں غارت گرانِ فرنگ سے نجات دلا سکتے ہیں۔ جو ہماری اقتصادی و سیاسی احتیاج کو دُور کر سکتے ہیں۔ اور جن کی اہمیت کو اللہ نے سات سو چھتیں آیات میں واضح فرمایا ہے۔ ان کا حصول تو مادہ پرستی۔ الحاد اور کفر ہے۔ لیکن قطبی و میر قطبی کے خرافات میں عمر گذار دینا عین اسلام ہے۔ مُلّا کا قصور نہیں اس لیے کہ

پوشیدہ ہیں بیچارے مُلّاؤں کی نظر سے ... شاہینِ فلک سیر کے احوال و مقامات

(اقبال بہ ترمیم)

تسخیرِ کائنات: اس اہم موضوع پر ایک پوری کتاب (دو قرآن)[1] کہہ چکا ہوں اس کا مطالعہ فرمایئے۔

اتحاد: ایک خدا پر ایمان کا نام ذہنی توحید ہے اور ہر ایک لحاظ سے ایک ہو جانا عملی توحید۔ جو لوگ ہر اذان کے بعد بڑے ادب سے کلمہ شریف پڑھتے ہیں لیکن فتنہ و نفاق کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ ایسے لوگ ذہناً مُوَحّد اور عملاً مشرک ہیں۔ توحید کے نتائج برائی العین دیکھنا ہوں تو سمندر کے ساحل پر جایئے۔ آپ پانی کی اس ہیبت دنیا میں پھنکارتی اور دھاڑتی ہوئی لہروں کو دیکھ کر غش کھا جائیں گے۔ یہ سمندر کیا ہے۔ بادل کی منتشر بوندیاں کوہ و بیابان پر برسیں۔ پہلے نالوں پھر دریاؤں میں تہہ جل ہوگئیں اور آخر کار سمندر بن گئیں۔ سمندر لا تعداد کمزور بوندیوں کے اتحاد کا نام ہے۔ کہاں وہ کمزور بوند جو چیونٹی کی نازک کمر کو بھی نہیں توڑ سکتی تھی۔ اور کہاں یہ سمندر جس کی بپھری ہوئی لہروں نے بارہا دس دس ہزار ٹن کے فولادی جہازوں کو اٹھا کر پانچ پانچ سو گز دور خشکی پر اچھال پھینکا۔ مٹی کے حسین ذرات متحد ہو کر ہمالہ و الوند بن گئے۔ اور بادِ نسیم کی ہلکی ہلکی لہروں نے بارہا ایسے طوفانوں کی صورت اختیار کر لی جن سے محلات کی چھتیں اڑ گئیں اور مضبوط پیڑ جڑ سے اکھڑ گئے۔

ایک وقت تھا جب مسلمان متحد ہو کر سیلاب کی طرح اقصائے عالم پر چھا گئے تھے۔ اُن کی ہیبت سے ہفت اقلیم گیتی لرزہ براندام تھیں۔ جب وہ صاعقہ کی گرجتی ہوئی گھٹاؤں کی طرح کسی ملک کی طرف بڑھتے تھے۔ تو فضا میں الامان و الحذر کی صداؤں سے گونج اٹھتی تھیں۔ ان کے خیالوں اور ارادوں میں وحدت تھی اور ان کے لہو میں بجلیاں کوندی تھیں۔ لیکن جب یہ قوم اصنامِ ہوا کی پرستش پر اُتر آئی

---

[1] ملنے کا پتہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز چوک انارکلی لاہور۔

اور عملاً مشرک ہو گئی۔ تو اللہ نے اس کے گھرانے میں تلوار چلا دی۔ اس کی بستیاں اکھاڑ دیں۔ اس کی سلطنتیں تہ و بالا کر دیں اور

فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ (الشعراء)

ہم نے انہیں باغوں، چشموں، خزانوں اور زندگی کی بلند منازل سے اٹھا کر دور پھینک دیا۔)

توحید وہ قوت ہے۔ جس کے بل پر چنگیزی ڈاکوؤں نے چین سے لے کر مصر اور ماسکو سے لے کر دریائے سندھ تک ایک عظیم سلطنت قائم کر لی تھی۔ ان لوگوں کا کوئی مذہب نہ تھا۔ خدا تک کے قائل نہ تھے۔ پاک و ناپاک میں تمیز نہیں کر سکتے تھے۔ حرام و حلال کے تصور تک سے ناآشنا تھے۔ لیکن وہ متحد ہو کر عملاً موحد ہو گئے اور ان کی تلوار نے قولی موحدوں کی دھجیاں اڑا دیں۔

نتائج اعمال کا انکار کرنے والے کج دماغو! ان واقعات کا بچشم بصیرت سے مطالعہ کرو۔ اور بتاؤ کہ جب تم توحید کو چھوڑ کر ہوا و ہوس کی پرستش رہے ہو۔ بات بات پر ایک دوسرے سے لڑ رہے ہو۔ تمہارے تمام ادارے سازشوں، شرارتوں اور فتنوں کا گھر ہیں۔ تمہاری اسمبلیاں جنگ کے اکھاڑے ہیں۔ تمہاری لیڈریاں خود پرستی کے مظاہرے ہیں اور تمہاری لیگیں دنیا طلبی کی آڑ ہیں تو اللہ تمہارا کیوں لحاظ کرے۔ کیا اللہ نے آج تک کسی کا لحاظ کیا ہے۔ کیا اس نے آج تک تمہاری ایک سو انیس سلطنتیں تباہ نہیں کیں۔ تمہیں تارا سنگھ کی کرپان اور ہلاکو کی تلوار سے گاجر مولی کی طرح نہیں کٹوایا۔ تو پھر گھمنڈ کس چیز کا۔ تم کو کس احمق نے بتایا ہے کہ خدا صرف تمہارا ہے۔ اگر صرف تمہارا ہے تو پھر دنیا کے ہر خطے میں اہل فرنگ سے تمہاری جماعت کیوں پٹوا رہا ہے۔ تمہارے مصر و شام کو یہودیوں سے کیوں پٹوا رہا ہے اور

تمہارے پاکستان کا کشمیر اور جوناگڑھ بھارت کے حوالے کیوں کر رکھا ہے مبت
بھولو کر خدا کسی ایک قوم کی ملکیت نہیں۔ وہ ہمیشہ بلند اعمال اقوام کے ساتھ
رہا ہے اور رہے گا۔ وہ صرف اعمال کو دیکھتا ہے۔ ناموں اور نشانوں
قباؤں اور عباؤں۔ زبانی کلمہ خوانیوں اور تلاوتوں، مصلوں اور کوزوں
کو نہیں دیکھتا۔ اس کے انعامات اہل کردار پر برستے ہیں نہ کہ غازیانِ
گفتار پر۔ یاد رکھو کہ جب تک تم اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے نہیں تھامو گے
تمہارا ضعف بڑھتا جائے گا۔ اور تمہارا پاکستان تم سے چھین
لیا جائے گا۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا۔

(سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور انتشار سے بچو)

ہمیں مُلّا نے اس فریب میں مبتلا کر رکھا ہے کہ پیارے حبیب کی پیاری
اُمّت اللہ کو اتنی پیاری ہے کہ وہ لاکھ خرمستیاں کرے۔ شراب
پیئے، جُوا کھیلے، جاسوسی کرے۔ بلیک مارکیٹ سے غربا کو بھوکا مارے۔
رشوت کمائے بیٹھوٹ بولے۔ اللہ تعالیٰ بڑا ارحم الراحمین ہے۔
وہ اپنے حبیب کے صدقے ہمیشہ اسے معاف ہی کرتا جائے گا۔

کاش کہ مُلّا نے ایک مرتبہ بھی قرآن کو عقل سے پڑھا ہوتا۔ اقوامِ ماضیہ
کے حالات کا بچشمِ عبرت مطالعہ کیا ہوتا اور اسے اللہ کی عادت سے کچھ
بھی آگہی ہوتی، تو وہ قوم کو یوں مبتلائے پندار نہ بناتا۔

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ
مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّ

جَعَلْنَا الْاَنْهَارَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝ (قرآن)

(کیا یہ لوگ سوچتے نہیں کہ ہم ان سے پہلے کتنی ہی ایسی قوموں کو تباہ کر چکے ہیں جن کی شان و شوکت تم سے زیادہ تھی۔ ہم ان کی کھیتیوں پر چھما چھم بارشیں برساتے تھے اور ان کی زمینوں میں چشمے جاری کر رکھے تھے۔ لیکن جب یہ قوم بد عمل ہو گئی، تو ہم نے اُسے تباہ کر دیا اور اس کا وارث کسی اور قوم کو بنا دیا۔)

بدکار اقوام کو مٹا دینا اللہ کی قدیم سنت ہے۔ مشیتِ ایزدی کی چکیاں بے پناہ تندی سے چل رہی ہیں اور جو قوم ان کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ وہ میدے کی طرح پس جاتی ہے۔

وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (قرآن)

(ہماری راہوں کو چھوڑنے والا کوئی ہو (ہم اسے پیٹ ڈالیں گے)
اس لیے کہ ہم اقوام عالم سے بے نیاز واقع ہوئے ہیں۔)

ایثار: جو قوم مرنا نہیں جانتی، وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ یہ دنیا اشرار و کفار سے لبریز ہے۔ تمہارے ارد گرد ایسی اقوام موجود ہیں۔ جو تمہیں ہڑپ کرنا چاہتی ہیں۔ ان کی نگاہیں تمہارے تیل کے چشموں، زرخیز زمینوں، دریاؤں، نہروں اور پٹ سن پہ لگی ہوئی ہیں۔ اگر یہ لوگ تم پہ حملہ کر دیں تو ظاہر ہے کہ اگر تم میں جذبۂ جانفروشی نہیں ہوگا۔ تو تمہیں بچانے کے لیے فرانس اور بلغاریہ کی فوجیں ہرگز نہیں آئیں گی۔

افراطِ دولت زندگی سے محبت پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے زراندوزی سے بار بار منع فرمایا۔

وَیْلٌ لِّکُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ نِ الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۔

(اس بدگو اور بدبیں کی قسمت میں تباہی لکھ دی گئی ہے۔ جو دولت کو جمع کر کے اُسے گنتا رہتا ہے۔)

جذبۂ جاں فروشی عموماً انہی لوگوں میں پایا جاتا ہے۔ جو مفلس ہوں۔ یا روس، امریکہ اور جاپان کی طرح انہیں حیات نَو سے عشق ہو۔ جس قوم کے رگ و ریشہ میں محبتِ مال داخل ہو جاتی ہے۔ وہ مصائب سے بھاگتی اور جہاد سے جان چُراتی ہے۔ ۱۹۳۶ء میں اطالیہ کے آمر مطلق مسولینی نے ایک تقریر میں کہا تھا۔

"وہی قوم دنیا میں زندہ رہ سکتی ہے جو مرنا جانتی ہو۔ جس قوم کے نوجوان سال میں ایک مرتبہ جنگ کا مزہ نہ چکھیں۔ وہ قوم سہل انگار بن کر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتی ہے۔"

عصرِ حاضر میں کسب رزق کے وسائل اتنے زیادہ ہیں کہ ہر قوم کے سہل پسند بننے کا خطرہ ہر وقت دامن گیر رہتا ہے۔ آمر المانیہ یعنی ہٹلر نے اس خطرے کا انسداد یوں کیا تھا کہ ۱۷ سے ۴۵ برس کی عمر تک ہر فرد کے لیے فوجی تربیت لازمی قرار دے دی تھی۔ وہ کالجوں کے طلبہ کو ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ بستر سمیت بارہ میل چلاتا تھا۔ دیگر نوجوانوں کو مہینوں برفوں اور تپتے ہوئے صحرائوں میں رہنے پر مجبور کرتا تھا۔ اور فوجیوں کو ایک ایسے خشک اور سخت نظام میں جکڑ رکھا تھا کہ انہیں چارپائی پر سونے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ ہفتہ میں دو دن روزہ رکھتے تھے اور صبح شام گھنٹوں ورزش کیا کرتے تھے۔

دنیا کی دیگر بیدار مغز اقوام بھی اپنے نوجوانوں سے کچھ اسی قسم کا برتاؤ

کیا کرتی ہیں۔ ہر آزاد ملک میں فوجی تربیت لازمی ہے۔ ہر جگہ کیمپ لگائے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ جوان جن پر حفاظتِ ملک کا فرض عاید ہوتا ہے۔ کہیں شکست نہ بن جائیں۔ اسلام کے فریضۂ صوم کا مقصد بھی یہی تھا۔ کہ قوم کی قوم مشقت کش رہے اور وقت آنے پر اپنی حفاظت خود کر سکے۔

اسلام میں دولت کمانا جرم نہیں۔ بلکہ اُسے جمع کر کے عیاش امیر بننا جرم ہے۔ اللہ نے مسلم کی دو چیزوں کو اپنی خاص ملکیت قرار دے دیا ہے یعنی جان اور مال۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ ۔

(اللہ نے مسلمانوں سے دو چیزیں لے لی ہیں۔ یعنی جان اور مال)

ہم ان دونوں میں خیانت نہیں کر سکتے۔ مال کو عیاشی، بدکاری، قمار بازی اور سیر و تفریح پہ ضائع کرنا گویا کہ اللہ کی امانت میں خیانت ہے۔ ہم مال کو اُنہی مدّوں پہ خرچ کر سکتے ہیں، جو اللہ نے تجویز کی ہیں۔ یہاں تو ان مدات کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ لیکن دولت کا صحیح ترین مصرف وہ ادارے ہیں جو قوم کو زندگی، قوت اور استحکام بخشتے ہیں۔ مثلاً تحقیقِ عناصر کا ادارہ۔ لیبارٹری اسلحہ ساز کارخانہ۔ لائبریری۔ نوجوانوں کو فنونِ اعلیٰ کی تحصیل کے لیے ممالکِ فرنگ میں بھیجنا۔ بندرگاہیں بنانا۔ قوم کے لیے طیارے اور جہاز خریدنا۔ وغیرہ وغیرہ اور جان کی خیانت یہ ہے کہ ہم منشیات کے استعمال یا عیاشی سے ہمارے جسم کو اتنا کمزور کر لیں کہ وہ کسی کام کا نہ رہے۔ ایک فرلانگ بھی چلیں تو سانس پھول جائے اور تحمل و شدائد کی طاقت بالکل باقی نہ رہے۔

آج کل ایثار کا وصف بھی فرنگ ہی میں پایا جاتا ہے۔ گذشتہ جنگ

(۱۹۳۹-۴۵) میں جب برطانیہ میں لوہے کی کمی ہو گئی اور مسٹر چرچل (وزیر اعظم) نے قوم کو اس کمی کی طرف متوجہ کیا، تو اس بہادر اور ایثار پیشہ قوم نے صرف سات دن میں نوتے لاکھ ٹن لوہا اپنے امیر کی خدمت میں پیش کر دیا وہ اس طرح کہ ہر شخص نے بالائی منزل سے گارڈر نکال لیے۔ جنگلے توڑ ڈالے۔ شیڈ اکھاڑ دیئے۔ فالتو سائیکل۔ بگھیاں۔ گڈے اور گھر کا سامان سب سمیٹ لیا اور لوہے کی عارضی قلت کو دور کر دیا۔

مغرب کی مشہور یونیورسٹیاں مثلاً آکسفورڈ۔ کیمبرج وغیرہ پبلک کی فیاضی سے چل رہی ہیں۔ برٹش میوزیم کی پونے دو کروڑ کتابیں (باستثنائے چند) قوم نے مہیا کی ہیں، جب کوئی بڑا آدمی مرتا ہے۔ تو وہ اپنی دولت کا ایک معتد بہ حصہ کسی یونیورسٹی یا تحقیقی ادارے کے حوالے کر جاتا ہے۔ اس قوم کا کردار ہی قومی تقاضوں کے قالب میں ڈھلا ہوا ہے۔ وہاں ہر صبح سینکڑوں امراء شب خوابی کے لباس میں موٹریں لے کر نکلتے ہیں۔ اور جہاں کہیں کوئی طالب علم نظر آتا ہے۔ اسے اپنی درسگاہ تک پہنچا آتے ہیں۔ وہاں بعض درسگاہیں کافی فاصلے پر واقع ہیں۔

اور دوسری طرف اہلِ پاکستان کا یہ عالم ہے کہ حضرت قائداعظم کے بغیر آج تک کسی اور صاحبِ دولت نے اپنی جائداد کسی دانش گاہ یا تجربہ گاہ کے حوالے نہیں کی اور کسی نے ایک کتاب تک لائبریری کے لیے نہیں خریدی یہاں کیمبلپور کا ذکر ہے کہ ہمارے کالج میں پنجاب کے گورنر سردار عبدالرب نشتر تشریف لائے۔ پرنسپل نے شعبۂ طبیعیات کی توسیع کے لیے اپیل کی۔ ضلع کے تین بڑے بڑے امرا نے ایک معین رقم کا اعلان کیا لیکن مسلسل یاد دہانیوں کے باوجود وہ آج تک وصول نہ ہو سکی۔

جس قوم کی خود پرستی ۔ بدعہدی اور حُبّ المال (وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا) کا یہ عالم ہو۔ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔
اے اُمرائے پاکستان! اگر تم خدا اور رسولؐ کی بات سُننے کو تیار نہیں اگر فاروقؓ و علیؓ کا اسوۂ حسنہ تمہارے لیے بیکار ہے تو انگریز ہی کے نقشِ قدم پر چل کر دکھاؤ۔ وہی انگریز جس کے جانے کا تمہیں سخت السوس ہے۔ اور جس کے دوبارہ آنے کے لیے تم دُعائیں مانگ رہے ہو۔

فلک نے اُن کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں
خبر نہیں روشِ قوم پروری کیا ہے

(اقبال بہ ترمیم)

عدل: عدل کی تعریف علمائے لسانیات نے یوں کی ہے وضع الشئ فی محلہٖ یعنی کسی چیز کو اپنے صحیح مقام و محل پر رکھنا۔ عدل ہی کے بل پہ یہ ارض و سما قائم ہیں۔ اگر کوئی سیارہ اپنے مقام سے ایک انچ سرک جائے تو نیلگوں فضاؤں کے کروڑوں آفتاب ایک دوسرے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں۔

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔

(اللہ نے آسمانوں کو اٹھا کر اُن میں عدل و توازن قائم کر دیا۔)
اگر آج اقلیم انسانی سے عدل کو خارج کر دیا جائے تو ظلم و ستم کا سیلاب ہماری بلیا دوں تک کو بہالے جائے۔ اقوام عدل ہی سے زندہ رہتی ہیں۔ جب کسی مملکت میں انصاف نہیں رہتا۔ عدالتیں ظلم سے بھر جاتی ہیں ، حکام کیسہ تراشی و کفن دوزدی پہ اُتر آتے ہیں تو عوام میں شدید اضطراب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو بالآخر بغاوت کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔

روس کے زار بے حد ظالم اور عیاش واقع ہوئے تھے۔ آخر عوام کا اضطراب لینن کی صورت میں نمودار ہوا۔ زاروں کا تختہ الٹ گیا اور اُن کے ساڑھے تین کروڑ بہی خواہ موت کے اندھیرے میں دھکیل دیئے گئے۔ یہی حال آج سے دس یوم پہلے مصر کے فرمانروا شاہ فاروق کا ہوا تھا۔

بعض عیسائی اور ہندو کہتے ہیں کہ اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔ مجھے اُن سے اتفاق ہے۔ لیکن جو تلوار مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اس کا دوسرا نام عدل تھا۔ تاریخ اُٹھا کر دیکھو، ہر تاریخ میں یہ واقعہ ملے گا۔ کہ جب قیصرِ روم کے ناگہانی حملہ سے ابو عبیدہؓ (شام کے سالارِ اعلیٰ) کو شام کا ایک شہر حمص خالی کرنا پڑا، تو اس نے پادریوں اور دیگر عمائدِ شہر کو بلا کر کہا:

"ہم نے تم سے اس لیے مالیہ وصول کیا تھا کہ اُسے تمہاری حفاظت و اصلاح پر خرچ کریں گے۔ چونکہ ہمیں یہ شہر مجبوراً چھوڑنا پڑا ہے۔ اس لیے اپنا مالیہ (سات لاکھ درہم) واپس لے لیجیے۔"

مسلمانوں کے اس حیرت انگیز عمل اور جہاں افروز عدل کو دیکھ کر سب سے بڑے پادری نے کہا:

"عدل و انصاف کا کوئی کارنامہ آپ کے اس شاہکار سے عظیم تر نہیں ہو سکتا۔ یسوع کی قسم اگر کسی وقت ہمیں اپنا فرمانروا خود منتخب کرنے کی آزادی نصیب ہوئی، تو ہم صرف تمہیں اپنا والی بنائیں گے۔"

فتح خیبر کے بعد اہلِ خیبر اور حضور علیہ السلام میں ایک معاہدہ ہوا تھا۔ جس کی رُو سے ہر سال خیبر کی نصف پیداوار بیت المال میں آتی تھی۔ ایک سال عبداللہ بن رواحہؓ تقسیم حاصل کے لیے گئے۔ آپ نے تمام غلّہ دو حصوں میں بانٹ کر اہلِ خیبر کو اختیار دے دیا کہ جو حصہ چاہیں لے

ہیں۔ ان لوگوں نے بہت سا زیور جمع کر کے آپ کو رشوت دینا چاہی۔
آپ نے فرمایا:
"تم لوگوں نے رشوت پیش کر کے مجھے اشتعال دلایا ہے۔ لیکن یاد رکھیئے کہ میں اشتعال کی حالت میں بھی انصاف کو نہیں چھوڑوں گا؟"
یہودیانِ خیبر آپ کے عظیم کردار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اُن میں سے ایک بے ساختہ بول اُٹھا۔
"خدا کی قسم زمین و آسمان اسی انصاف کے بل پر قائم ہیں"
ایک یہودی زید بن سعد نے حضور علیہ السلام سے کچھ قرض لینا تھا۔
ایک دن بھرے مجمع میں وہ حضورؐ سے گستاخانہ کلام کرنے لگا۔ حضرتِ فاروق جو بھڑکے، تو آپ نے فرمایا:
"عمرؓ! تم ظلم کر رہے ہو، قرض میں نہیں دیتا اور تم قرض خواہ سے اُلجھ رہے ہو۔ مجرم میں ہوں نہ کہ یہ۔ تم ایک مجرم کی حمایت کر رہے ہو"
حضرت عمرؓ نے وفات سے پہلے فرمایا!
"میں اپنے جانشین کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ غیر مسلموں سے تمام معاہدات کو نبھائے اور ان کی حفاظت کے لیے جان بھی دینی پڑے تو دے دے!"
ایک مرتبہ غیر مسلموں کا ایک وفد حضرت فاروقؓ کی خدمت میں آیا۔
آپ نے جب اپنے حکام کے متعلق ان کی رائے طلب کی۔ تو انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔
مَا رَاَیْنَا مِنْھُمْ اِلَّا وَفَاءً وَّ مَلَکَۃً۔
(ہم نے اُن میں وفاداری اور بہترین سلوک کے بغیر اور کچھ نہیں دیکھا)

اس طرح کی ہزارہا حکایات ہماری تاریخ میں درج ہیں۔ ہمارے بزرگوں کا یہی وہ عدل تھا جس نے مصروشام کے یہود و نصاریٰ اور ایران و عراق کے آتش پرستوں کے دل موہ لیے تھے اور وہ تمام لوگ صرف چند برس کے اندر اندر اپنے آبائی مذاہب کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

اس وقت ہندوستان میں چار کروڑ مسلمان موجود ہیں۔ جو جن سنگھیوں، سیوا سنگھیوں اور سکھوں کی دست بُردسے، لوٹ مار اور قتل و ضرب سے سینکڑوں کی تعداد میں ہر روز مر رہے ہیں۔ چونکہ وہاں کی پولیس اور عدالتیں بھی اسی ذہنیت کی مالک ہیں۔ اس لیے مجرموں کو اوّل تو گرفتار ہی نہیں کیا جاتا اور اگر کوئی بدبخت پکڑا ہی جائے، تو اسے عدالت چھوڑ دیتی ہے۔ اس ظلم و ستم کا جواب ہرگز یہ نہیں کہ ہم بھی ذلیل بن کر ان ڈیڑھ کروڑ ہندوؤں کو پیٹنا شروع کر دیں۔ جو پاکستان میں رہتے ہیں۔ ہم حاملینِ قرآن ہیں۔ ہم نے عدل و انصاف اور رحم و احسان کا وہ بلند نمونہ قائم کرنا ہے کہ بھارت کے ہندو مؤرخ بھی ہماری تعریف کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ہمیں صرف عدل ہی کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ احسان کی بھی تعلیم دی گئی ہے۔ اور احسان کا مفہوم ہے "حق سے کچھ زیادہ دینا" عدل و احسان کی اہمیت اس بات سے واضح ہے کہ تمام دنیائے اسلام میں ہر جمعہ کو ہر خطیب اللہ کے اس حکم کو یوں دہراتا ہے۔

عِبَادَ اللّٰہِ اَسْتَغْفِرُ وا اللّٰہَ ط اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ

(اللہ کے بندو! اللہ سے کوتاہیوں کی معافی مانگو۔ اللہ تمہیں **عدل و احسان کا تاکیدی حکم** دیتا ہے۔

پاکستانی ہندو تو ہر لحاظ سے ہمارے بھائی ہیں۔ ہمیں تو اللہ نے اُن اقوام

سے بھی انصاف کرنے کا حکم دیا ہے جو ہم سے برسرپیکار رہیں اور ہمیں ستانے کے لیے سامان رزم لگا رہی ہوں۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی۔ (المائدہ)

(اے اہل ایمان! تم اللہ کی راہوں پر ثابت قدم رہو اور انصاف کی تبلیغ کرو۔ کسی قوم کی عداوت کی وجہ سے بے انصافی پر مستعد نہ ہو ہر حال میں انصاف کرو کہ تمہارا بچاؤ (تقویٰ) انصاف ہی میں ہے)

اور جو اقوام ہم سے برسرپیکار نہ ہوں۔ اُن کے ساتھ نہ صرف انصاف کا حکم دیا ہے۔ بلکہ احسان کی بھی ہدایت کی ہے۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝

(جو لوگ تم سے مذہب کی خاطر شمشیر آزما نہیں ہوئے اور انہوں نے تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ ان کے ساتھ عدل و احسان سے پیش آؤ۔ اس لیے کہ اللہ اہل انصاف کو بہت پسند کرتا ہے۔)

اگست ۱۹۴۷ء کے فسادات میں اسی ہزار مسلم خواتین سکھوں نے دبوچ لیں۔ ان میں سے چند ایک کو بعد از استعمال لوٹا دیا۔ ایک بہت بڑی تعداد کو جو مر جانے پر موت کی نیند سلا دیا اور دس بارہ ہزار کو سکھ بنا کر گھروں میں رکھ لیا۔ انتقاماً مسلمانان پاکستان نے بھی آٹھ دس ہزار غیر مسلم خواتین رکھ لیں جن میں سے چھ سات ہزار لوٹا دیں۔ کچھ مسلم بنا لیں اور کچھ پولیس کے خوف

نے یا تو ہلاک کر دیں اور یا بیچ ڈالیں۔

اس صورتِ حال پر قرآن کا فیصلہ ملاحظہ فرمایئے:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْأَلُوا مَا أَنفَقْتُمْ وَلْيَسْأَلُوا مَا أَنفَقُوا ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ. وَإِن فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ أَزْوَاجُهُم مِّثْلَ مَا أَنفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنتُم بِهِ مُؤْمِنُونَ۔ (الممتحنہ)

جنگ میں گرفتار شدہ غیر مسلم خواتین کو تم اپنے گھروں میں مت رکھو بلکہ انہیں اُن کے ورثا کے حوالے کر دو۔ اور اس دھلان میں جو کچھ اُن پر خرچ کیا ہے وہ اُن کے ورثا سے مانگ لو اور اگر کوئی غیر مسلم تمہاری کسی گرفتار شدہ خاتون پر کچھ خرچ کر چکا ہو تو اُسے ادا کر دو۔ یہ اللہ کا فیصلہ ہے اور اللہ صاحبِ علم و حکمت ہے۔

اگر غیر مسلم تمہاری کسی خاتون کو واپس نہ کریں اور پھر تمہیں اُن کی خاتون گرفتار کرنے کا موقع مل جائے، تو تم معاوضہ میں وہ عورت اپنے ہاں صرف اسی صورت میں رکھ سکتے ہو کہ اس کے شوہر اور ورثا کو (اس کی پرورش مہر وغیرہ) کا تمام خرچ ادا کر دو۔ تم اس اللہ سے ڈرو، جس پر تم ایمان لا چکے ہو) سکھوں سے تو کوئی شکوہ ہی نہیں۔ اس لیے کہ وہ عملاً بابا نانک سے بہت دور جا چکے ہیں۔ اے مسلمانو! تم بتاؤ کہ ان فسادات میں تم ان ہدایات پر کہاں تک عمل پیرا رہے۔

جنگ و جدال کی مار دھاڑ میں انصاف کیسے یاد رہتا ہے۔ جب کوئی فاتح فوج مہینوں کے محاصرہ کے بعد کسی بستی میں داخل ہوتی ہے۔ تو اس پر کسی کو سنے

سے گولیاں چلائی جاتی ہیں۔ کہیں سے اینٹیں پھینکی جاتی ہیں اور کہیں سے گالیوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے۔ فوج میں عموماً الہڑ نوجوان ہوتے ہیں۔ وہ معمولی بات پر بھڑک اُٹھتے ہیں۔ بے دریغ تلوار چلاتے ہیں۔ جی کھول کر لوٹتے ہیں۔ اور رات کو عیش کی خوب داد دیتے ہیں۔ لیکن اسلام کسی صورت میں بھی ہوا و ہوس کا کھلونہ بننے کی اجازت نہیں دیتا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ بِالْقِسْطِ .... فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا (النساء)	(اے اہلِ ایمان! انصاف پر ڈٹ جاؤ ...... اور کسی جذبے کا شکار ہو کر بے انصافی مت کرو)

اسلام کا مقصد قیامِ امن ہے۔ جو انصاف کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے۔

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔	(جب تم معاملات کا فیصلہ کرنے لگو تو ہر حال میں انصاف کرو)

صفائی: بدن اور کپڑوں کی صفائی سے ایک قوم باوقار اور حسین نظر آتی ہے ایک گدا اگر کو شاہی لباس پہنا دو تو وہ شاہزادہ نظر آئے گا۔ ایک بھکارن شہزادی کا سوٹ پہن لے۔ تو وہ بیگم بن جائے گی۔ بدیگر الفاظ شاہ و گدا میں بظاہر لباس کا فرق ہے۔ لباس بلند شخصیت کا ایک اہم جزو ہے۔ آج سے چار برس پہلے اس ضلع کا ایک اہم آدمی میلا لباس میں ڈپٹی کمشنر سے ملنے آگیا۔ جب ڈپٹی کمشنر نے اس کے ننگے سر، کھدر کی چادر اور پاؤں میں میلا جوتا اور تن پہ ایک بے ڈھنگم سا کرتہ دیکھا تو پوچھا کہ کیا آپ کے پاس شریفانہ لباس موجود نہیں تھا جو آپ منہ اٹھا کر حاکمِ ضلع سے ملنے آگئے اور ماشکیوں کا لباس پہن لینا کونسی تہذیب ہے۔ جائیے اور شریفوں کا لباس پہن کر آیئے۔

لباس کے لحاظ سے مسلمان ہر جگہ بے حد غیر محتاط واقع ہوئے ہیں۔ کہیں جاؤ
چوڑے چوڑے پاجامے چھ چھ گز کے گھیرے کرتے، ڈھیلے اور بدنما چغے۔ سر پہ
موٹے موٹے پگڑیاں رسیاں نظر آئیں گی اور غلاظت کا یہ عالم کہ ساٹھ لاکھ افغانی
قبائلی۔ چالیس لاکھ کشمیری۔ پانچ کروڑ روسی تاتاری اور آٹھ کروڑ چینی مسلمان
صابن کے لفظ تک سے نا آشنا ہیں۔ مہینوں نہانے کا نام نہیں لیتے۔ بدن
پر میل کی نصف انچ موٹی تہ جمی رہتی ہے اور جوؤں کا تو یہ عالم ہے کہ کھجلا کھجلا
کر ان کے اجسام پہ ناسور بن چکے ہیں کیا قرآن اس طرح کی غلیظ قوم تیار کرنے
کے لیے نازل ہوا تھا۔ کیا وہ نور کی دنیا یہی تھی۔ جس کی طرف رسول ؐ نے
رہنمائی کی تھی؟

لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

(رسول کا مقصد تمہیں ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جانا ہے)

یورپ میں جاؤ، تو تمہیں سڑکوں، بازاروں، پلیٹ فارموں اور کھیل کے میدانوں
پر کاغذ کا ایک ٹکڑا تک نظر نہیں آئے گا۔ کسی ہوٹل میں کوئی میلی میز گندا
برتن یا غلیظ تولیہ نہیں ملے گا۔ کسی جسم پر غلیظ کپڑا دکھائی نہیں دے گا۔ وہ اس
قدر نفاست پسند لوگ ہیں۔ کہ سگرٹ کے ٹکڑے بھی ٹینوں میں پھینکیں گے۔
جو اسی مقصد کے لیے جا بجا رکھے ہوئے ملیں گے۔ ان کے گھر صاف، بستر
صاف، صحن صاف، گلیاں صاف اور گاؤں صاف اور دوسری طرف باقی شہروں
کو تو چھوڑیئے۔ صرف اپنے پایۂ تخت (کراچی) میں جائیے۔ چھاؤنی اور
شہر کے درمیان آپ کو غلیظ پانی کے بڑے بڑے جوہڑ۔ بدنما جھونپڑوں
کے پورے شہر اور غلاظت کے دسیوں انبار نظر آئیں گے۔ شہر پہنچ کر ذرا
اسٹیشن کے یارڈ (احاطہ) پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجئے۔ آپ کو ریلوے ملازموں

میں چیتھڑوں، پھٹے جوتے کا نعل اور سگریٹ کی خالی ڈبیوں کی ایک دنیا ملے گی۔ پھر شہر میں آیئے چند بازاروں کو چھوڑ کر ذرا محلات میں تشریف لے جایئے۔ بدرروؤں کی حالت دیکھیے۔ مکھیوں اور مچھروں کی افواج ملاحظہ فرمایئے۔ جا بجا متعفن پانی اور گندگی کی وہ افراط ملے گی کہ بدبو سے دماغ چکرا جائے گا۔ چند روز ہوئے مجھے کراچی کے ایک محلہ جناح آباد (لی مارکیٹ کے قریب) میں صرف سات دن رہنے کا اتفاق ہوا میں اس محلہ کی غلاظت سے اس قدر گھبرایا کہ کام ختم کئے بغیر کراچی سے بھاگ نکلا۔

فریب خوردہ مسلمان پونے چودہ سو برس سے روحانیت کے جال میں الجھا ہوا ہے۔ یہ جسم کی طرف توجہ دینا اپنے ذوق لطیف کی توہین سمجھتا ہے۔ نتیجتاً اس کی شخصیت گھسیاروں سے بھی پست ہو گئی اور دنیا کو اس سے گھن آنے لگی۔ عصر حاضر کا بہترین لباس، لباس فرنگ ہے جو ہسپانیہ کے ایک مسلم فاضل زریاب نے ایجاد کیا تھا۔ آئین بقائے اصلح کے ماتحت دنیا کے باقی تمام لباس مٹتے جا رہے ہیں اور کوٹ پتلون کو ہر ملک میں مقبولیت حاصل ہو رہی ہے۔ ایران، مصر، شام عراق اور ترکی نے اس لباس کو قومی لباس قرار دے دیا ہے۔ اور عرب کے بغیر باقی مسلم ممالک میں بھی یہ مقبول ہو رہا ہے۔ خدا جانے ہمارے علماء کو اس لباس سے کیوں ضد ہے۔ وہ کیوں پسند نہیں کرتے کہ ہماری قوم کا معیار بلند ہو جائے اور وہ صاف، اجلی اور حسین نظر آئے۔

بہر حال کثافت و غلاظت کے یہی وہ ہولناک نتائج تھے جن سے اللہ نے ہمیں یوں خبردار کیا تھا:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (المدثر)

(اے پاکیزہ لباس رسول! اُٹھ اور دنیا کو غلاظت کے نتائج سے آگاہ کر اپنے رب کی عظمت بیان کر۔ کپڑوں کو صاف رکھ اور ہر قسم کی کثافت (رُجز) سے بچ۔)

محنت! ہم عرض کر چکے ہیں کہ جو چیزیں کسی قوم کو عظیم بناتی ہیں۔ ان میں سے ایک علم ہے۔ علم وہ وحشی عنصر ہے جو بے پناہ محنت کے بغیر مسخر نہیں ہوتا۔ زندہ قوم کا ایک بہت بڑا طبقہ علم کی نئی دنیاؤں کی تلاش میں ہمیشہ سرگرم عمل رہتا ہے۔ ان کے علمی قافلے لق و دق بیابانوں، برفانی زمینوں، سمندروں اور پہاڑوں میں سدا متحرک نظر آتے ہیں۔ ان کی تجربہ گاہیں آئے دن نئے نئے انکشافات کا اعلان کرتی ہیں۔ ان کی مشاہدہ گاہیں نئے ستاروں کی تلاش میں رہتی ہیں۔ ان کے ارباب علم کائنات کے نئے اسرار اور قوت کے نئے خزائن ڈھونڈنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ ہر ذرے، ہر قطرے اور سنگریزے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھ رہے ہیں کہ شاید کوئی نیا راز ہاتھ آ جائے۔ محنت کرنے والوں کی یہی وہ قسم ہے جس نے زمینِ فرنگ کو ہم پایۂ آسمان بنا دیا۔ اور سارے عالم کو اُن کی سیاسی و اقتصادی گرفت میں دے دیا۔

محنت ہم بھی کرتے ہیں۔ لیکن ان میں اور ہم میں یہ فرق ہے۔ وہ اسرارِ کائنات تلاش کرتے ہیں اور ہم اسرارِ ہمسایہ۔ وہ پہاڑوں کے سینوں میں اُتر کر نئی معادن نکال لاتے ہیں اور ہم بھائیوں کے عیوب۔ وہ حسنِ فطرت کے شیدائی ہیں اور ہم حسنِ نسوانی کے دلدادہ۔ ان کے قافلے معارجِ حیات کی طرف رواں ہیں اور ہمارے سینما کی طرف۔ وہ نقل و حمل کے لیے آتش و باد

کو استعمال کر رہے ہیں۔ اور ہم گدھوں کو۔ وہ قومی قوت کے وسائل ڈھونڈ رہے ہیں اور ہم قوتِ باہ کے۔ وہ بقائے دوام کا انتظام کر رہے ہیں اور ہم مرگِ بے نام کا۔

عُلما کا طبقہ قوم میں زندگی اور شباب پیدا کرنے کے لیے نہایت ضروری ہے۔ یہ یونیورسٹیوں میں پیدا ہوتا ہے۔ لیکن غیرمسلموں کی یونیورسٹیوں میں ورنہ پاکستانی طلبہ کا تو یہ حال ہے کہ محنت سے یوں بھاگتے ہیں۔

کَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۔

(جیسے خوف زدہ گدھے شیر کو دیکھ کر بھاگ نکلیں۔)

تازہ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری جماعتِ اعلیٰ کے ہر آٹھ ہزار طلبہ میں سے صرف ایک گریجویٹ بنتا ہے اور باقی ناکامی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اقبال زندگی بھر قوم کو ذوقِ طلب اور سوزِ تمام کی طرف بلاتا رہا۔ اور بار بار اللہ سے دعائیں مانگتا رہا۔

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر	زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے	مرا عشق میری نظر بخش دے
مرے دیدۂ ترکی بے خوابیاں	مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز	مری خلوت و انجمن کا گداز

مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

ابوالکلام کا قلم چل چل کر گھس گیا۔ مشرقی چیخ چیخ کر بیٹھ گیا۔ لیکن ہمارے نوجوانوں نے اس طرف کا رُخ ہی نہ کیا۔ ان کا لا اُبالیانہ کردار حقائقِ زندگی سے سہل

پسندانہ اجتناب۔ معالیٔ حیات سے[1] امیرانہ بے اعتنائی اور بقائے بلّی سے شناسانہ بے نیازی پاکستان کو کمزور کر رہی ہے۔ ابھی اس سلطنت کی عمر ہی کیا ہے۔ صرف پانچ سال۔ اگر یہ سلطنت ہمارے نوجوانوں کی سہل پسندی کا شکار ہو گئی، تو یاد رکھو کہ آخندہ آزادی تو رہی ایک طرف تمہیں کوئی اللہ کا نام بھی نہیں لینے دے گا۔ ابھی وقت ہے کہ تم سنبھل جاؤ اور اتنی محنت کرو کہ تمہارا ملک علمی تجلیوں سے طورِ سینا بن جائے۔ یہاں کے قطروں سے دجلہ و فرات پھوٹ نکلیں اور جزوں میں تماشائے کل نظر آنے لگے۔

اَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ وَأَنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ۝ (النجم)

(کیا تمہیں معلوم نہیں کہ موسیٰ اور وفا کیش ابراہیم کے صحائف میں کیا لکھا ہے یہی کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ ہر شخص صرف اپنی محنت سے کامیاب ہوگا۔ اس کی مساعی جلد پھل لائیں گی۔ اُسے کوشش کا پورا صلہ ملے گا۔ اور اس کی آخری منزل اللہ تک پہنچنا ہے۔)

پھر سُن لو۔ کہ تمہاری آخری منزل، تجارت، دولت یا منصب نہیں۔ بلکہ اللہ تک پہنچنا ہے۔ اور سوچو کہ اس وقت تم کہاں ہو؟

فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے!
قدم اُٹھا! یہ مقام آسماں سے دور نہیں

(اقبالؒ)

صبر: کسی گھاٹی پہ چڑھنے کے لیے بڑی ہمت اور استقلال کی ضرورت

[1] یہ کتاب ۱۹۵۲ء میں کتنی اور چھاپی گئی تھی (ادارہ)

ہوتی ہے۔ سانس پھول جاتی ہے اور ہر ہر نس سے پسینہ پھوٹ نکلتا ہے۔ ان دشواریوں کو برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔ صبر کسی طاقتور سے ڈنڈے کھانے اور کان تک نہ ہلانے کا نام نہیں۔ بلکہ اُن مصائب کو برداشت کرلینے کا نام ہے جو حصولِ معالی میں پیش آئیں۔ آزادی لینا آسان نہیں۔ اس کے لیے جان دینا پڑتی ہے۔ معزز بننا آسان نہیں اس کے لیے نفس پر ضبط رکھنا پڑتا ہے۔ حصولِ علم آسان نہیں ہزاروں راتیں بیداری میں کاٹنا پڑتی ہیں۔ الغرض زندگی کی کوئی بلندی لے لو آپ کو راہ میں سینکڑوں دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا۔ ان دشواریوں کو مردانہ اور بہادرانہ برداشت کرنے کا نام صبر ہے۔ جسے اللہ نے عزم الامور سے تعبیر کیا ہے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا ۔۔۔ صبر کرنا اور بدکاری سے بچنا

فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ؏ اولوالعزم انسانوں کا کام ہے۔

زندگی شان و عزت کا نام ہے نہ کہ ڈھوروں کی طرح چرنے چگنے کا۔ عزت کے لیے بڑے عزم و ہمت کی ضرورت ہے۔ اسی لیے بزدل عزت کی راہوں سے بھاگتے ہیں۔ اور سوروں کی سی ذلیل زندگی گزارنے کے بعد یوں مرتے ہیں کہ اُن پر ایک آنسو تک بہانے والا کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن بہادر کی شان کچھ اور ہے۔

بہ کیش زندہ دلاں زندگی جفا طلبی ست!
سفر بہ کعبہ نہ کردم کہ راہ بے خطر است
(اقبال)

راستی: راستی مندرجہ ذیل اوصاف کا نام ہے۔
(۱) سچ بولنا (۲) وعدوں کو پورا کرنا (۳) حرام خوری سے بچنا (۴) اور خلوص

دروغ گوئی اور وعدہ شکنی سے بے اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ جھوٹے اور بدعہد سے ہر شخص نفرت کرنے لگتا ہے۔ اگر ایسا شخص کسی منصب پر فائز ہو جائے تو ملک کے لیے لعنت بن جاتا ہے۔ اگر تجارت پیشہ ہو، تو کاروبار کی ساکھ بگڑ جاتی ہے۔ اگر یہ خدانخواستہ کسی حکومت کا صدر بن جائے تو کوئی قوم اس سے معاہدہ نہیں کرتی۔ اگر یہ عدالت میں شاہد بن کر آئے تو حاکم اسکی شہادت کو ساقط الاعتبار سمجھتا ہے۔ اگر مدعی یا مستغیث بننے پہ مجبور ہو جائے تو اس کی کہانی کو کوئی نہیں مانتا۔ الغرض جھوٹا معاشرہ کے لیے بہت بڑی لعنت بن جاتا ہے۔

لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ ۝ (قرآن)

(جھوٹوں پر اللہ کی لعنت برستی ہے)

حرام کھانے والا اگر افسر ہو، تو عوام اس کے مظالم سے بے چین ہو جاتے ہیں۔ اگر سیاسی لیڈر یا منسٹر (وزیر) ہو، تو دشمن اُسے بآسانی خرید سکتا ہے۔ اگر تاجر ہو، تو چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور گراں فروشی جیسے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر دو عہدہ (نمبردار، ذیلدار ہو) تو پولیس کے ساتھ مل کر غریبوں کے کپڑے اُتارتا ہے۔ اگر نسبتاً کم وسائل ہو، تو نقب لگاتا اور ڈاکے ڈالتا ہے۔ اگر اہلکار یا محرر ہو، تو انصاف کی راہ پر سنگِ گراں بن جاتا ہے۔ اگر حوالدار یا تھانیدار ہو تو تمام علاقہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ راشی، جھوٹے، بدعہد اور منافق حکام سینکڑوں اقوام کی تباہی کا باعث بنے۔ ان کی بداعمالی سے عوام میں اضطراب پیدا ہوا اور یہ اضطراب یا تو داخلی انقلاب کا باعث بنا اور یا بیرونی حملہ کو دعوت

کے لیے ممد و معاون ثابت ہوا۔

میں یہاں تک لکھ چکا تھا کہ ایک دوست نے پاکستان کی سب سے بڑی اسلحہ ساز فیکٹری کا جگر خراش واقعہ سنایا۔ وہ یوں کہ چند بڑے بڑے فوجی حکام نے ٹھیکیداروں سے مل کر لاکھوں روپے کا غبن کیا۔ ایک روپے کی چیز خرید کر حکومت سے دو دو روپے وصول کیے۔ دیار کی لکڑی کی جگہ پڑتل اور شیل لگا دی۔ ایک من سیمنٹ کے عوض چار من کی قیمت لے لی اور سب سے بڑا غضب یہ کہ کارخانہ کی بنی ہوئی بندوقیں بازاروں میں پہنچ گئیں۔

پاکستان کو بنانے والا صرف ایک انسان تھا۔ یعنی حضرت قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ اور تباہ کرنے والے ہزاروں پیدا ہو چکے ہیں۔ حکومت کے کئی محکمے ایسے ہیں جن کا پیشہ ہی لوٹ مار اور غبن ہے۔ ہمارے بڑے بڑے جغادری قسم کے لیڈر ناجائز طور پر غلہ برآمد کر رہے ہیں۔ کوئی ہندوستان سے ساز باز میں مصروف ہے، کوئی روس کے اشاروں پہ ناچ رہا ہے۔ کوئی برطانوی قلندر کے ہاتھ میں بندر بنا ہوا ہے اور کوئی داخلی انتشار کی آگ بھڑکا رہا ہے۔ اس صورت حال سے قوم میں ایک گہری بے چینی پیدا ہو چکی ہے۔ جو مرکزیت اور یک جہتی قائد اعظم نے پیدا کی تھی، وہ آج ختم ہو چکی ہے۔ قوم کو لیڈروں پہ اعتماد نہیں رہا۔ اور آج مجھے کوئی ایسا انسان پاکستان میں نظر نہیں آتا، جس کی للکار پر ساری قوم متحد ہو کر مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ ذہنی انتشار یہ بے دلی اور یہ سکتہ کی سی کیفیت ہمارے ائمتہ السیاست کی بد کرداری کا نتیجہ ہے۔ ملک میں رشوت و بد نظمی بڑھ رہی ہے اور جسے دیکھو، کہتا ہے

"فلاں لیڈر یہ کام کر سکتا ہے تو ہم کیوں نہ کریں!!"

اللہ نے یہود کو بارہا تباہ کیا تھا، کیوں؟ ان کے جرائم کی فہرست خود اللہ کی زبانی سنیئے۔

وَتَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یُسَارِعُوۡنَ فِی الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (المائدہ)

(تم ان یہودیوں کی بہت بڑی تعداد کو دیکھو گے کہ اثم (اور مال حرام کی طرف بھاگتا ہوا دیکھو گے۔ یہ حقیقتاً بڑے بدکار ہیں۔)

لَوۡلَا یَنۡہٰہُمُ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِہِمُ الۡاِثۡمَ وَاَکۡلِہِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَصۡنَعُوۡنَ۔

(ان یہود کو ان کے علما اور پیر حرام کھانے اور جھوٹ بولنے سے کیوں نہیں روکتے یہ حقیقتاً بڑے بدکار ہیں۔)

فَبِمَا نَقۡضِہِمۡ مِّیۡثَاقَہُمۡ لَعَنّٰہُمۡ وَجَعَلۡنَا قُلُوۡبَہُمۡ قٰسِیَۃً ۚ یُحَرِّفُوۡنَ الۡکَلِمَ عَنۡ مَّوَاضِعِہٖ ۙ وَنَسُوۡا حَظًّا مِّمَّا ذُکِّرُوۡا بِہٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَۃٍ مِّنۡہُمۡ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡہُمۡ ۔ (المائدہ)

(یہود بد عہد تھے۔ اس لیے ہم نے ان پہ لعنت برسائی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلام اللہ کی غلط تفاسیر پیش کرتے۔ اور خدائی ہدایت کو بڑی حد تک بھول چکے تھے۔ ان کے غبن اور خیانت کی داستانیں تم تک ہمیشہ پہنچتی رہیں گی۔ اس لیے کہ ان میں دیانت دار بہت کم ہیں۔)

ان آیات کو دو بارہ پڑھیے اور دیکھئے کہ کہیں یہ آپ ہی کی تصویر تو نہیں ہے۔ کوئی قوم جو ہمارے حرام خوروں، جھوٹوں، بدعہدوں اور غداروں کی مثال پیش کر سکے جب اللہ نے یہود کو ان جرائم کی بنا پر بار بار تباہ کیا۔ وہ ہمارا کیوں لحاظ کرنے لگا۔ یہود تو صرف چھ سات مرتبہ تباہ ہوئے تھے اور ہم پوری ایک سو انیس سلطنتیں کھو چکے ہیں اور پھر بھی نہیں شرماتے۔ دیگر اقوام

کی تاریخ میں گناہ اس کے آخری ایام میں ملتا ہے اور یہاں بسم اللہ ہی بدکاری سے ہو رہی ہے۔ اگر تم برائی سے رو رہے کے تو اللہ کو بھی تمہاری تباہی سے کوئی طاقت روکنے والی موجود نہیں۔

وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ (قرآن) (اگر تم ہماری راہوں کو چھوڑ گئے، تو ہم تمہیں چھوڑ جائیں گے۔)

اے سرکاری افسرو! اے پی ڈبلیو ڈی اور ایم ای ایس کے ملازمو! اے عدالتی اہلکارو، اور اے پولیس والو! صرف دو منٹ کے لیے سوچو کر جو امن و سکون، عزت، خوش حالی اور آزادی تمہیں اپنی سلطنت میں حاصل ہے۔ کیا وہ سکھوں اور مہا سبھائیوں کے ماتحت مل سکتی ہے۔ اگر نہیں مل سکتی تو پھر تم آزادی کی حفاظت کیوں نہیں کرتے، کیوں اپنی بدکاری سے اپنے گھر کی بنیادیں کھود رہے ہو۔ کیوں بجلیوں کو اپنے کاشانوں پر گرنے کی دعوت دے رہے ہو۔ کیوں تمہیں اپنی مسجدیں محبوب نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ سکھوں کے غول تمہاری بستیوں میں داخل ہو کر تمہاری بیٹیوں کی عصمت لوٹیں اور تمہارے بچوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ذبح کریں۔ اگر تمہارا مقصد یہی ہے تو شوق سے حرام کھاؤ۔ جھوٹ بولو۔ دھوکے دو۔ اور ظلم کرو۔ تمہارا مقصد پورا ہو کر رہے گا۔

اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ۔ (تمہارا رب تمہاری گھات میں ہے)

اے قائد اعظم انگلینڈ کی بہاروں سے واپس آؤ اور اپنی قوم کی غلط روی ملاحظہ فرما دیکھو۔

میرِ سپاہ ناسزا، لشکریاں شکستہ صف — آہ! وہ تیرِ نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف
تیرے محیط میں کہیں گوہرِ زندگی نہیں — ڈھونڈ چکا میں موج موج، دیکھ چکا صدف صدف

نہیں کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی!
اب بھی درختِ طور سے آتی ہے بانگِ لاتخف
(اقبالؒ)

تالیفِ قلوب: ہمارے علما کی عام رائے یہ ہے کہ کسی غیر مسلم پہ صدقہ صرف کرنا روا نہیں اور دوسری طرف بعض غیر مسلم اقوام کا چلن یہ ہے کہ وہ کروڑوں پونڈ دیگر اقوام پہ صرف کر رہی ہیں۔ امریکہ اس وقت تک ترکی کے استحکام پر ایک ارب ڈالر سے زیادہ صرف کر چکا ہے۔ پچھلے دنوں چند کروڑ ڈالر بھارت کو اور ایک کروڑ پاکستان کو بھی دیئے۔ پاکستان انٹرنیشنل بینک سے بھی کافی امداد لے چکا ہے۔ امریکہ کی اس سیاست کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی بارہ اقوام اس کی مٹھی میں ہیں۔ قرآن نے بھی اس عظیم سیاست کا درس دیا تھا۔ لیکن اب نہ اس سیاست کو سمجھنے والے باقی رہے اور نہ عمل کرنے والے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ (التوبہ)

(تم اپنے صدقات فقرا و مساکین، اور صدقات جمع کرنے والوں کو دو۔ نیز تالیفِ قلوب، آزادیٔ غلاماں، ادائے تاوان، اللہ کے راستوں اور مسافروں کی سہولت پہ صرف کرو۔ یہ اللہ کی طرف سے تم پر فرض کیا جاتا ہے اس لیے کہ وہ باعلم و حکمت ہے۔

صلوٰۃ

قرآن نے صلوٰۃ کی تشریح یوں کی ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ۔ (صلوٰۃ عریاں اور قابلِ نفرت اعمال سے روکتی ہے۔)

لیکن نہ جانے یہ بات کیا ہے کہ بیشتر نمازی ان امراض میں مبتلا ہیں۔ میں درسِ نظامی کی تکمیل کے لیے تیرہ برس تک مساجد و مکاتب میں رہا جہاں بیسیوں دیگر طلبہ بھی موجود ہوتے تھے۔ اس میں کلام نہیں کہ یہ لوگ مجھ سے کثیر الاوراد، صابر، قانع اور پابندِ صوم و صلوٰۃ تھے۔ لیکن جذبۂ جنسیت پر ان میں سے بہت کم لوگوں کو ضبط حاصل تھا۔ میں نے انہیں امرد پرستی، لواطت بالید اور تسکینِ جنسیت کے بعض دیگر ناقابلِ ذکر اسالیب کا گرویدہ دیکھا۔ یہاں عدالت میں ہر روز سینکڑوں متشرع اور نمازی لوگ آ کر حلفیہ جھوٹ "بولتے ہیں اس ضلع کا ایک علاقہ اپنے سینکڑوں علما اور بے شمار نمازیوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہاں سچ بولنا سب سے بڑی حماقت سمجھا جاتا ہے۔ یہ لوگ بازاروں اور منڈیوں میں اس قدر جھوٹ بولتے ہیں، اور گاہک کو دھوکہ دینے کے لیے وہ وہ وسائل اختیار کرتے ہیں کہ ابلیس بھی ان کے سامنے کان پکڑتا ہے۔

میں ایسے سینکڑوں نمازیوں کو جانتا ہوں جو بیدردی سے دنیا کو لوٹ رہے ہیں، بعض لڑکیوں کی عصمت دری کرتے ہیں۔ اور عوام کی دنیا و آخرت ہر دو کا بیڑا ڈبو دیتے ہیں۔ میں ایک ایسے نمازی اور حاجی سے واقف ہوں جو جھوٹ بولنے،

دھوکہ دینے اور بلیک مارکیٹ میں اپنی مثال نہیں رکھتا۔

یہ تمام لوگ نہایت باقاعدگی سے نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن فحشاء و منکر کے بھی امام مانے جاتے ہیں۔ قدرتاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی صلوٰۃ انہیں بدکاری سے کیوں نہیں روکتی۔ کیا انکی صلوٰۃ صلوٰۃ نہیں۔ اگر نہیں تو صلوٰۃ کس چیز کا نام ہے؟

صلوٰۃ کی تحقیق: قرآن حکیم نے ان الفاظ کو مندرجۂ ذیل معانی میں استعمال کیا ہے:

اوّل: تعریف[1] و حوصلہ افزا الفاظ۔

اگر ایک کارکن کی تعریف کی جائے تو اس کا حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے آقا سے مکرر سہ کرر الفاظِ تعریف سننے کے لیے کام میں جان لگا دیتا ہے۔ آپ میں سے جو لوگ افسر ہیں اپنے ماتحتوں پر اس نسخہ کو آزما دیکھیں پھر روز دگنا چوگنا کام ہوگا، دوسری طرف قہر و سختی سے سارا عملہ باغی ہو جائے گا۔

انسان میں کئی فطری کمزوریاں ہیں۔ جن میں سے ایک خود پسندی ہے۔ اس جذبہ کی تسکین کے لیے بعض لوگ اپنی تعریف خود کرتے رہتے ہیں کچھ افسر اپنے ماتحتوں میں سے خوشامدیوں کا ایک گروہ پیدا کر لیتے ہیں۔ جو تمام دن انہیں اُلّو بناتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ حاکمِ اعلیٰ سے "ویری گڈ" کا جملہ سننے کے لیے بیشمار کام کرتے ہیں۔ اگر افسر معائنہ پہ آ جائے، تو جھنڈیاں لگاتے، سُرخ حلوان بچھاتے استقبال کے لیے شرفا کو بلاتے۔ اس کے گلے میں طلائی ہار ڈالتے۔ دعوتوں کا انتظام کرتے اور بات بات پہ جان چھڑکتے ہیں۔ جب "صاحب" چلا جاتا ہے تو ہر ایک سے کہتے پھرتے ہیں۔

---

[1] صلّی صلاۃً۔ بَارَکَ وَاَحْسَنَ الثَّنَاءَ عَلَیْهِ (برکت ڈالنا اور عمدہ الفاظ میں تعریف کرنا) (المنجد)

"صاحب بڑا خوش ہو گیا ہے۔ یہ سب آپ دوستوں کی دعا کا نتیجہ ہے"
اس قسم کے "حوصلہ افزا الفاظ" کے لیے اللہ نے صلوٰۃ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۔ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۔ (اے رسولؐ تو تعریفی الفاظ سے ان صحابہؓ کا حوصلہ بڑھا کر تیری تعریف سے انہیں سرور و سکون (سکن) حاصل ہوتا ہے)

دوم ۔ ذکر، چرچا، تشہیر، پروپیگنڈا۔

آج کل جب کہیں کوئی تحریک شروع ہوتی ہے۔ کوئی نئی فرم کھلتی ہے۔ یا کسی طبیب کو کوئی نیا نسخہ مل جاتا ہے، تو اس کی تشہیر کے لیے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کھول دیا جاتا ہے۔ جو اشتہاروں، مقالوں، تصویروں، کتابوں اور جلسوں سے اس تحریک، فرم یا نسخے کا چرچا کرتا ہے۔ تحریک اشتراکیت کے لٹریچر پر نگاہ ڈالو۔ امریکہ کے محکمۂ تشہیر کی چابکدستیاں دیکھو۔ کِس صابن۔ ایکو فروٹ سالٹ اور گرائپ واٹر والوں کا سلسلۂ تشہیر ملاحظہ کرو۔ کہ کس طرح یہ لوگ پروپیگنڈہ پہ لاکھوں روپے صرف کر رہے ہیں۔ عصرِ حاضر میں پراپیگنڈہ وہ حربہ ہے جس سے بڑے بڑے ذہنی اور سیاسی انقلاب پیدا کئے جا رہے ہیں۔ ہٹلر نے "مائن کیمف" میں لکھا ہے اگر جھوٹ کو بھی بار بار دہرایا جائے تو وہ لوگوں کو سچ معلوم ہونے لگتا ہے۔ قرآن نے پروپیگنڈہ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ بار بار ذکر (تشہیر و پبلسٹی) پہ زور دیا ہے۔

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّ قُعُودًا وَّ عَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (مسلمانوں کا کام اٹھتے، بیٹھتے اور سوتے اللہ کا پروپیگنڈا (ذکر) کرنا ہے)

اس پہ مقالات لکھنا ہے۔ اس کے محاسنِ تعلیق کو بار بار بیان کرنا ہے۔ اس

کے شاہکار ہائے تکوین کو کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ دنیا کائنات کی اس سب سے بڑی حقیقت کو تسلیم کرے اور لاکھوں بیکار خداؤں سے پیچھا چھڑا لے۔

حدیث میں درج ہے (غالباً بخاری شریف میں) کہ جب اللہ کسی انسان پر مہربان ہوتا ہے، تو وہ فرشتوں سے کہتا ہے کہ جاؤ اور کائنات میں اس شخص کا بول بالا کرو۔ چنانچہ اس کے ذکر سے ارض و سما گونج اٹھتے ہیں اور ہر دل اس کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ مرزا غالب نے اس کیفیت کی تصویر یوں کھینچی ہے۔ ؎

سب کے دل میں ہے جگہ تیری جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہوجائے گا

اسلام ایک عظیم الشان تحریک ہے جس کے اصول دنیوی کامرانی اور اخروی نجات کے کفیل ہیں۔ نوعِ انسانی کو سرچشمۂ حیات و بقا سے محروم رکھنا بڑا ظلم ہے۔ جو لوگ پیش پا ہائے اڈنلپ ٹائر اور باٹا شو کمپنیوں کے پراپیگنڈہ سے متاثر ہو سکتے ہیں، وہ آپ کا اثر بھی قبول کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آپ پبلسٹی کا فن جانتے ہوں۔ اللہ نے ایک مقام پر اس پبلسٹی کو صلوٰۃ کہا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا	(اللہ اور اس کے فرشتے ارض و سما میں رسولِ عربی کا چرچا کر رہے ہیں اے ایمان والو! تم بھی اس کے پیغام کا چرچا کرو اور اس کے سامنے جھک جاؤ۔)

صلوٰۃ کا یہ مفہوم (تشہیر، اعلائے ذکر، چرچا) ایجادِ بندہ نہیں۔ بلکہ سرلغات میں دیا ہوا ہے۔ مثلاً

• صلوٰۃ: تعظیم در دنیا بہ اعلائے ذکر و اظہار دعوت (منتہی الارب)

اس آیہ کی مشہور تفسیر یہ ہے۔

خدا اور اس کے فرشتے نبیؐ پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے مسلمانو! تم بھی اس پر درود پڑھا کرو۔

کس قدر بے جان اور بے مغز تفسیر ہے۔ اس تفسیر نے مسلمانوں کو فہمِ تشہیر سے محروم کر دیا۔ اسلام کے متعلق مصنفین شرق و غرب بے حد غلط فہمیاں پھیلاتے رہے۔ کوئی اسے ڈاکوؤں کا مذہب بتاتا رہا۔ اور کوئی وحشی تیغ زنوں کا۔ لیکن ہمارا مُلا اپنے مقتدیوں سے درود شریف پڑھوانے میں مگن رہا۔ ہر درود پر دس نیکیاں بانٹتا رہا۔ قوالی کی محفلیں جما کر حال ناچنے کے مزے لوٹتا رہا۔ اور الحاں ابلیس سے دمادم یہ ہدایات نافذ ہوتی رہیں۔

مست رکھو ذکر و فکر صبحگاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

اس وقت دنیا میں کم و بیش چار ہزار زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے انگریزی، چینی، فرانسیسی، جرمنی اور روسی تبلیغی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم ہیں جب تک ہم ان زبانوں میں مہارت پیدا نہ کریں۔ اللہ کے پیغام کا ترجمہ ان ممالک میں نہیں کر سکتے۔ آیۂ بالا کے رُو سے پیامِ رسولؐ کی پبلسٹی فرض ہے۔ اور اس فرض سے ہم عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ جب تک ہمارے پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ کے کارکن ان زبانوں سے آشنا نہ ہوں۔ بہ دیگر الفاظ ان زبانوں کا سیکھنا ہمارے مبلغین پر فرض ہے۔ لیکن حضرت مولانا کا فتویٰ یہ ہے کہ انگریزی پڑھنا حرام ہے۔ بہت اچھا حرام سہی۔ لیکن یہ بھی تو فرمایئے کہ آپ اللہ کے اس ارشاد کی تعمیل کیسے کریں گے

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ	تم خیر الامم ہو اور تمام دنیائے انسانی کو فیض پہنچانے کے لیے تمہے

وَتَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ (قرآن) ہو۔ تمہارا کام نیکی کی تبلیغ اور بدی سے روکنا ہے۔

اگر آپ قدسی زبان سے نا آشنا ہیں، تو اہلِ قدس کو آپ کس زبان میں دیا کھیان دیں گے اور حرمنوں کو کس زبان میں مخاطب فرمائیں گے؟

فتویٰ دینا آسان ہے لیکن قرآن اور اس کی سیاست کو سمجھنا بڑا مشکل ہے۔

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

سوم: مذہب، ضابطۂ حیات، آئینِ بقا

اللہ نے کائنات میں ہر چیز کو ایک مذہب یا ضابطۂ حیات دے رکھا ہے جس پر وہ عمل پیرا ہے۔ نحل کا کام (مذہب) شہد بنانا ہے۔ اور وہ اس فرض کو زندگی بھر نبھاتی رہتی ہے۔ سورج کا کام تخلیق نیل و نہار تکوین سحاب۔ تبخیرِ آب اور تصریف ریاح وغیرہ ہے۔ پانی کا مذہب احیائے زمین، بہاروں کا تزئینِ زمین اور انجم کا تنویر گردوں ہے۔ یہ فضاؤں میں اُڑتے ہوئے پرندے اور باغوں میں بھنبھناتے ہوئے بھونرے سب کے سب اپنے آئین سے آگاہ اور اس کی پیروی میں سرگرم ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ الطَّیْرُ صٰٓفّٰتٍ کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسْبِیْحَہٗ (النور)

(کیا تم دیکھتے نہیں کہ ارض و سما کی ہر چیز، اور یہ اُڑتے ہوئے پرندے اللہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے ضابطۂ حیات (صلوٰۃ و تسبیح) سے آگاہ ہے۔)

قرآن میں صلوٰۃ کو تسبیح بھی کہا گیا ہے اور تسبیح کے ایک معنی ہیں سرِ خم کا دینا تسلیم و اطاعت میں مستغرق ہو جانا۔ مثلاً۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (الفتح)

(ہم نے رسول کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اے اہل ایمان تم خدا و رسول پر ایمان لاؤ۔ صبح و شام نبی کی مدد کرو۔ اس کی عزت بڑھاؤ اور اس کے احکام کے سامنے سر جھکا دو۔) (تسبحوہ)

قرآن میں مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر کر رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مضمون کو یوں ادا فرماتا ہے۔

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ (انبیا)	(ہم نے داؤد کے سامنے پہاڑوں اور پرندوں کو یوں مسخر کر دیا تھا کہ وہ اُس کے احکام کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ (یسبحن)

تو گویا صلوٰۃ کا ایک مفہوم ہے مذہب، ضابطۂ حیات اور آئین بقا بھی ہے جس کا دوسرا نام قرآن ہے۔ اللہ نے اس ضابطۂ حیات کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ۔ أَقِمِ الصَّلٰوةَ ۔

اَقَامَ: اَدَامَ و عَدَّلَ، یعنی کسی فرض کو باقاعدگی سے ادا کرنا اور کسی چیز کے تیج و خم نکالنا۔

مت بھولیے کہ اللہ نے ہر جگہ صلوٰۃ کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے پڑھنے کا نہیں۔ ورنہ یقیمون کی جگہ یقرءُ ون الصلوٰۃ ہوتا اور قائم کرنے کے معنے ہیں۔ "تعمیل کرنا"

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ الخ	اگر یہود تورات پر عمل کرتے (اقاموا)
..... لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ	(اے اہل کتاب! جب تک تم تورات و انجیل پر عمل (تقیموا) نہیں کروگے

تم کامیاب نہیں ہو گے)

تو یقیموں الصلوٰۃ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس ضابطہ حیات یعنی سارے قرآن کی تعمیل کر رہے ہوں۔ نہ کہ وہ جو مسجد میں چند منٹ ماتھا ٹیکنے کے بعد سر چار سو جھوٹ، فریب اور بددیانتی کی غلاظت بکھیر رہے ہیں۔

صلوٰۃ پورے قرآن اور پورے دستور العمل کا نام ہے اور نمازی وہ ہیں جو اس صلوٰۃ کو بقدر امکان نباہ رہے ہوں۔ یہی وہ صلوٰۃ ہے جو فحشاد منکر سے لازماً روکتی ہے یہی وہ ضابطہ ہے جس کے نفاذ کا حکم پیروانِ اسلام کو دیا گیا تھا۔

وَالَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ (اگر ہم نے مسلمانوں کو تمکن فی الارض کی نعمت سے نوازا، تو یہ خدائی آئین اور اسلامی ضابطے یعنی قرآن (الصلوٰۃ) کو نافذ کریں گے۔)

یہی وہ سرچشمۂ ہدایت ہے جسے چھوڑ کر ہمارے بعض نمازی اور حاجی چور بازاری، امرد پرستی اور دیگر فنون جنسی کے امام بنے ہوئے ہیں۔ یہی وہ نماز ہے جو بدکاری کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (اچھے لوگوں کے بعد ایسے ناخلف آ گئے جنہوں نے صلوٰۃ کو چھوڑ کر شہوات کو اپنا مذہب بنا لیا۔)

یہی وہ صلوٰۃ ہے جس کی تفسیر آیاتِ ذیل میں دی ہوئی ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۙ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا ۙ اِلَّا الْمُصَلِّيْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ

لِلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ
غَيْرُ مَاْمُوْنٍ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا
عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ
مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ
قٰٓئِمُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

(المعارج)

(انسان بڑا جلد باز اور بے صبرا واقع ہوا ہے۔ اگر اس پر تکلیف آجائے تو شور مچا دیتا ہے اور خوش حال ہو جائے تو نیکی سے روکنے لگ جاتا ہے۔ البتہ وہ نمازی مستثنیٰ ہیں، جو اپنی صلوٰۃ پر قائم رہتے ہیں یعنی جن کی دولت میں غرباء و مساکین کا بھی حق ہے۔ جو مکافاتِ عمل کے قائل ہیں جو بدکاری کے نتائج یعنی خدائی عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے کہ عذاب کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ جو بیویوں اور منکوحہ لونڈیوں کے بغیر باقی ہر جگہ شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ کہ بے محل شہوت رانی حرام ہے۔ اور دوسروں کی امانت اور اپنے قول کی حفاظت کرتے ہیں جو سچی شہادت پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی **صلوٰۃ** (دستور العمل ضابطہ) **کا خیال رکھتے ہیں۔**

تو یہ ہے قرآن میں نمازی کی تعریف۔ ان آیات کی ابتدا صلوٰۃ سے ہوئی اور صلوٰۃ ہی پر ختم ہوئی۔ بدیگر الفاظ یہ آیات صلوٰۃ کی تفسیر ہیں۔

یوں تو ہمارے علماء کی تحریف و تنسیخ سے سارا قرآن نالاں ہے۔ لیکن سب سے بڑی مظلوم صلوٰۃ ہے۔ ان حضرات نے اس کے مفہوم کا وہ بستر بگاڑا کہ یہ

اپنی وسعتوں کو کھو کر محض دم درود ہی کر رہ گئی اور دوسرا ظلم یہ کیا کہ اس بے روح رسم رکوع وسجود کو معراج مومن، عین اسلام بلکہ مقصدِ اسلام بنا دیا۔ کجا وہ قرآنی صلوٰۃ جس کے پہلو سچائی کی قوت، کردارِ عظیم کی ہیبت اور جاہدوانی سبیل اللہ کی عظمت ابھارتی تھی اور کجا یہ رسمی رکوع وسجود جس کے جلو میں بلیک مارکیٹ جھوٹی شہادتوں۔ فریب دہی اور فحش گوئی کے بغیر کچھ اور نظر ہی نہیں آتا۔ اُن نمازیوں کی سطوت سے طوفانوں اور سیلابوں کے دل کانپ اٹھتے تھے اور ان سے امام مسجد کے بغیر اور قطعاً کوئی نہیں ڈرتا۔

شنی نہ مصر وفلسطین میں وہ اذاں میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو رعشۂ سیماب
وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ اٹھتی تھی
اس کو آج ترستے ہیں منبر و محراب!

(اقبال)

چہارم۔ دعا۔ الصلوٰۃ = الدعاء من العبد (منتہی الارب والمنجد)

جس طرح قرآن الحمد للہ سے والناس تک پھیلا ہوا ہے۔ اسی طرح الصلوٰۃ کا دائرہ دعا سے جہاد تک وسیع ہے۔ جس طرح صرف سورۂ فاتحہ کو تمام قرآن کہنا صحیح نہیں۔ اسی طرح صرف دعا کو پوری صلوٰۃ سمجھنا درست نہیں جس طرح سورۂ فاتحہ قرآن کا ناقابلِ زوال جزو ہے اسی طرح دعا بھی صلوٰۃ کا ایک اہم حصہ ہے۔

دعا کی ضرورت! اوّل ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اللہ کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو ماننا اور اس کے سامنے ظاہراً و باطناً جھک جانا عبدیت کا شدید ترین تقاضا ہے۔

دوم: ہر انسان کی جبیں میں تمنائے سجود بے تاب ہوا کرتی ہے۔ اگر اس تمنا

کو معبود اعظم کا سنگِ آستاں نصیب نہ ہو، تو کیسی اور محراب کی تلاش میں نکل پڑتا ہے ؎

یہ سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے!
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات (اقبال)

سوم: تصورِ جاناں میں بڑی لذت ہوتی ہے۔ مرزا غالب کی تمنا تھی ؎

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصورِ جاناں کئے ہوئے

ہندوستان میں ایسے جوگیوں کی کمی نہیں جو سالہا سال تک ایشور کے دھیان میں کھوئے رہتے ہیں اور انہیں اس استغراق میں وہ سرور ملتا ہے کہ خواب و خور تک سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ ہماری دعا و نماز بھی ایک روحانی وقفہ ہے جس میں الٰہی کبریا و جبروت کا تصور دل و دماغ میں ایک کیف بھر دیتا ہے انسان بے ساختہ نغماتِ تمجید و تقدیس الاپتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو یوں محسوس کرتا ہے گویا وہ عرشی بلندیوں سے ابھی ابھی لوٹا ہے۔

چہارم: مصیبت میں اللہ بہت یاد آتا ہے۔

وَاِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِیْضٍ (مصیبت میں انسان لمبی لمبی دعائیں مانگتا ہے)

وہ کبھی ہاتھ جوڑتا ہے، کبھی روتا اور گڑگڑاتا ہے اور کبھی استغفار گرتا ہے۔

ایسی دعاؤں کے لیے نماز نہایت موزوں عبادت ہے۔

پنجم: اسلام صراطِ مستقیم کا نام ہے یعنی ایسا راستہ جو تلوار کی دھار سے بھی زیادہ تیز اور باریک ہے۔ اس میں ہر وقت لغزش کا خطرہ دامنگیر رہتا ہے ان لغزشوں سے بچنے کے لیے دعا کے بغیر اور کوئی راستہ موجود نہیں۔

ششم: بعض مقاصد کا حصول ہمارے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اس لئے

اپنی مدد کے لیے اللہ کو بلانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

ہفتم : ایک مرتبہ جوانی میں مجھ سے ایک ایسا گناہ سرزد ہوا کہ مجھے خواب میں بھی پولیس، جیل اور ہتھکڑیاں نظر آنے لگیں۔ میں دو چار ہفتے اللہ سے رو رو کر کہتا رہا کہ اے اللہ آئندہ میری توبہ۔ اس مرتبہ معاف کر اور میرے گناہ پر پردہ ڈال۔ چنانچہ دنیا کا عذاب تو ٹل گیا۔ لیکن، ؏

آخرت کی خبر خدا جانے

ایسے گناہ ہر انسان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں اور ان کے دنیوی نتائج سے بچنے کے لیے دعا کے بغیر کوئی اور چارہ موجود نہیں۔

ہشتم : ایک آدمی کاہل یا بدکار بن کر پہلے صحت کو نقصان پہنچاتا ہے پھر تائب ہو کر اصولِ صحت پر عمل کرنے لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عموماً ایسے انسان کو پھر صحت کی دولت عطا کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ عدل کا تقاضا یہی ہے۔ جس طرح کہ ایک عادی چور کو چھوڑ دینا ظلم ہے۔ اسی طرح ایک تائب گنہگار کی مدد نہ کرنا بھی خلافِ انصاف ہے۔ ایسے تائبین دعا ہی سے مغفرت طلب کر سکتے ہیں۔

نہم : کائنات کی عظیم ترین طاقت سے تعلق رکھنے والا عظمت و امارت کے بتوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

دہم : جب انسان عجائباتِ تخلیق پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالتا ہے۔ تو اس پر الٰہی صناعی و حکمت کی ہیبت چھا جاتی ہے جسے کم کرنے کا بہترین ذریعہ عبادت ہے۔ انسان سجدے میں گر کر کچھ اس خلوص سے الٰہی علم و حکمت اور اس کی برتری و عظمت کا اعتراف کرتا ہے کہ طبیعت سکون سے بھر جاتی ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔[1]
(جب میں یاد آؤں تو سکونِ خاطر کے لیے نماز پڑھو)

---

[1] اس آیت کی مختلف تفاسیر ہو سکتی ہیں۔

زکوٰۃ

دنیا کے ماقسوں میں زر اندوزی کو بہت بڑی نعمت سمجھا جاتا ہے۔ اور قرآن میں بھی
اس موضوع پر کئی آیات موجود ہیں، جن میں سے ایک آدھ پر صفحاتِ گزشتہ میں بحث
ہو چکی ہے۔ اقوامِ عالم اس مرض میں اس لیے مبتلا ہوئیں کہ ان میں میراث اور زکوٰۃ کے
اصول موجود نہ تھے۔ اگر ایک آدمی کے پاس ایک لاکھ کنال زمین موجود ہو اور میراث
کا سلسلہ اس کے ہاں رائج ہو تو صرف سو برس میں اس زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے
ہو جائیں گے۔ میراث غیر منقولہ جائداد کی ارزانی کو روک سکتی ہے اور زکوٰۃ جائدادِ منقولہ کو بہا لے گی۔

چونکہ یورپ میں یہ دونوں اصول موجود نہ تھے۔ اس لیے وہاں دولت سمٹ کر
چند گھرانوں میں پہنچ گئی اور دنیا بھوک سے مرنے لگی۔ چنانچہ جرمنی کے ایک مفکر
کارل مارکس نے اس صورتِ حال کے خلاف اس زور سے آواز بلند کی کہ روس کی
اسّی لاکھ مربع میل سلطنت میں ایک بھونچال سا آگیا۔ غریبوں نے اٹھ کر ساڑھے
تین کروڑ اربابِ دولت کو ذبح کر ڈالا اور ان کی جائداد آپس میں بانٹ لی۔

اسلام صدیوں تک زر اندوزی کے مرض سے پاک رہا۔ بعد میں مسلمانوں نے
میراث و زکوٰۃ دونوں کو ترک کر دیا اور ان کے ہاں بڑے بڑے زمیندار، کارخانہ دار
اور سرمایہ دار پیدا ہو گئے۔ اس "سین" کا انجام کیا ہوگا؟ ۶

پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

حج و صوم: حج و صوم کے فوائد اس قدر واضح ہیں کہ میں ان پر کچھ کہنے کی ضرورت
محسوس نہیں کرتا۔

شخصی اعمال

اس میں کلام نہیں کہ ہر شخصی عمل سے حیاتِ اجتماعی متاثر ہوتی ہے اور اس لحاظ سے شخصی اعمال کا ذکر بھی اجتماعی اعمال کے ذیل میں ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن بعض اعمال کا تعلق انفرادی تکمیل سے نسبتاً زیادہ ہے اس لیے ان کی تفصیل کے لیے علٰحدہ عنوان کی ضرورت محسوس ہوئی۔

اعمال کی تقسیم یوں بھی کی جا سکتی ہے۔ اوّل وہ جن کے لیے صرف ایک جماعت کا ہونا کافی ہے مثلاً علم، ایثار، جاں بازی، تبلیغ، صناعی، عدل، تسخیرِ کائنات، تہذیب و تمدن کی ترقی وغیرہ۔ دوم جن کا ہر فرد میں پایا جانا ضروری ہے۔ مثلاً راست گوئی، فواحش سے اجتناب، حفظِ عقود۔ والدین سے حسنِ سلوک، حرام خوری سے احتراز وغیرہ۔ اوّل اجتماعی ہیں اور دوم شخصی۔ بعض شخصی اعمال کی زد حیاتِ ملّی پر زیادہ پڑتی ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا۔ حرام کھانا۔ حکام کی نااہلی و بے انصافی اور بعض کی نسبتاً کم۔ مثلاً والدین سے حسنِ سلوک۔ غیبت سے بچنا۔ حلم۔ رحم وغیرہ علیٰ ہذا۔ تسہیلِ کار کے لیے ہم نے مؤخر الذکر اعمال کو شخصی قرار دیا ہے۔ ورنہ اسلام جماعتی نظام کا قائل ہے اور ہمارے تمام اعمال اجتماعی ہیں۔

دنیوی کامیابی دس لاکھ روپیہ جمع کر لینے اور پانچ ہزار ایکڑ زمین کا مالک بن جانے کا نام نہیں۔ بلکہ دوسروں کے دل میں گھر کر لینے کا نام ہے۔ ہم نے ایسے بڑے بڑے دولت مند دیکھے ہیں۔ جن پر ساری دنیا لعنت برساتی ہے اور ایسے فقیر بھی دیکھے ہیں جن کے پاؤں پر ساری کائنات سجدہ کرتی ہے۔ ہمارے انبیاء، اولیا اور حکما میں

سے شاید ہی کوئی آسودہ حال ہوا ہو۔ لیکن اُن کی کامیابی پر ارض و سما شہادت دے رہے ہیں اور دوسری طرف بڑے بڑے کروڑ پتی لوگ پیوند زمین ہوئے کہ اُن پر ایک آنسو تک بہانے والا دستیاب نہ ہو سکا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان زندۂ جاوید ہستیوں میں وہ کون سے اوصاف تھے جن کی بدولت وہ انسانیت کے ہیرو بن گئے اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اسلام (مذہب کا خلاصہ) کے بعض یا اکثر اصولوں کو اپنایا تھا۔

حاتم نے صرف سخاوت، نوشیرواں نے عدل۔ فاروقِ اعظمؓ نے خدمتِ خلق، اسکندرِ اعظم نے جاں بازی، رام چندر جی نے اطاعتِ والدین، کولمبس نے جفاکشی مامون نے علم نوازی، البرامکہ نے فیاضی، بقراط، جالینوس، افلاطون، ابنِ سینا، ابنِ رُشد، دیاس اور المیک، آئن سٹائن اور سی وی رامن نے علم نیوٹن اور اڈیسن نے تحقیق و تسخیر، گاندھی اور قائدِ اعظم نے جدوجہد کی بدولت کروڑوں دلوں میں گھر بنا لیا تھا۔ کامیاب زندگی ایک بلند پہاڑی چٹان ہے جس پر چڑھنا جسمِ جاں جوکھوں کا کام ہے۔ مصائب سے بھاگنے اور محنت سے جی چرانے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ محبوبِ خلائق بننے کے لیے تمام ترغیبات کو کچلنا اور اہواء و اغراض سے دامن جھٹکنا پڑتا ہے۔ صرف راستی کو لے لیجیے اور اپنی طویل زندگی کے تمام واقعات کو سامنے رکھ کر بتائیے کہ کیا آپ ایک دن بھی جھوٹ کے بغیر گزار سکے۔ غیبت نہایت ذلیل اور پست قسم کی بدکاری ہے۔ کیا آپ اس سے کبھی بھی بچ سکے؟ کیا آپ نے حرام خوری کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے جانے دیا؟ کیا آپ نے بارہا اپنے مواعید کو نہیں توڑا۔ کیا آپ اپنے غریب اقارب سے دور نہیں بھاگتے رہے۔ کیا آپ نے فیاض و مہمان نواز بننے کی کبھی بھی کوشش کی؟ بیشک آپ وزراء و حکامِ اعلیٰ کے اعزاز میں بڑی بڑی دعوتوں کا انتظام کرتے رہے۔ لیکن کیا کبھی شہر کے یتامیٰ کا بھی حال پوچھا؟ غبار آلود

مساکین کی بھی خبر لی؟ اگر ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے تو یقین کیجئے کہ آپ نے زندگی کی عمودی چٹان پر چڑھنے کا ابھی ارادہ ہی نہیں کیا۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ۝

(البلد)

(یہ لوگ زندگی کی چٹان پہ نہیں چڑھ سکے جانتے ہو یہ چٹان کیا ہے؟ غلاموں کو آزاد کرانا، یا مشکل اوقات میں اپنے خاندان کے یتیموں اور غربا اور مساکین[1] کو کھانا کھلانا (یعنی ان کے لیے مستقل گندم اوقات کا انتظام کرنا) جو لوگ اس گھاٹی پر چڑھتے ہیں، وہی ایماندار ہیں۔ یہی لوگ دوسروں کو صبر و رحم کی تلقین کر سکتے ہیں اور ساتھی کی دائیں مٹھی میں دنیا کے مل ہوتے ہیں)۔

شخصی مدافعت: کسی روٹھے ہوئے عزیز کو راضی کرنا بڑا مشکل فرض ہے اسے وہی لوگ سرانجام دے سکتے ہیں۔ جو اس مشتعل عزیز کی تلخ باتیں سننے کی ہمت رکھتے ہوں اور جنہیں اپنے آپ پر مکمل ضبط حاصل ہو۔ بدی کا جواب نیکی کی صورت میں وہی لوگ دے سکتے ہیں جو بائیں گال پہ تھپڑ کھانے کے بعد دائیں بھی پیش کر سکتے ہوں۔ بدگوئی اور زہریت سے وہی لوگ رک سکتے

[1] قرآن نے فقیر و مسکین کے الفاظ بارہا استعمال کئے ہیں۔ ان سے مراد آوارہ گرد، ظلومند بیکار اور غلیظ بھکاری نہیں جسا تھ پاؤں کا استعمال گناہ سمجھتے ہیں ایسے لوگوں کو سفیہہ کہا گیا ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاۗءَ اَمْوَالَكُمُ (سفہا کو اپنے مال سے کچھ نہ دو۔ بلکہ فقیر سے مراد وہ پیشہ ور یا صناع ہے جس کی کمائی کم ہو اور مسکین سے مراد وہ ضعفا اندھے اپاہج وغیرہ جو دست و پا

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہی جو اپنے سرکش نفس یا ایگو کو رام کرنے کے بعد اپنے شیطان کو مسلمان بنا چکے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی رکاوٹ۔ بلکہ قلزم ہستی کی سب سے خونی لہر اور آتش کدۂ خیات کا سب سے بڑا شرارہ شیطان ہے۔ یہ نفس یا شیطان ہی ہے جو دنیا کے تمام مفاسد۔ تمام بداعمالیوں، قبائل کاریوں۔ ذلتوں اور خواریوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی کو کچلنے کے لیے لاکھوں انبیا مبعوث ہوئے اور اسلام کی روشن ہدایات اسی کے شر سے بچنے کے لیے ہیں۔

ایک گالی کے جواب میں دس گالیاں سنانا اور منہ پہ تھپڑ کھینچ مارنا نہایت آسان ہے لیکن دشنام کے جواب میں معاف دینا اور رب اهدِ قومی فانهم لا یعلمون (اے رب میری قوم کو سیدھی راہ دکھا۔ کہ یہ بیچارے لاعلمی کی وجہ سے درپئے آزار ہیں) کہنا بے حد مشکل ہے۔ جہاں تک قومی دماغ کا تعلق ہے اللہ نے انتقام و قصاص کو زندگی کہا ہے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ (قرآن) (عقلمندو! تمہارے لئے "کم" پہ غور فرمایئے یہ جمع ہے)۔ زندگی انتقام لینے میں ہے۔)

لیکن شخصی مدافعت کیلئے اللہ نے صرف صبر و تحمل کو کافی نہیں سمجھا بلکہ ایذا رسان کے ساتھ نیز احسان کی تعلیم بھی دی ہے۔ ایک شخص سر بازار آپ کو رسوا کرتا ہے۔ آپ کے خلاف جھوٹا مقدمہ بنا دیتا ہے۔ یا ذلیل قسم کی سازشیں کرتا ہے۔ ایسے آدمی کے لیے آپ کا رویہ کیا ہونا چاہیئے، قرآن کے الفاظ میں سنیئے۔

(بقیہ صفحہ ۳۰۲) لوگ جو بھی بقدر کسب رزق کی استعداد ہی نہ ہو۔

مسکین، آنکہ از فقر (احتیاج) از قوت و حرکت باز داشته باشد۔ ضعیف (منتہی الارب)

فقیر: قال اغنانی فقرا، پیشہ وران کہ بجا ایشاں بمناعت کار آمد نباشد۔ (یعنی وہ کاریگر جو بیشہ (منتہی الارب) کھیتوں، مشرکوں اور کارخانوں وغیرہ میں کام کرنے والا ضمانت کو قرض دینے لائق ہوں اور مساکین ہیں۔

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَبَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝ وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَمَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ۝

(السجدہ)

(تم اپنی مدافعت میں اس قدر بلند رویہ اختیار کرو کہ تمہارا جانی دشمن تمہارا دلی دوست بن جائے لیکن مدافعت کا یہ طریقہ وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس میں بڑا حوصلہ ہو اور جو عظیم عزم کا مالک ہو)۔

آیت کو پھر پڑھیے اور سوچئے کہ زندگی میں یہ رویہ آپ نے کتنی مرتبہ اختیار کیا۔ اور کتنے دشمنوں کو دوست بنایا! یہ تو مجھے معلوم ہے کہ آئے دن آپ کوئی نہ کوئی دوست کھو بیٹھتے ہیں۔ کہ آپ کے دشمنوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ کہ آپ ایک گالی کے جواب میں سر پر پتھر کھینچ مارتے ہیں۔ اور کہ آپ ذرا سی ناگوار بات پر اپنے ماتحت کی جان نکال لیتے ہیں لیکن جو بات میں معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ کیا آپ مسلمان ہیں! پیرو قرآن ہیں! اگر ہیں تو اُن دشمنوں کی تعداد بتائیے جو آپ کے حسنِ سلوک کی بدولت آپ کے جانی دوست بن گئے۔ اگر نہیں بتا سکتے تو پھر جاؤ زندگی بھر اپنی بدعملی کی سزا بھگتو۔ اعدائی سازشوں کا ہدف بنو۔ اپنی فصلیں جلواؤ۔ اپنے گھروں میں نقب لگواؤ۔ عدالتوں میں پیشیاں بھگتو پولیس کے سامنے ماتھا رگڑو۔ مجسٹریٹوں کے سامنے گڑگڑاؤ ایرے غیرے سے سفارشی چٹھیوں کی بھیک مانگو اور اپنے دماغ کو خوف و اضطراب کا بھڑکتا ہوا جہنم بنالو۔

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝ (ہمزہ)

(کیا تم جانتے ہو کہ جہنم کیا ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکتی ہوئی آگ ہے جو دلوں کو گھیر لیتی ہے)۔

اگر آپ اس "دلوں کو گھیر لینے والی آگ" سے بچنا چاہتے ہیں تو مدافعت کا اسلامی طریقہ اختیار فرمائیے۔

سعدیؒ بوستان میں لکھتا ہے کہ کسی وجہ سے شاہِ یمن حاتم سے ناراض ہو گیا اور ایک آدمی کو حکم دیا کہ جاؤ اور حاتم کا سر کاٹ لاؤ۔ جب یہ آدمی قبیلۂ طے کی بستیوں کے قریب پہنچا تو شام کے وقت ایک گاؤں کے باہر اُسے ایک آدمی ملا، جو اُسے اپنے گھر لے گیا۔ بڑی خاطر و مدارات کی اور جب سحر کے وقت وہ یمنی روانہ ہونے لگا، تو میزبان نے مقصدِ سفر دریافت کیا۔ کہنے لگا، آپ ایسے شریف النفس انسان سے کیا چھپاؤں، شاہِ یمن نے مجھے حاتم کا سر کاٹنے کے لیے بھیجا ہے۔ از راہِ کرم بتا دیجئے کہ حاتم مجھے کہاں ملے گا؟ یہ سنتے ہی میزبان نے سر جھکا دیا اور

بخندید و گفتا کہ حاتم منم
سر اینک جدا کن بہ تیغ از تنم
مبادا کہ چوں صبح گردد سپید
گزندت رسد یا شوی نا امید

(مسکرا کر کہنے لگا کہ حاتم میں ہی ہوں اور یہ سر حاضر ہے۔ اسے جلدی کاٹ لیجیے مبادا کہ طلوعِ صبح کے بعد آپ کو مایوس ہونا پڑے۔ یا میری قوم کا کوئی آدمی آپ کو تکلیف دے۔

چو حاتم بہ آزادگی سر نہاد
جواں را بر آمد خروش از نہاد

(جب حاتم نے اپنا سر بڑی بے تکلفی سے جھکا دیا، تو جوان کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی)۔

اور واپس چلا گیا۔ جب شاہِ یمن نے خالی لوٹنے کی وجہ پوچھی، تو جوان نے ساری کہانی سُنائی اور کہا کہ ارادۂ قتل سے تو میں روانہ ہوا تھا۔ لیکن بات اُلٹی ہو گئی، یعنی حاتم نے ع

بہ شمشیرِ احسان و فضلم بکُشت

(احسان و کرم کی تلوار سے مجھے ذبح کر ڈالا)

آپ نے حضرت علیؓ کی یہ داستان بھی سُنی ہو گی کہ کسی لڑائی میں ایک پہلوان نما دشمن اور حضرت علیؓ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے اُسے گرا لیا۔ اُسکی چھاتی پر بیٹھ کر خنجر اُس کی پسلیوں میں بھونکنا ہی چاہتے تھے کہ اُس نے حضرت علیؓ کے مُنہ پر تھوک دیا۔ آپ نے خنجر نیام میں ڈال لیا اور اُسے چھوڑ دیا۔ پہلوان نے وجہ پُوچھی تو فرمایا "میں تم سے صرف اللہ کی خاطر لڑ رہا تھا۔ لیکن تم نے علیؓ کے مُنہ پر تھوک کر علی کو شامل کر دیا۔ اب اس کی للّٰہیت میں اس کے بھڑکے ہوئے جذبات بھی شامل ہو گئے تھے اور چونکہ علی اپنی خاطر کسی کو دُکھ نہیں دینا چاہتا اس لیے اس نے تمہیں چھوڑ دیا۔"

علیؓ کا یہ بلند کردار دیکھ کر وہ پہلوان فوراً مُسلمان ہو گیا اور وہی شخص جو ایک لمحہ پہلے اسلام کا جانی دشمن تھا۔ اب جانی دوست بن گیا۔

کردارِ عظیم کی یہی وہ شمشیر آبدار ہے جو اے انسانو! اللہ تمہاری مدافعت کے لیے تمہیں عنایت کرنا چاہتا ہے۔ اسی سے تم اطمینان حاصل کر سکتے ہو اور اسی سے تمہارا دماغ بے چینیوں کے شعلہائے مُلتہب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اقارب و اعزہ میں بعض اوقات کسی بات پر پھوٹ پڑ جاتی ہے اور یہ پھوٹ دو صورتیں اختیار کرتی ہے یا تو معاملہ بغض و عناد تک پہنچ جاتا ہے اور یا ایک طرف کا رویہ کچھ ایسا قابلِ تعریف ہوتا ہے کہ دوسری طرف پھر ملنے کے لیے بے

تاب ہو جاتی ہے۔

ہم عموماً دیکھتے ہیں کہ مفارقت کے بعد طرفین ایک دوسرے کی تباہی میں مصروف ہو جاتی ہیں، خوب سازشیں کرتی اور داؤ کھیلتی ہیں۔ عوام تو ہیں ایک طرف ہم نے بارہا علمائے کرام کے ایسے ایسے دنگل دیکھے جہاں تکفیر و تفسیق کے وہ طوفان اُٹھے۔ تضحیک و تذلیل کی وہ آندھیاں چلیں کہ ان رہنمایانِ ملت کی روشن پیشانیاں گرد و غبار سے اَٹ گئیں۔

اعمش تیسری صدی ہجری کے امام الحدیث تھے۔ کسی بات پر امام ابو حنیفہؒ سے ناراض ہو گئے۔ جب آخری مرتبہ بیمار ہوئے، تو امام ابو حنیفہؒ عیادت کے لیے گئے اور کہا کہ اگر آپ کا میرا یہاں آنا ناگوار نہ گزرتا، تو میں عیادت کے لیے بارہا آچکا ہوتا۔ اعمش نے جواب میں فرمایا:

"مجھے تو تیرا اپنے گھر میں بھی رہنا ناگوار ہے۔"

یہ ہے ہجر کبیح

میرے ایک دوست حکومت کے ایک بلند منصب پر فائز ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا اُن سے اُن کے ایک دوست ناراض ہو کر چلے گئے۔ جب کبھی اس طرف کا کوئی آدمی انہیں ملنے آتا، تو یہ اُس ناراض دوست کی طرف پیغامِ سلام بھیج دیتے۔ آٹھ ماہ کے بعد عید الفطر آئی۔ عید سے ایک دن پہلے آپ نے اسے ایک خط لکھا جو منزل پر عید کے دن پہنچا۔ اس میں صرف یہ شعر درج تھا:

یادم ہی کنی و نہ یادم نمی کنی
عمرت دراز باد، فراموش گاہ کن

اِس شعر نے بجلی کا سا اثر کیا اور دُوسرے ہی دن وہ دوست اُڑ کر اپنے دوست کے ہاں پہنچا اور ایک دوسرے سے گلے مل گئے۔

اور یہ تھا ہجر جمیل۔
قرآن ایسی صورتوں میں ہجر جمیل کا حکم دیتا ہے۔

وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ ۔ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ؕ (قرآن)

(اے رسول تم انکی تلخ باتوں کو حوصلے سے برداشت کرو۔ اور ان سے قطع رہو لیکن تمہارے ہجر میں جمال ہو)۔

اصلاح: ہمارے خاندان میں ایک بزرگ ایسے تھے کہ جب کبھی دو رشتہ داروں میں کوئی غلط فہمی پیدا ہو جاتی تو وہ طرفین سے دن میں آٹھ دس مرتبہ ملتے اور آتش اختلاف کو اس قدر ہوا دیتے کہ معمولی شکر رنجی عناد کی شکل اختیار کر لیتی۔ آج انہیں وفات پائے برسوں گذر چکے ہیں۔ لیکن ان کی بھڑکائی ہوئی آگ کوئی اب تک فرو نہیں کر سکا۔ چونکہ ہم سب ابلیس کے ہاتھ میں ایک کھلونا ہیں اس لیے دو آدمیوں کی رنجش پر بے حد خوش ہوتے ہیں۔ اور ان کے تعلقات کو مزید بگاڑنے کے لیے پورا زور لگا دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس صورت حال کو پسند نہیں کرتا اور حکم دیتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْكُمْ ۔ (الحجرات)

(اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں جب دو بھائیوں میں رنجش پیدا ہو جائے تو اسے دور کرو۔)

غیبت، ظن، تجسس: شخصی رنجشیں، حاشیہ نشینوں اور کاسہ لیسوں کی غلط رپورٹوں، بے بنیاد بدگمانیوں اور غمازیوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ سرکاری دفاتر اور دیگر اداروں میں جا کر دیکھو۔ کارکن دو تین مخالف پارٹیوں میں بٹے ہوں گے اور حضور افسر صاحب انگریز کی اس ابلیسی سیاست "پھوٹ ڈالو اور چین سے حکومت کرو" کے مطابق اختلاف کے دائرے کو وسیع تر کر رہے ہوں گے۔

مجھے گذشتہ تیئیس برس میں پورے بیس ہیڈ ماسٹروں اور پرنسپلوں سے پالا پڑا۔ ان میں سے بعض شرافت و بلند اخلاقی کا شاندار نمونہ تھے۔ لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو ایک طرف تو بڑے پابند صوم و صلوٰۃ تھے لیکن دوسری طرف ان کا کردار بڑا گھناؤنا تھا۔ ایک صاحب مکرو سازش میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے۔ جب کسی ماتحت کو تباہ کرنے لگتے تھے۔ تو اس سے سیاجی کی طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے اور اس کی تبدیلی پر الوداعی پارٹی بھی خود دیتے تھے۔ ایک اور صاحب بڑے خوشامد پسند اور غماز واقع ہوئے تھے۔ وہ چند جی حضوریوں سے لطائف مدحیہ اور دوسروں کے عیوب سن سن کر بیحد خوش ہوتے تھے۔ ایک اور صاحب اس قدر مغلوب الغضب تھے کہ ذرا سی ناگوار بات دیکھ کر جامے سے باہر ہو جاتے تھے۔ ان تمام حضرات کے تعلقات اپنے رفقاء سے ناخوشگوار تھے اور ان کا غیر اسلامی کردار خود ان کے لیے اور پوری درسگاہ کے لیے مصیبت بنا ہوا تھا۔

اللہ نے ہمیں تین باتوں سے روکا ہے۔

اوّل : بے وجہ بدگمانی سے

إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ (قرآن) بعض بدگمانیاں مضر نتائج پیدا کرتی ہیں۔

دوم : تجسّس۔ یعنی دوسروں کے عیوب یا کمزور پہلوؤں کو کرید کرید کر تلاش کرنے سے۔

وَلَا تَجَسَّسُوا (دوسروں کے عیوب کرید کرید کر مت تلاش کرو)۔

سوم : غیبت سے : اور یہ اتنی بڑی لعنت ہے کہ انسان کو انسان کا دشمن بنا دیتی ہے۔ ہر مقام پر تلخیاں، سازشیں اور عداوتیں اسی کی وجہ سے پیدا

اداروں میں بھیس بدل کر بھیجنے والے اور افسروں کو ناکام بنانے والے لئے بھی غماز ہیں۔ اللہ نے ایک مقام پر تو سیدھی سی بات سمجھائی ہے۔

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (غمازی اور غیبت سے باز آؤ)

لیکن ایک مقام پر غماز کو آدم خور کہا ہے۔

اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ۔ (کیا تم اپنے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرو گے۔)

ایک جگہ اس مردود پر لعنت بھیجی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (ہر ہرزہ گو اور غماز پر میری لعنت)

قرآن کی آخری سورۃ میں اس خبیث شریف سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی گئی ہے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ (اے رب میں اس خناس سے پناہ
الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ مانگتا ہوں۔ جو دوسروں کے دل میں
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ فاسد خیالات ڈالتا ہے خواہ وہ شیطان ہو یا انسان۔

ایک جگہ اسے فاسق اور بدمعاش کے نام سے یاد کیا ہے۔

اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ (جب ایک فاسق (غماز) تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو فوراً اس کی تحقیق کرو)

قومی زندگی کی بقا کے لیے محکمہ خبر رسانی کا قیام نہایت ضروری ہے تاکہ دشمنوں کے ایجنٹ کوئی سازش نہ کر سکیں، لیکن انفرادی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی سخت ممانعت کر دی ہے۔ اللہ قطعاً پسند نہیں کرتا کہ ہم دوسروں کے

عیب ڈھونڈیں۔ اور گدھ کی طرح مردار کا شکار کریں۔ اگر کوئی شخص ہمیں برا بھلا کہتا ہو، تو اللہ نہیں چاہتا کہ ہمیں اس کی حرکات سے آگاہ کیا جائے کہ اس سے دوبارہ ملنے کے تمام مواقع ختم ہو جائیں گے۔

جس طرح ایک بیماری سے دوسری بیماری پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً قبض سے بخار۔ بخار سے محرقہ۔ محرقہ سے نمونیا یا دق اور دق سے موت۔ اسی طرح غمازی کئی دیگر قبائح کا باعث بنتی ہے۔ ایک غماز اوّل درجے کا منافق بن جاتا ہے وہ اپنا اعتماد قائم رکھنے کے لیے ان لوگوں کی دوستی کا دم بھرتا ہے جن کی جڑیں کاٹ رہا ہوتا ہے اور شبہ ہونے پر جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ دوسری طرف وہ افسر کی ناجائز خوشامد کرتا ہے۔ تاکہ راز افشا نہ ہو جائے۔ وہ طرفین کی نظر میں ذلیل و خوار ہو جاتا ہے۔ یہ ملعون جس ادارے میں موجود ہو وہاں بہتری کی تمام صورتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ سنگدل دوسروں کے مستقبل پر بلاوجہ حملہ آور ہوتا ہے اور وقت پڑنے پر اس کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوتا۔

غماز کے ان تمام "اوصاف" کو اللہ نے اس ایک آیت میں جمع کر دیا ہے

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ (القلم)

یہ ہیں تیرہ نو اوصاف جن سے چغلخور کی ذات گرامی متزین ہوا کرتی ہے۔ پہلے ان اوصاف کی تشریح ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) حلاف۔ کثیر الحلف۔ یعنی بے شمار قسمیں کھانے والا (منجد)

(۲) مہین۔ پست۔ شیر زبان یعنی ذلیل خوشامدی (منتہی الارب)

(۳) ہماز۔ ماخذ ہمز: پنجوں سے زخمی کر دینا۔ پیٹنا، دانتوں سے کاٹ کھانا اور توڑنا۔ ہمز: عیب جو، نکتہ چین۔ غماز: دوسروں کو طعنے

توڑنے، پیٹنے، مارنے اور پنجوں سے زخمی کرنے والا (منتہی الارب)
(۴) مَشّاء = دوڑنے والا۔ یعنی چغلیوں کا پٹارا سر پر اُٹھا کر ادھر کی طرف بھاگنے والا۔
(۵) نَمِیم = نمّ نمًا = اے الشخص الحدیث و رفعہ علی وجہ الا شاعۃ والفساد۔ یعنی فتنہ انگیزی کے لیے کسی بات کی تشہیر کرنا۔
(۶) مَنّاع لِلخیر = منّاع منع سے ماخوذ ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی پوری طاقت کے ساتھ خیر سے روکنے والا۔
(۷) مُعتَد = تمام حدود سے باہر نکل جانے والا یعنی فاسق۔ دشمن معاشرہ اور ننگِ انسانیت۔
(۸) اَثِیم = ماخذ اِثم = ضرر، گناہ، بدکاری۔ آثیمۃ = مُضر، بدکار۔
(۹) عُتُلّ = الجافی۔ الغلیظ۔ الشدید یعنی جفا کار، خبیث اور سنگدل ذہنیت۔ عُتُل = مرد ِ تند بدہ بد ہدی۔
مِعتَلَہ = تیشہ۔ برمہ، ہتھوڑا اور ایسی اونٹنی جو کبھی حاملہ نہ ہو سکے۔ (منتہی الارب)
مطلب یہ کہ چغل خور ایک تیشہ یا ہتھوڑا ہے جس کا کام دوسروں کا سر توڑنا، اُن کا پلستر بگاڑنا اور برمے کی طرح اُن کے مستقبل میں سوراخ کرنا ہے۔
(۱۰) زَنِیم = اللئیم، کان کٹا اونٹ۔
زنیم: حقیر، کمینہ۔ وہ شخص جو دوسری قوم میں شامل ہو کر اپنا نسب بدل ڈالنے لگے۔ انتہا درجے کا ذلیل جس کی ذلت کا ہر طرف چرچا ہو۔ (منجد و منتہی) مولانا اشرف علی تھانوی نے اس کا

ترجمہ "حرامزادہ" کیا ہے۔ گو چغلخور کے لیے یہ نہایت موزوں لقب ہے لیکن افسوس کہ لغات سے اس کی تصدیق نہ ہو سکی۔

ترجمہ آیت:

"اے رسولؐ! تو اِن ذلیل اور خوشامدی چغل خوروں کی بات نہ سُن جو جھوٹی قسمیں کھاتے، انسانوں کو ناگ بن کر ڈستے، عیوب کا پٹارا اُٹھا کر فتنہ انگیزی کے لیے اِدھر اُدھر بھاگتے، پوری قوت کے ساتھ بھلائی کو روکتے تمام حدودِ اخلاق کو توڑتے، ہتھوڑے کی طرح دوسروں کا سر پھوڑتے اور بے نسب لوگوں کی طرح ہر سو سائٹی میں جا گھستے ہیں"

سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے لاکھوں ملازمین مجھ سے اتفاق فرمائیں گے کہ چغلخور ایک نہایت خبیث مخلوق کا نام ہے جو کالے ناگ سے زیادہ زہریلا ابلیس اور بدمعاشوں سے زیادہ پست اخلاق ہوا کرتا ہے۔ میں پاکستان کے تمام حکام سے (جن تک میری یہ ناچیز تحریر پہنچ جائے) اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنے اپنے اداروں کو اس نجاست سے پاک کریں تاکہ کام کی رفتار تیز تر ہو جائے اور ہم سب مل کر ملت کو محکم اور تنومند بنا سکیں۔

یاد رکھیئے کہ غماز کو پکڑنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے کہ یہ ہر آن نیا روپ بدل لیتا ہے۔ یہ سب سے پہلے افسر کی ذاتی خدمت سے اس کے مزاج میں راہ پا جاتا ہے۔ پھر خوشامد سے اس کی سائیکولوجی کو بدلتا ہے اور پھر جب دیکھتا ہے کہ اب یہ احمق افسر اس کے بس میں آ چکا ہے تو پھر باؤلے کتے کی طرح اپنے رفقا کو کاٹنا شروع کر دیتا ہے۔

اگر زمانہ کی گردشوں نے کبھی غلطی سے مجھے وزیر اعظم بنا دیا، تو میں سب سے پہلے ان مارہائے آستین کا سر کچلوں گا، جنہوں نے ہر ادارے میں بے گناہ

کارکنوں کا دم ناک میں کر رکھا ہے اور پھر اُن افسروں کی قبر توں کا جنہوں
نے یہ سانپ اور باؤلے کتے پال رکھے ہیں۔

نہ سگ دامنِ کاروانی درید   کہ دہقانِ نادان کہ سگ پرورید
(سعدیؒ)

(مسافر کا دامن کتے نے نہیں پھاڑا۔ بلکہ اس احمق دہقان نے جس نے
کتا پال رکھا ہے)

ہمارے دکاندار: کسی قوم کا زوال دراصل زوالِ اخلاق کا نام ہے جب
اخلاق بگڑ جائیں، تو کہیں امن نہیں رہتا۔ عدالتیں بے انصافی سے اور بازار
کذب و فریب سے بھر جاتے ہیں۔ دُنیا میں اور بھی قومیں موجود ہیں۔ لیکن جس
پست اخلاقی کا مظاہرہ مسلمانانِ عالم کر رہے ہیں۔ اس کی مثال ڈھونڈے
سے بھی نہیں ملتی۔ بازار میں کسی دکان پر جاؤ۔ دکاندار پہلے غلط پیکس بیش کر کے آپ
کو دھوکا دے گا۔ پھر دس سال کا گلا سڑا کپڑا پھاڑ کر آپ کے حوالے کر دے گا۔ یہ
مرض کراچی میں بہت زیادہ ہے۔ بندر روڈ کی کسی دکان پر جائیے۔ چیز کا نرخ پوچھئے
پہلے وہ دگنے دام بتائے گا اور آدھ گھنٹے کی جھک جھک کے بعد نصف پہ فیصلہ ہوگا۔
کل کے اخبارات میں یہ خبر نظر سے گذری کہ حکومت پنجاب کے محکمہ
اوزان نے لاہور کے بہتر دکانداروں کو اس جرم میں گرفتار کیا ہے۔ کہ ان پیروانِ
رسولؐ نے دو قسم کے اوزان رکھے ہوئے تھے۔ لینے کے اور دینے کے اور چند
روز ہوئے میں نے گھر کے لیے ایک کھتہ گو سے گندم خریدی۔ اس نے چند
بوریاں میرے ہاں بھجوا دیں اور رقم وصول کر لی۔ بعد میں ہر بوری کی تہ سے پچیس
پچیس سیر مٹی اور ریت برآمد ہوئی۔ یہ تو تھی حالت ہمارے دکانداروں کی اب
ذرا ایک نگاہ دیگر اقوام پر ڈالئے۔

امریکہ میں ایک دو نہیں لاکھوں ایسی دکانیں موجود ہیں جن میں دکاندار موجود نہیں ہوتا۔ گاہک آتا ہے، چیز کی قیمت کیش بکس میں ڈال کر اور باقی پیسے اُٹھا کر چلا جاتا ہے۔ آج تک کسی دکاندار کو کبھی کسی نے دھوکہ نہیں دیا۔ لندن کے بڑے بڑے چوراہوں میں تازہ اخبارات کے انبار لگے ہوتے ہیں اور ایجنٹ غائب۔ اخبار اُٹھائیے، پیسے صندوق میں ڈالئے اور چلتے بنئے۔ وہاں سردی کی راتوں میں ہر شخص دو چیزیں دروازے کے باہر رکھ دیتا ہے۔ بوتل اور جوتے۔ سویرے دودھ والا بوتل کو بھر جاتا ہے اور پالش والا جوتے صاف کر جاتا ہے۔

میرے ایک شناسا جاپان میں سفر کر رہے تھے۔ ایک اسٹیشن پر انہوں نے اخبار خریدا۔ اخبار فروش کو دس روپے (جاپانی سکہ) کا نوٹ دیا۔ وہ کریانہ لینے گیا اور گاڑی چل دی۔ اگلے اسٹیشن پر ایک آدمی اُس ڈبے کے پاس آکر پوچھنے لگا۔ پچھلے اسٹیشن پر کون صاحب پیسے چھوڑ آئے تھے، اور باقی رقم اُن کے حوالے کی۔

باقی اقوام کا شخصی کردار عموماً اور انگریز (امریکہ بھی شامل) کا خصوصاً نہایت بلند ہے۔ یہ لوگ کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ ان کا قول پتھر پہ لکیر ہوتا ہے۔ اگر ان کے اوزان کا وزن (کثرتِ استعمال کی وجہ سے) کم ہو جاتے تو وہ انہیں خود اُٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں۔ ان کا نرخ ایک، زبان ایک، قول ایک۔ یہاں انگریز ڈیڑھ سو برس رہے۔ اس عرصہ میں ہم نے ان سے ہزاروں مفید باتیں سیکھیں۔ لیکن اُنہیں ایک بھی نہ سکھا سکے۔ مجھے یاد ہے کہ جب کسی انگریز افسر کو کسی تقریب میں جانا ہوتا تھا تو وہ پابندیٔ وقت کا یُوں خیال رکھتا کہ ایک منٹ آگے پیچھے نہ ہوتا اور دوسری طرف آج سے دو برس پہلے ہم لوگ ایک وزیر کے استقبال کے لیے ایک مقام پر جمع ہوئے۔ آمد کا وقت پونے نو بجے (صبح)

دیا ہوا تھا الٰہ وزیر صاحب بہادر شام کے ساڑھے پانچ بجے تشریف لائے۔

ہمارے اخلاق کی حالت اس قدر تباہ شدہ ہے کہ ۱۹ر جولائی ۱۹۵۲ء کو میں کراچی کی جونا مارکیٹ سے گزر رہا تھا کہ ایک مسلم نوجوان نے لپک کر ایک راہ رو کا بٹوا نکال لیا اور ایک گلی میں سرپٹ بھاگ نکلا۔ سینکڑوں لوگوں نے اس کا تعاقب کیا۔ لیکن اُس کے نصف بھر لمبے چاقو کے خوف سے اُسے کوئی نہ پکڑ سکا۔ لطف یہ کہ چوک والا سپاہی ایک قدم اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مہاجرین کا ایک پورا گروہ اس کام میں لگا ہوا ہے۔ جیسی رُوح ویسے فرشتے۔ جیسے ہم انصار ویسے ہمارے مہاجرین۔ اللہ نے ملائی جوڑی، ایک گنجا اور ایک کوڑھی۔

پاکستان والو! تم جس تیزی سے بدکاری کی طرف بھاگ رہے ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں پاکستان کی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ وہ دن نہ لائے کہ وحشی سکھوں کے غول ہماری بستیوں میں داخل ہو کر ہماری خواتین کی عصمت لوٹیں۔ ہمیں زندہ اٹھا اٹھا کر آگ میں پھینکیں۔ اور جو بچ جائیں انہیں پہاڑوں اور صحراؤں کی طرف دھکیل دیں۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ آپ کو آزادی کاٹ رہی ہے اور اس ڈنگ لگا رہا ہے۔ ورنہ صرف پانچ برس کی قلیل مدت میں یہ شرمناک اخلاقی زوال، رشوت کی یہ بہتات، بدعہدی کا یہ عالم، کذب و فریب کا یہ سیلاب، چور بازاری، گراں فروشی اور کم تولی کا یہ طوفان۔ میں دیکھتا ہوں تو تمہارے انجام کے خوف سے کانپ اُٹھتا ہوں۔

میں سینکڑوں ایسے افراد سے آگاہ ہوں جنہوں نے ظہور پاکستان کے بعد تجارت شروع کی۔ خوب پھلے پھولے لیکن جلد ہی منافع اندوزی، گراں فروشی کذب بیانی، بدعہدی اور کم سنجی پہ اُتر آئے۔ اللہ نے ان

کی تجارتیں تباہ کر دیں۔ اور انہیں خانہ بدوش بنا کر غربت میں دھکیل دیا۔
ہم صفحات گذشتہ میں عرض کر چکے ہیں اور آپ کو پھر یاد دلاتے ہیں کہ اعمال و نتائج کے درمیان اسباب و علل کا ایک مخفی سلسلہ کارفرما ہے۔ ہر زمانے میں صداقت و دیانت کا نتیجہ ایک آسودہ زندگی تھی اور ہر فند میں کذب و فریب پر لعنت برسائی گئی۔ اللہ نے بددیانت لوگوں کے چشمے خشک کر دیئے۔ ان کی کھیتیاں اجاڑ دیں اور ان کی تجارتیں برباد کر دیں۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (التطفیف)

اُن فریب کار تاجروں پر لعنت (تباہی طاری) جو دوسروں سے تو جنس پوری تول کر لیتے ہیں۔ لیکن دیتے وقت کم تولتے اور ناپتے ہیں۔

چند مسخ شدہ فطرتیں! انسانوں کی ایک قسم تو وہ ہے جس کے تعلقات اللہ سے قائم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے شریف مزاج، حمیدہ سیر، خادم خلق، صادق القول، راسخ الوعد، مخلص مسارع الی الخیر اور راستباز ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ جو شیطان کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں۔ ابلیس ان کی سیرتوں کو مسخ کر دیتا ہے۔ ان میں سے بعض کو چور، کسی کو جھوٹا اور کسی کو زانی بنا دیتا ہے کچھ لوگ ایسے بھی ملتے ہیں جو بظاہر شریف نظر آتے ہیں۔ لیکن ان کی سیرت میں کئی طرح کی کجیاں ہوتی ہیں۔

گذشتہ جنگ عظیم میں اس ضلع سے تقریباً پچاس ہزار نوجوان فوج میں بھرتی ہوئے۔ اس بھرتی کی محرک صرف بھوک تھی۔ لیکن ہمارے

اُمرا نے ان رنگروٹوں کی فہرستیں بنا کر حکومت کے سامنے پیش کر دیں۔ کسی نے چار ہزار اور کسی نے آٹھ ہزار رنگروٹ لکھ دیئے اور صلے میں ایک ایک مربع لے لیا۔ کچھ ایسے بھی تھے جو حکام کے ہمراہ دو چار میل کا چکر لگاتے اپنی کتاب میں اپنی تعریف لکھوا لیتے۔ اور بعد میں حکومت سے اسنادِ خوشی حاصل کرتے رہے اس قسم کے بیکار طفیلی آج بھی ہر جگہ موجود ہیں جو يُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا (چاہتے ہیں کہ کام کیے بغیر اُن کی تعریف کی جائے)

ہمارے اُمرا میں کچھ ایسے بزرگ بھی ملتے ہیں، جنہیں دولت کے غرور نے اندھا بنا رکھا ہے۔ وہ حکام کی دعوتوں پر تو بے دریغ روپیہ لٹا دیتے ہیں لیکن ملت ساز اداروں کو ایک کھوٹا پیسہ تک نہیں دیتے۔ وہ ہز ایکسیلنسی کی عیادت کے لیے چار سو میل لمبے سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر لیں گے۔ لیکن غریب ہمسایہ کے جنازہ تک میں شامل نہیں ہوں گے۔ وہ صاحب بہادر کو خوش کرنے کے لیے تجوریوں کے منہ کھول دیں گے۔ لیکن اپنے کسان اپنے محلے کے غریب کی بہبودی کے لیے زکوٰۃ تک نہیں ادا کریں گے۔ وہ تھانیدار کے استقبال کے لیے گھنٹوں دھوپ میں کھڑے رہیں گے۔ لیکن محنت سے چور مزدور کو اپنی دیوار کے سایہ میں سستانے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔ دولت کا نشہ، حکام سے روابط کا غرور اور وزارت سے تعلقات کا گھمنڈ ان لوگوں کو انسانی فرائض سے غافل بنا دیتا ہے۔ یہ کسی کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوتے اور نہ دُکھ میں کسی کے کام آتے ہیں۔ ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہیں اور ان میں جذباتِ رحم و محبت کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ (اللہ ہر مغرور و سرکش کے دل پر

كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ (المومن)   مہر لگا دیا کرتا ہے۔)

شخصی اعمال کی فہرست کافی طویل ہے۔ ابھی کئی ایسی چیزیں باقی ہیں مثلاً اطاعتِ والدین۔ تواضع، خدمتِ خلق وغیرہ جن پر ہم نے بحث نہیں کی لیکن ان اعمال کی افادیت اس قدر واضح ہے کہ مزید تفصیل محض تضیعِ اوقات ہوگی اس لیے ہم اس بحث کو یہیں ختم کرتے ہیں۔

نعمت ولعنت کی تشریح

ہم صفحاتِ گذشتہ میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ بلند اعمال کو پسند اور بدکاریوں کو ناپسند کرتا ہے۔

وَلَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ   (اللہ بندوں کے نیک اعمال کو پسند
وَاِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ (الزمر)   اور بدکاری کو ناپسند کرتا ہے۔)

صرف بلند اعمال انسان کو بلند بناتے ہیں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ   (فاطر)

(طلبگارِ عزت و رفعت کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عزت کے تمام خزائن اللہ کے پاس ہیں۔ اللہ تک صرف پاکیزہ کلمات (بجز اقوال و مقالات، مسیح کی ولادت مجزانہ تھی اس لیے اللہ نے اسے کلمہ کہا) پہنچتے ہیں اور بلند اعمال طلبگارِ عزت کو بلند کر دیتے ہیں۔

اور ہمارا ذاتی تجربہ اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ نیک اعمال سے افراد و اقوام کی عزت بڑھتی ہے۔ اقوامِ مغرب اسلام کی صرف چند ہدایات (علم محنت تنظیم اور صفائی وغیرہ) پر کاربند ہو کر فلکِ تہذیب کی آفتاب بنی

ہوئی ہیں۔ سلطنت، دولت، آسودہ حالی، علم، طاقت اور ہیبت کی مالک ہیں۔ اور دوسری طرف حاملینِ قرآن ہر جگہ ضعیف، غلیظ، مفلس، جاہل، غیر منظم کاہل اور دوسروں کے دستِ نگر ہیں۔ اللہ کی رحمتیں " اغیار کے کاشانوں پر اور اس کی بجلیاں ہم پر برس رہی ہیں"۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کا وہ وعدہ کہاں گیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْكُمْ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط (النور)	(اللہ بلند اعمال ایمانداروں سے وعدہ کرتا ہے کہ انہیں زمین کا فرمانروا بنا دے گا۔ جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بنایا۔ ان کے پسندیدہ دستور کو سختی سے نافذ کرے گا۔ اور اُن کے خوف کو امن سے بدل ڈالے گا۔)

آج مسلمانوں میں اپنا دستور نافذ کرنے کی کیوں سکت باقی نہیں رہی؟ وہ ہر جگہ کیوں مبتلائے خوف ہیں؟ اور ان کی حکومتیں ہر روز کیوں سمٹ کر تنگ ہو رہی ہیں؟ یا تو کہیے کہ خاکم بدہن اللہ کا وعدہ غلط تھا اور یا تسلیم کیجئے کہ ہمارے اعمال میں صلاحیت و صالحیت باقی نہیں رہی۔ مجھے یقین ہے کہ ایمان اور اعمالِ صالح جہاں ہیں، جہاں اس کی رحمتیں برس رہی ہیں اور کفر و شرک بھی وہیں ہے۔ جہاں ذلت جہالت، ہلاکت اور غلاظت نے ڈیرے ڈال رکھے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا	(ہم نے مجرموں سے انتقام لیا اور

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ (الروم) — ایمان والوں کی مدد کرنا ہمارے ذمے عدل بھی تھا)

مُلّا کے ہاں نعمت کا تصور عجیب ہے جو وہ دنیوی جنات وعیون، قصور وزروع، ثیاب وامتعہ اور مال وملک کو متاع الغرور سمجھتا ہے اور حورات کے جلوے کو نعمت عظمیٰ اور حورِ جنت کو نعمت کبریٰ قرار دیتا ہے۔ مسلمان غلام رہے یا آزاد۔ فارغ البال ہو یا تنگدست، غلیظ ہو یا صفا پسند، جاہل رہے یا عالم۔ جائے جہنم میں۔ اس کا منتہائے نظر تو اپنا "چودھراہٹ" قائم رکھنا ہے اور وہ اسی صورت میں قائم رہ سکتا ہے کہ سارا محلہ پانچ وقت اس کی خدمت میں حاضر ہوتا رہے اور ہر شخص نے ڈیڑھ بالشت ڈاڑھی چھوڑ رکھی ہو۔ ملّا قرآن کی بلند سیاست اور اس کے عظیم فلسفے سے بالکل بے خبر ہے۔ اس کی بلا جانے کہ قومیں کس طرح بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اللہ کے انعامات کیسے تقسیم ہوتے ہیں اور تباہیاں کیوں آتی ہیں؟

- آئیے! نعمت ولعنت کا مفہوم خود اللہ سے دریافت کریں۔

نعمت: نعمت کے لیے دوسرا لفظ رحمت ہے۔ اللہ نے تمام طیبات، ازواج وبنین، اموال وامتعہ، وراثتِ ارضی، جنات وعیون، تسخیرِ کائنات، علم، انبیا، اتحاد، امن وغیرہ کو نعمت قرار دیا ہے۔

وراثتِ ارضی نعمت ہے

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاءَ وَجَعَلَكُم مُّلُوكًا وَآتَاكُم مَّا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝

(موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا۔ اے بنی اسرائیل! تم اللہ کی اس نعمت کو مت بھولو۔ کہ اس نے تمہاری طرف انبیاء بھیجے۔ تمہیں جہانبان بنایا

اور تمہیں وہ کچھ دیا جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوا تھا۔

سایہ دار درخت مورچے زرہیں اور خیمے نعمت ہیں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ۔ (النحل)

(اللہ نے تمہارے لیے سایہ دار درخت اگائے اور تمہاری حفاظت کے لیے پہاڑوں میں اوٹ (مورچے) بنائے تمہیں خیمے عطا کئے کہ تم تپش سے بچ سکو۔ اور زرہیں دیں کہ جنگ میں نقصان نہ اٹھاؤ اور اس کا ارادہ ہے کہ وہ تم پر اپنی نعمتوں کی تکمیل کر دے)۔

تسخیر کائنات نعمت ہے

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ط

(کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ نے ارض و سما کو تمہارے لیے مسخر کیا اور اس طرح اس نے عیاں و نہاں تم پر نعمتوں کی بارشیں برسائیں۔)

اولاد، بیویاں اور طیبات نعمت ہیں

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ

(اللہ نے تمہاری ہی نسل سے تمہیں بیویاں عطا کیں جن سے بیٹے اور پوتے پیدا ہوئے۔ پھر تمہیں جہان بھر کی نفیس چیزیں بطور رزق دیں۔ کیا یہ لوگ اب بھی باطل پر ڈٹے رہیں گے اور خدائی نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کریں گے؟)

باغ، چشمے، کھیتیاں اور خوبصورت محلات نعمت ہیں: آلِ فرعون

کو دیکھو کر وہ لوگ کَمْ تَرَکُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ
کَرِیْمٍ وَّنَعْمَۃٍ کَانُوْا فِیْہَا فٰکِہِیْنَ ۔
(کتنے ہی باغ، چشمے، کھیتیاں، خوب صورت محل اور دیگر مقامات جہاں وہ زندگی کے مزے لوٹا کرتے تھے۔ چھوڑ کر چل دیئے)

ایسی قوت جو دشمن کے چھکے چھڑا دے نعمت ہے۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ ہَمَّ قَوْمٌ اَنْ یَّبْسُطُوْۤا اِلَیْکُمْ اَیْدِیَہُمْ فَکَفَّ اَیْدِیَہُمْ عَنْکُمْ۔
(اے اہلِ ایمان! ہماری اس نعمت کو یاد کرو کہ قوم نے تم پر چڑھائی کا ارادہ کیا، لیکن ہم نے ان کے ہاتھوں کو چھوٹا کر دیا۔ (یعنی تمہارے اتحاد، تنظیم اور قوت کی وجہ سے وہ ڈر گئی)

اتحاد نعمت ہے۔ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖۤ اِخْوَانًا۔
(اے اہلِ عرب! تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا، اور تم اس کی نعمت (فضل) سے بھائی بھائی ہو گئے)

بدکاری سے بچنا نعمت ہے۔ وَلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَہِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکُمْ
(اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہیں تمام بدکاریوں سے بچا کر اپنی نعمتوں کی تکمیل کرے۔)

قرآن و اسلام نعمت ہیں۔ حضور علیہ السلام پر آخری آیت یہ نازل ہوئی تھی۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔
آج میں نے تمہارا آئین (قرآن) مکمل کر دیا ہے تم پر اپنی پوری نعمت نازل

کر دی ہے اور اسلام کو تمہارا مذہب بنا دیا ہے۔

نبوت، صداقت، شہادت اور صلاحیت نعمت ہیں۔ : وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔

(اللہ اور رسول کے پیروؤں کو انبیاء، صدیقا، شہدا اور صلحا کی رفاقت نصیب ہوگی جنہیں اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا اور یہ بہترین رفاقت ہے)۔

فرشتوں کی امداد نعمت ہے : اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

(اللہ نے فرمایا، اے عیسیٰ بن مریم میری اُن نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تمہیں اور تمہاری والدہ کو دی تھیں، مثلاً یہ کہ میں نے روح القدس سے تمہاری امداد کی تھی....)

اِس دُنیا کی آسائشیں رحمت ہیں : وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً (اے اللہ ہمارے لیے اِس دنیا کو رحمت بنا دے۔)

تسخیر جبال اور اسلحہ سازی نعمت ہے : وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَاْسِكُمْ۔

(ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حضرت داؤد کے سامنے مسخر کر دیا، اور اسے زرہ سازی کی صنعت سکھائی تاکہ تم جنگ میں اپنی حفاظت کرسکو۔)

اگر اُس زمانے میں زرہ اس لیے نعمت تھی کہ وہ خطرات جنگ سے بچاتی تھی۔ تو پھر اس زمانے میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیوں کو کیوں نعمت نہ سمجھا جائے۔

ہواؤں کی تسخیر نعمت ہے وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ عَاصِفَۃً تَجْرِیْ بِاَمْرِہٖ۔

(ہم نے تند ہواؤں کو سلیمانؑ کے قبضے میں دے دیا اور یہ اُسکے حکم سے چلتی تھیں۔

آج کئی مقامات پر حکومت نے ایسے انجن لگا رکھے ہیں جو ہوا کو کھینچ کر ایک مضبوط ٹینکی میں بھر دیتے ہیں اور پھر اس کے دباؤ سے تیز بڑے بڑے بڑے گارے میں سوراخ کر دیتے ہیں، یہ ہے تند ہواؤں کی تسخیر۔

علم نعمت ہے وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط

(جسے علم حاصل ہو جائے وہ بڑی دولت کا مالک بن جاتا ہے۔)

محکم سلطنت، حکمت اور ملکۂ تقریر بھی نعمت ہیں وَشَدَدْنَا مُلْکَہٗ وَاٰتَیْنٰہُ الْحِکْمَۃَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ۔

(ہم نے سلیمان کو محکم سلطنت علم و حکمت اور مؤثر تقریر کا ملکہ عطا کیا تھا)

بھوک اور خوف سے آزادی نعمت ہے فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ الَّذِیْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ۔

(اہلِ عرب ربِّ کعبہ کی عبادت کریں جس نے انہیں بھوک اور خوف سے نجات دلائی

آج خوف سے صرف وہی قومیں بچ سکتی ہیں جن کی بحری، بری اور فضائی قوت نے ایک عالم لرزہ براندام ہو اور کسی بدنیت کو ان پر حملہ کرنے کا حوصلہ ہی نہ پڑ سکے۔ ایک اور مقام پر اس مضمون کو یوں ادا کیا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّکُمْ۔

(تم اس قدر قوت مہیا کرو اور تمہارے تھانوں پہ گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوئے ہوں کہ تمہارے دشمنوں اور اللہ کے دشمنوں پر تمہاری ہیبت چھا جائے۔

یہ نعمتیں کن لوگوں کو دی جاتی ہیں؟ اُن کو جو الہامی ہدایات پہ عمل پیرا ہوں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (اعراف)

(اگر بستیوں والے اللہ کی باتیں مان کر اللہ سے ڈرنے لگ جاتے تو ہم ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیتے۔)

ایسے لوگوں کو مشکل کے وقت بچا لیا جاتا ہے۔

ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(عذاب کے وقت ہم اپنے انبیا اور نیک بندوں کو بچا لیتے ہیں اور نیکوں کی مدد کرنا ہماری مشیت کے عین مطابق ہے۔)

یہاں اور وہاں ہر جگہ ان کی مدد کی جاتی ہے۔

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۔

(ہم اپنے رسولوں اور نیک بندوں کی مدد دنیا و آخرت دونوں میں کرتے ہیں۔ وہ اس دنیا میں نفیس اور شاندار زندگی گزارتے ہیں۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۔

(اگر کوئی ایمان دار (مرد یا عورت) اپنے اعمال کو صالح (کردار کو بلند) بنا لے تو ہم اسے ایک نفیس اور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔)

اللہ انہیں ہر افتاد سے بچاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔

اللہ اہل ایمان کی مدافعت کیا کرتا ہے۔

اور انہیں اپنا دوست سمجھتا ہے۔
ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔
(ہم اہل ایمان کو اس لیے کامران بنا یا کرتے ہیں کہ ہم ان کے دوست ہیں)
مفہوم نعمت اور مستحقین نعمت پہ بحث کرنے کے بعد اب ہم لعنت کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

لَعنَتُ

لعنت کا مفہوم المنجد میں یوں درج ہے۔
لَعَنَہٗ لَعْنًا، ای سَبَّہٗ وَ اَخْزَاہُ وَ اَبْعَدَہٗ عَنِ الْخَیْرِ
یعنی گالیاں دینا، ذلیل کرنا اور تمام بہتریوں (آسودہ حالی، چین، آرام وغیرہ) سے دور پھینک دینا۔
اللَّعِیْنُ۔ المطرود (دھتکارا ہوا) المشئوم (منحوس، قابلِ نفرت)
الممسوخ (بگڑی ہوئی شکل والا) المخزی (ذلیل۔ بھکاری۔ بدنام۔ مجرم۔ بدمعاش) الشیطان۔
الْمَلْعَنَۃُ، بیت الخلا۔
اللہ نے قرآن میں لعنت کے لیے چند اور الفاظ بھی استعمال کیے ہیں
مثلاً ذَلِیْلٌ۔ خِزْیٌ۔ ذِلَّۃٌ۔
تو گویا لعنت نام ہے۔ ذلت، بھوک، گداگری۔ نحوست۔ بدصورتی۔ بدنامی اور ایک ایسی زندگی کا جس میں کوئی آسودگی اور کسی قسم کی تاب (عزت امتیاز، علم، عقل وغیرہ) موجود نہ ہو۔ قرآن کی رُو سے تمام بھکاری، مجرم، بے علم، وحشی، غلیظ، بدنام، جھگڑالو، مغلوب الغضب، کاہل اور بدمعاش ملعون ہیں۔

مُلّا نے نعمت کی طرح لعنت کو بھی ایک ہوائی چیز سمجھ رکھا ہے جس کا تعلق اس زندگی سے قطعاً کوئی نہیں۔ وہ عزّت و ذلّت کے مفہوم سے اس قدر جاہل ہے کہ اُس کے مُقتدی جس قدر مفلس، غلیظ، بدصورت اور کاہل بنتے جاتے ہیں، وُہ انہیں رحمت و جنّت کی اتنی ہی بشارتیں سناتا ہے۔ اُن میں ایک ایک دُعا کے بدلے لاکھ لاکھ شہیدوں کا اجر تقسیم کرتا ہے۔ ایک ایک نفل کے عوض ان کے لیے جنّت میں ہزار ہا زمرّدی محل کھڑے کر دیتا ہے۔ اور قطعاً نہیں سوچتا اور نہ سوچ سکتا ہے کہ دُنیوی نکبت و فلاکت ہی لعنت کا دوسرا نام ہے۔

دوسری اقوام کو ملعون و مردود سمجھنے والے مسلمانو! صرف ایک نظر اُٹھا کر اپنی قوم کو دیکھو اور بتاؤ کہ جاہل، چور، نااہل، حرام خور، وحشی، بدمعاش بھکاری، غلیظ اور سفلی کے تم میں زیادہ ہیں یا دوسری اقوام میں۔ مجھے بلوچ رجمنٹ کے ایک افسر نے بتایا کہ تقسیم ہند کے وقت وہ ہند و پاک سرحد پہ ایک ہفتہ کے لیے مقرر کیا گیا تھا۔ اس دوران میں جو مہاجر پاکستان میں داخل ہوئے ان میں کم و بیش پچاس ہزار بھکاری، مداری، نائٹ، چرسی، بھنگی، قلندر، ریچھ اور بندر نچانے والے تھے۔ مشرقی پنجاب میں آپ کو ایک سکھ بھکاری نظر نہیں آئے گا۔ اور یہ جنس دیگر ممالک میں ملے گی۔ لیکن کسی اسلامی سلطنت میں قدم رکھتے ہی یہ لوگ آپ کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔ کیوں؟ اس لیے کہ "لعنت" کے متعلق ہمارا تخیل اس قدر مسخ شدہ ہے کہ ہم دنیا کے مہذب جہانبانوں کو ملعون اور غلیظ بھکاریوں کو جنّت کا مالک سمجھتے ہیں اور اس لیے کاہلی اور کام چوری ہماری فطرت بن چکی ہے۔ ہم محنت سے نفرت کرتے ہیں اور دوسروں کی محنت (دولت) کو بھیک، رشوت اور چوری سے ہضم کرنے کے عادی

ہو چکے ہیں)۔

لعنت، ذلت، رسوائی یا عذاب کا مفہوم اللہ کے ہاں کیا ہے آیئے خود اللہ سے سنیئے:-

جابر اقوام کی حکومت عذاب ہے: فَبَعَثْنَا عَلَيْهِمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ۔

ہم نے اُن کی بدکاریوں کی وجہ سے اُن پر پُر ہیبت حکمران مسلط کر دیئے جو اُن کی بستیوں پہ چھا گئے۔

اِس موضوع پر سینکڑوں آیات موجود ہیں۔

مرعوب ہو جانا عذاب ہے۔ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ ط

(ہم کافروں کے دلوں میں دوسروں کا رُعب ڈال دیں گے)

ذرا سوچو، کہ آج دیگر اقوام تم سے مرعوب ہیں یا تم دوسروں کے ڈر سے تھر تھر کانپ رہے ہو؟

تفرقہ لعنت ہے: يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ۔

(اللہ تم میں پھوٹ ڈال دے گا اور تم ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے میں اُلجھ کر رہ جاؤ گے۔)

ضعف لعنت ہے۔ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوٰى۔

(جس پر میرا غضب نازل ہو وہ کمزور ہو جاتا ہے) ؏

ہے جُرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات۔ (اقبال)

مفلسی اور مرض لعنت ہیں: وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا

اَخَذْنَا اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ

(کسی بستی میں نبی بھیجنے کے بعد ہم نے وہاں کے نافرمانوں کو بھوک اور بیماریوں میں بتلا کر دیا)

حضرت موسیٰ نے آلِ فرعون کے متعلق جو عذاب کی التجا کی تھی اس میں بھوک بھی شامل تھی:

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ

(اے رب! آلِ فرعون سے مال و دولت چھین لے اور انہیں بے فہم و سنگدل بنا دے)

قحط اور قلت غذا عذاب ہے وَلَقَدْ اَخَذْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرَاتِ۔

(ہم نے آلِ فرعون پر قحط مسلط کر دیا اور انکے پھل غلہ اور میوہ گھٹا دیئے)

اس سال (۱۹۵۲ء) ملتان کے باغوں میں کچھ اس طرح کے حشرات داخل ہو گئے کہ سو آم کے درختوں میں سے بمشکل دس کے ساتھ پھل لگا۔ اس سال معمول سے بہت زیادہ بارشیں ہوئیں اور خیال تھا کہ گندم کی فصل دگنی ہو گی، لیکن اللہ نے فروری کے آخر میں ایک ایسی صرصر چلائی جس سے دانہ یا تو خشک ہو گیا اور یا حجم میں نصف رہ گیا۔

یہ ہیں نقص مِّنَ الثمرات کے مظاہرے پاکستان میں۔ کیا اہلِ پاکستان اس تنبیہہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

سیلاب، ٹڈی دل، جوئیں مینڈک اور لہو لعنت ہیں فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ۔

(ہم نے ان بدکاروں پر سیلاب، ٹڈی دل، جوئیں اور مینڈک بھیجے۔ نیز انہیں خون کی بیماریوں (از ناسور، سرطان، طاعون، ہیضہ، پائیوریا، پھپھل اور آتشک وغیرہ میں بتلا کر دیا)۔

عمارات کی تباہی فَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ
عذاب ہے۔ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُعَطَّلَةٍ
وَقَصْرٍ مَشِيدٍ ۝

(ہم کتنی ہی بدکار بستیوں کو تباہ کر چکے ہیں۔ آج اُن کی چھتیں گر چکی ہیں۔
اُن کے کنوئیں اُجاڑ ہو گئے ہیں اور اُن کے پختہ محل برباد)۔

پاکستان کے چپے چپے میں آج آپ یہ منظر دیکھ سکتے ہیں۔ ایک قوم ہزارہا
برس تک یہاں رہی۔ لیکن چرخِ نیلوفری کی ایک گردش نے انہیں یوں تباہ
کیا کہ وہ بڑے بڑے محل کارخانے، بازار، نہریں اور کنوئیں چھوڑ کر چلتے بنے
اور آج میں اُن کا مرثیہ لکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ مستقبل کا مورخ ان لوگوں
کا مرثیہ لکھنے پہ مجبور ہو جائے جو آج ان علاقوں میں آباد ہیں۔ آثار کچھ ایسے ہی ہیں۔

زلزلہ، آسمان سے سنگباری اللہ نے قوم ثمود کو زلزلہ سے تباہ کیا۔
اور ڈوبنا عذاب ہے فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ (انہیں زلزلے نے آلیا)

قوم لوط پر سنگباری کی (اور آج کل بمباری ہوا کرتی ہے)۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا

(ہم نے ان پر پتھروں کا مینہ برسایا)

آل فرعون کو سمندر میں ڈبویا

فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ (ہم نے انہیں سمندر میں غرق کر دیا)

اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا۔

وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ (اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا)

ناکامی لعنت ہے وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ ۝

(ہم نے اُن کی آرزوؤں اور کامیابی کے درمیان دیوار کھڑی کر دی)

کج فہمی لعنت ہے ۔ کج فہمی کی وجہ سے ذلّت عزّت اور بدکاری نیک عمل نظر آتی ہے۔ سنبدو بنبدروں ، سانپوں اور مویشیوں کی پرستش کرنے میں عرب بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ ہم میں سے بیشتر خانقاہی دکانداروں کے دام فریب میں پھنسنا ہی سب سے بڑی کامیابی سمجھتے ہیں۔ یہ سب غلط اقدامات کج نظری کا کرشمہ ہیں۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ ۔ ایک حقیقت پرست اور کج نظر جسے بدکاری بھی حسین نظر آئے ، برابر نہیں ہو سکتے ۔

ہٹ دھرمی لعنت ہے : سعید رُوحیں ہر اچھی بات کو سُنتی اور ہر جگہ سے اچھائی لے لیتی ہیں ۔ لیکن ہمارے ہاں ایسے ہٹ دھرموں اور خود پسندوں کی بھی کمی نہیں ۔ جو اپنے خیالات کو صحیح ترین اور اپنے فیصلوں کو حرف آخر سمجھتے ہیں میرے ایک شاعر دوست دن بھر حکیم الامت حضرت علّامہ اقبال کے کلام میں سے عیوب نکالتے اور اپنا تفوّق ثابت کرتے رہتے تھے ۔ ایک اور صاحب مخاطب کی ہر بات کو بلا دلیل مسترد کر دینا اپنا فرض سمجھتے ۔ ایک دن آپ نے فردوسی کی خوبیوں پر لمبی چوڑی بحث کی ۔ ہفتہ عشرہ بعد جب میں نے کسی سلسلے میں فردوسی کو اچھا شاعر کہہ دیا ، تو وہ میری تردید کے لیے لنگوٹ کس کر میدان میں اتر آئے۔ بیسیوں ایسے بزرگ بھی دیکھے ہیں جو ہر جگہ اپنا نقطۂ نگاہ پیش کرتے ہیں اور دوسرے کی بات سُنتے ہی نہیں ۔ ایک فرقے کے چند ایسے مبلّغین سے بھی واسطہ پڑا ، جو قدم قدم پہ اپنی تردید آپ کرتے ، سخت شور مچاتے اور معقولیت کے قریب تک نہیں پھٹکتے تھے ۔ میں دو قسم کے لوگوں سے بے حد گھبراتا ہوں ۔ بیمہ کمپنی کے ایجنٹوں اور اس فرقہ کے مبلّغین سے یہ تمام لوگ عرف عام میں کج بحث اور ہٹ دھرم کہلاتے ہیں ۔ اور اللہ انہیں مطبوع القلب (مُہر زدہ دل) قرار دیتا ہے ۔

وَلَوْ نَشَاءُ اَصَبْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلٰی قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝

(اگر ہم چاہیں، تو اِن بدکاروں کو اپنی گرفت میں لے کر ان کے دلوں پہ یوں مُہریں لگا دیں کہ یہ دوسروں کی بات ہی سننا چھوڑ دیں۔)

ہمارے علمار کی ایک کافی تعداد بھی اس مرض میں مُبتلا ہے۔

ذلیل اور کالے چہرے لعنت ہیں: میرا یہ مشاہدہ ہے اور ہر صاحب نظر میری تائید کرے گا۔ کہ دو چیزوں سے چہرہ بگڑ جاتا ہے۔ یعنی جہالت اور بدچلنی سے اور دو چیزیں خدوخال میں دل کشی پیدا کر دیتی ہیں۔ یعنی علم اور نیکی۔ میں نے بلند اعمال کے چہرے ہر جگہ حسین دیکھے۔ اور جہلا و فساق کو ہر جگہ قبیح صورت پایا۔ کچھ ایسے ارباب علم بھی دیکھے جن کے رنگ ملیح و سیاہ تھے۔ لیکن نکوکاری کی رمق ان کے چہروں پر چھائی ہوئی تھی اور وہ آنکھوں کو پیارے نظر آتے تھے۔ کچھ ایسے غنڈوں سے بھی واسطہ پڑا جن کے رنگ سفید تھے۔ لیکن بدچلنی کی وجہ سے ان کے خدوخال میں نفرت انگیز بگاڑ راہ پا چکا تھا۔

پہلی نگاہ میں بعض چہرے کھینچتے ہیں اور بعض ایک قسم کا جھٹکا دیتے ہیں۔ اول الذکر بڑے رحم دل، فیاض، وسیع الحوصلہ اور بلند کردار ہوتے ہیں۔ اور دوسرے پرلے درجے کے ملعون۔

امام شافعیؒ علم قیافہ کے بڑے ماہر تھے اور بدصورت لوگوں سے دور بھاگتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ سفر میں تھے کہ جنگل میں شام ہو گئی۔ ایک دہقان کے جھونپڑے میں جا گھسے۔ آپ نے دہقان کی مکروہ صورت دیکھی، تو سخت منقبض ہوئے۔ چونکہ کوئی اور چارہ کار موجود نہ تھا اسلئے خاموش ہو گئے۔ دہقان نے خلاف توقع آپ کی بے حد خاطر و مدارات کی۔ امام صاحب رات بھر سوچتے رہے کہ یہ کیا ہو گیا

ہے۔ اس آدمی کو بڑا خبیث اور شریر ہونا چاہیئے تھا نہ کہ اتنا متواضع اور مہمان نواز۔ جب صبح کے وقت رخصت ہونے لگے تو وہ مہمان مشایعت کے لیے شاہراہ تک گیا اور لوٹنے سے پہلے کہنے لگا کہ حضرت! آپ کی طرف ایک سو دس درہم بنتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے استعجاباً پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگا

روٹی	:	۵۰ درہم
پانی	:	۱۰ درہم
چارپائی	:	۱۰ درہم
بستر	:	۱۰ درہم
مُصلّے	:	۱۰ درہم
ہاتھ پاؤں دابنے کی اُجرت	:	۲۰ درہم
میزان	:	۱۱۰ درہم

امام صاحبؒ نے یہ رقم فوراً ادا کر دی اور فرمانے لگے شکر ہے کہ میرا علم (علم قیافہ) تباہی سے بچ گیا۔

حضرت فاروق اعظمؓ بدصورت کو کبھی کوئی کام نہ کہتے۔ بلکہ بُرے نام والوں سے بھی بچتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک راہ گیر کو آواز دی کہ آؤ اور یہ بوری میری کمر پر رکھ دو۔ جب وُہ قریب آیا، تو پوچھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ کہنے لگا "ظالم"۔ فرمایا اور باپ کا نام؟ کہا "سارق" (چور) فرمایا جاؤ۔ تم ظلم کرو اور تمہارا باپ چوری کرے۔ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت نہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

اُطْلُبُوا الْحَوَائِجَ عِنْدَ حِسَانِ الْوُجُوْہِ۔

(اپنی حاجات حسین چہرے والوں سے مانگا کرو)۔

ہماری نگاہ سے ہر روز بدصورتی کے کئی نمونے گذرتے ہیں۔ ایک وُہ جو ظالم

جابر ہونے کی وجہ سے ترش رُو نظر آتے ہیں۔ انگریز کے عہد میں اس قسم کے تھانیدار عام ہوا کرتے تھے۔ کچھ وہ جن کی صورت قمار بازی نے بگاڑ دی ہے۔ بعض وہ جنہیں افراطِ منشیات (بھنگ، چرس، افیون، شراب وغیرہ) نے مسخ کر دیا ہے۔

بعض بد چلنی کی وجہ سے جسمانی کشش کھو بیٹھے ہیں۔ کچھ منافقت، غمازی، رشوت، غبن اور فحش گوئی کی وجہ سے بدصورت ہو گئے ہیں اور بعض کا پلستر رہائشی غلاظت اور فلاکت نے بگاڑ رکھا ہے۔ کشمیری عوام کی صورتیں دیکھیے، پچھتر برس کی غلامی نے اُن کی شخصیت کا جنازہ نکال دیا ہے یہی حال چینی اور رُوسی کسانوں کا ہے۔ اللہ نے اس ذلت و روسیاہی کو لعنت کہا ہے۔

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ (یونس)

(پاکباز اعمال لوگوں کو بلندی نصیب ہو گی اور اس سے کچھ سوا بھی۔ ان کے چہروں پر نہ سیاہی آنے پائے گی نہ ذلت اور ان کی آخری منزل جنت ہو گی۔)

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ (یونس)

(بدچلن لوگوں کو ہر بدکاری کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ ان کے چہرے پر ذلت چھا جائے گی۔ اللہ کے بغیر ان کا کوئی مددگار نہیں رہے گا اور ان کے منہ اس طرح سیاہ ہو جائیں گے گویا شب تاریک کا ایک ٹکڑا کاٹ کر ان کے منہ پر چسپاں کر دیا گیا ہے۔ یہ لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔)

دُنیا و عقبیٰ میں ہر جگہ چہرے دو ہی قسم کے ہوں گے!

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ۝ (عبس)

وہاں کچھ چہرے تو روشن، متبسم اور بشاش ہوں گے اور کچھ گرد آلود سیاہ اور یہ ہوں گے قانون شکن اور بدچلن۔

آیات بالا کا ماحصل یہ کہ قانون شکنی (کفر) چہرے کو بگاڑ دیتی ہے اور تسلیم و تعمیل (سجود) سے چمک اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔

سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ط۔

(تسلیم و تعمیل کی وجہ سے ان کے چہروں میں کشش پیدا ہو گئی ہے)

یہ تھی عذاب، لعنت اور ذلت کی تفسیر اب یہ دیکھنا ہے کہ یہ عذاب کس پہ نازل ہوا کرتا ہے اور خدائی لعنت کہاں برستی ہے۔ چونکہ اس موضوع پر ہم تفصیلاً روشنی ڈال چکے ہیں۔ اس لیے یہاں صرف چند آیات پر اکتفا کریں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

(بے شک ہم قانون شکن مجرموں پر آسمان کے دروازے (خوشحالی رزق وغیرہ) کبھی نہیں کھولے جائیں گے)

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ط (ہود)

(ہم بدکار اور ظالم بستیوں کو اسی طرح پکڑا کرتے ہیں اور ہماری گرفت بڑی شدید اور المناک ہوا کرتی ہے۔)

فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ط

(بدکاروں سے انتقام لینا اور ایمان والوں کی مدد کرنا ہماری مشیت ہے)

فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ۔
(اس دنیا میں صرف بدکار اقوام تباہ ہوا کرتی ہیں)
اور اس کی وجہ صاف ہے کہ
أَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَىٰ لَهُمْ (کہ کافر[1] کا کوئی دوست نہیں ہوتا)
قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ ۔
(کافروں کو کہہ دو کہ تم مغلوب ہو کر رہو گے)
وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ۔
(میدانِ جنگ میں قانون شکن پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں گے اور ان کی امداد کے لیے کوئی نہیں آئے گا)

پچھلے چھ سو برس میں مسلمان ہر میدان سے بھاگ رہے ہیں اور ہر مقام پر شکست کھا رہے ہیں۔ فرانس اور ہسپانیہ کے بعد آسٹریا، اٹلی، بلغاریہ، البانیہ، یونان، ہنگری، پولینڈ، رومانیہ، مغربی روس، مشرقی ارض الروم، ترکستان، بحر الروم کے جزائر، ہندوستان اور فلسطین سے نکالے گئے اور ابھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ کیا مسلمان کی آنکھیں اب بھی وا نہیں ہوئیں اور انہیں اللہ کی اس عادت کا علم نہیں ہوا۔ کہ وہ صرف بلند اعمال اقوام کو دنیا میں باقی رکھتا ہے۔

[1] کافر کا مفہوم ہے قانون شکن۔ جب حضرت موسیٰ کے گھونسے سے ایک قبطی (فرعونی) ہلاک ہو گیا۔ اور کافی مدت کے بعد موسیٰ علیہ السلام تبلیغ کے لیے دربارِ فرعون میں تشریف لے گئے تو فرعون نے چند احسانات جتلاتے ہوئے کہا:

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ۔
وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ۔ (الشعرا)
ہم نے بچپن میں تجھے پالا ہمارے ہاں تو برسوں رہا۔ بایں ہمہ تو نے ایک قبطی کو ہلاک کر کے کفر کیا۔ یعنی ہمارے قانون کو توڑا۔ اس مفہوم کی رو سے صرف ہندو یا انگریز کافر نہیں بلکہ ہم سب قانون شکن کافر ہیں۔

اور کافروں کو ہر میدان میں شکست دیتا ہے۔

وَنَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِيْنَ (ہم کافروں کی جڑ کاٹ دیا کرتے ہیں)

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ۔

(موسیٰ نے بنی اسرائیل کو کہا۔ اللہ عنقریب تمہارے دشمن کو تباہ کر کے تمہیں فرماں روائے زمین بنا دے گا)

بعض دیگر انبیا نے بھی اللہ کا یہ پیغام اپنی اقوام کو دیا تھا۔

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔

(ہم ظالموں کو تباہ کرنے کے بعد تمہیں زمین کا وارث بنا دیں گے)

یہی پیغام ہمیں بھی دیا گیا تھا۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ o

(اگر تم ہمارے احکام پر چلتے رہے (مومن) تو تمہی غالب رہو گے)

لیکن مُلّا نے ہمیں کہا کہ خدا ہمارا اور صرف ہمارا ہے۔ اس لیے جو جی میں آئے کرتے چلو۔ کہ اس کی رحمتیں، اس کی جنتیں اور اس کی مغفرتیں ہمارے لیے ریزرو (RESERVE) ہو چکی ہیں۔ اللہ نے مار مار کر ہمارا پلستر بگاڑ دیا۔ ہم سے بیسیوں ممالک چھین لیے۔ ہمیں تمام دنیوی آسائشوں سے محروم کر دیا۔ ہمارے خزائن دوسروں کے قبضے میں دے دیے۔ ہمیں بندروں اور ریچھوں سے زیادہ جاہل بنا دیا۔ ہمارے چہرے ذلیل اور سیاہ کر دیے۔ لیکن کم سواد کو نظر تاہمی رٹ لگاتے جا رہا ہے۔ کہ

"ہیچو ما دیگرے" نیست"

ایک اقبال اور اس کے دو چار ہمخیال اس قوم کو کس طرح حقائق بین بنا سکتے ہیں جسے گمراہ کرنے کے لیے ہر مسجد میں ایک مُضل موجود ہو۔

میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر جگہ ملا کی نیت نیک ہے اور وہ نہایت نیک نیتی سے تمام ذخیرۂ احادیث پہ ایمان رکھتا ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ کمی علم، کوتہ نظری اور جامد تقلید کی وجہ سے وہ نہ تو پورے اسلام کو دیکھ سکتا ہے نہ مشیتِ ایزدی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ آئین جزاو عمل سے آگاہ ہے۔ ساری قوم بدعملی کی وجہ سے پٹ رہی ہے اور وہ یہی کہے جا رہا ہے "ڈاڑھی بڑھاؤ اور فلاں ورد کرو"۔ وہ دیکھ رہا ہے کہ پیٹنے والے سب بے نماز اور ڈاڑھی منڈے ہیں، اور پھر بھی نہیں سوچتا کہ اللہ کے پیارے دُم اُٹھا کر "کفار" کے آگے آگے کیوں بھاگ رہے ہیں، حبیبِ خدا کی لاڈلی اُمت پر زمین کی وسعتیں کیوں تنگ ہو رہی ہیں۔ اسے ہر مقام پر خوف و ہراس نے کیوں گھیر رکھا ہے اور اللہ کا وہ وعدہ کیا ہوا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِکَ لَھُمُ الْاَمْنُ

(وہ ایماندار جن کے ایمان میں ظلم (شرک، جہالت، غلاظت، تفرقہ وغیرہ) کا عنصر شامل نہیں۔ انہیں ہر جگہ امن حاصل ہو گا۔

کیوں امن حاصل ہو گا؟ اس لیے کہ تعمیلِ الہام کا لازمی نتیجہ امن و سلام ہے۔

وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ

(اللہ تمہیں دار السلام (بیت الامن) کی طرف بلاتا ہے)

لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَھُوَ وَلِیُّھُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۔

(اللہ کے بندوں کے لیے یہ زمین دار الامن بن جائے گی اور اللہ ہر قدم پر اُن کی امداد کرے گا۔

صحائفِ اولیٰ کی شہادت

قرآنِ حکیم کی بیسیوں آیات سے ہم نے یہ واضح کردیا ہے کہ سلطنت، علم خوب صورت شخصیت، خوشحالی، اتحاد، قوت، امن وغیرہ اللہ کے انعامات ہیں جو صرف صالح الاعمال اقوام کو ملا کرتے ہیں اور محکومی، رُوسیاہی، بھوک، پھوٹ شکست۔ احتیاج، بیماریاں، خوف اور تباہی بدکاروں کے لیے مُقدر ہو چکی ہیں۔ اللہ کی وہ سُنت جاریہ ہے۔ جو آغازِ تخلیق سے کائنات میں سرگرمِ عمل ہے اور کسی قسم کی خاطر اس میں ذرہ بھر تبدیلی نہ ہوئی اور نہ آئندہ ہو گی۔

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ط۔ (اللہ کی یہ عادت (سنت) ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہو گی۔

نیکی کی جزا: "خدا نے نوحؑ اور اُس کے بیٹوں کو برکت دی اور کہا کہ پھلو بڑھو اور زمین کو آباد کرو۔ تمہارا رعب زمین کے چرندوں آسمان کے پرندوں، زمین پہ چلنے والوں اور مچھلیوں پہ چھا جائے گا۔ اور یہ سب تمہارے بس میں کر دیئے ہیں۔" (پیدائش ۹/۲۰۱)

اللہ نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا۔

"میں خداوند ہوں، جو تجھے کسدیوں کے اُور سے نکال لایا۔ کہ تجھے یہ مُلک میراث میں دے دوں۔" (پیدائش ۱۵/۷)

حضرت اسحاقؑ سے وعدہ کیا۔

"میں۔ تجھے اور تیری نسل کو یہ سب ملک دے دوں گا...... اور زمین

کی سب قومیں تیری نسل سے برکت پائیں گی" (پیدائش $\frac{26}{4-5}$)
اس گئے گذرے زمانے میں بھی بنی اسرائیل کے دو مفکرین یعنی آئن سٹائن اور کارل مارکس نے دنیائے افکار میں ایک زلزلہ ڈال رکھا ہے اور آج کوئی ایسا خطۂ زمین موجود ہی نہیں۔ جہاں کارل مارکس کے لاکھوں پیرو موجود نہ ہوں۔
سچ ہے "...... سب قومیں تیری نسل سے برکت پائیں گی"
حضرت یعقوب علیہ السلام سے فرمایا۔
" تیری کمر سے بادشاہ نکلیں گے اور یہ زمین جو میں نے ابراہیم و اسحاق کو دی تھی۔ تجھے اور تیرے بعد تیری نسل کو دوں گا۔ (پیدائش $\frac{35}{12}$)
حضرت موسیٰؑ سے کہا:
"تم میری شریعت پہ عمل کرو ...... تم زمین پہ صحیح وسالم رہو گے۔ زمین تم کو پھل دے گی اور تم پیٹ بھر کر کھاؤ گے" (احبار $\frac{25}{18-19}$)
"اے اسرائیل ...... خدا تجھے وہ شہر دے گا جنہیں تو نے نہیں بنایا وہ بھرے ہوئے گھر دے گا جنہیں تو نے نہیں بھرا۔ ایسے کنوئیں دے گا، جو تو نے نہیں کھودے۔ اور ایسے انگور کے باغ اور زیتون کے درخت دیگا۔ جو تو نے نہیں لگائے" (استثنا $\frac{6}{10-11}$)
" اور ایسا ہوگا کہ اگر تو کوشش کر کے خدا کی آواز سنے گا اور میرے احکام پر عمل کرے گا۔ تو تیرا خداوند تجھے زمین کی قوموں میں سرفراز کرے گا۔ ...... تو شہر میں بھی مبارک ہوگا، اور کھیت میں بھی۔ تیرے بدن، تیری زمین اور تیرے مویشیوں کے پھل مبارک ہوں گے۔ تیرے ریوڑ مبارک ہوں گے تیرا ٹوکرا اور تیرا گُندھا مبارک ہوگا۔ تو گھر میں داخل ہوتے اور نکلتے وقت مبارک ہوگا۔ تیرے دشمن ہلاک ہوں گے۔ وہ اگر ایک راہ سے تجھ پر حملہ کریں گے تو سات

راہوں سے تیرے آگے آگے بھاگیں گے. خداوند تیرے انبارخانوں اور سارے
کاموں میں برکت ڈالے گا...... سارے فرقے تجھ سے ڈریں گے......
آسمان بروقت تیری زمین پر مینہ برسائے گا...... تو بہت سے گروہوں
کو قرض دے گا. لیکن خود قرض نہ لے گا...... تو فقط بلند ہوتا رہے گا
اور پست نہ ہوگا؛" (استثنا ۲۸: ۱-۱۴)

حضرت سُلیمانؑ کو ارشاد ہوا:

"اگر تو میری شریعتوں اور عدالتوں کو حفظ کرے گا تو میں تیرا تخت
اسرائیل میں ہمیشہ قائم رکھوں گا" (۱- سلاطین ۹: ۴-۵)

حضرت داؤدؑ سے وعدہ کیا:

"صادق زمین کے وارث ہوں گے اور ابد تک اس پر بسیں گے"
(زبور ۳۷: ۲۹)

یسعیاہ نبی سے کہا:

"اُٹھ ...... خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا.... قومیں تیری
روشنی میں اور بادشاہ تیرے جلال میں چلیں گے...... سمندر کی فراوانی تیری
طرف پھرے گی. قوموں کی دولت تیرے پاس فراہم ہوگی. تیرے ہاں اونٹوں
کی قطاریں، مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آئیں گی...... تیرے پھاٹک
رات دن کھلے رہیں گے.... جو قوم تیری خدمت نہیں کرے گی، برباد
ہو جائے گی. لبنان کا جلال تیرے پاس آئے گا.... اور جنہوں نے تیری تحقیر کی
تیرے پاؤں پڑیں گے" (یسعیاہ ۶۰: ۱-۱۴)

حضرت مسیحؑ نے فرمایا:

"ابنِ آدم فرشتوں کو بھیجے گا...... اور وہ سب بدکاروں کو......

آگ کی بھٹی میں ڈال دیں گے ...... اُس وقت راستباز اپنے باپ کی
بادشاہت میں آفتاب کی مانند چمکیں گے جس کے کان ہوں وہ سن لے ۔
(انجیل متی ۱۳، ۴۱ تا ۴۳)

کرشن علیہ السلام نے کہا :
" مبارک ہیں وہ مجاہد جو جہاد کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتے
کہ جہاد ہی جنت کا دروازہ ہے "
(گیتا ۲/۳۲)
(اَلْجَنَّةُ تَحْتَ ظِلَالِ السُّيُوفِ) (بخاری)
" اے کنتی کے فرزند (ارجن) اگر تم جہاد میں شہید ہو گئے ، تو جنت
حاصل کرو گے اور اگر زندہ رہے تو سلطنت " (گیتا ۲/۳۷)
" اے ارجن اٹھ ! عزت حاصل کر ، دشمنوں کو شکست دے اور ایک
دولت سے لبریز سلطنت کا مالک بن ۔ میں تیرے دشمنوں کی شکست کا فیصلہ
پہلے ہی کر چکا ہوں تو صرف ایک ظاہری وسیلہ ہے " (گیتا ۱۱/۳۳)
" خدائی صفات یعنی بلند اعمال کا نتیجہ سلطنت ہے اور ابلیسی صفات
کا غلامی ۔ اے ارجن ۔ گھبراؤ مت کہ تم خدائی صفات کے مالک ہو " (گیتا ۱۶/۵)
یجر وید میں درج ہے !
" اے پرمیشور ! مجھے زمین میں بادشاہ بنائیے ! اور میری سلطنت دشمنوں
کو شکست پہنچانے کے لیے ہو "
(۴/۹)
" اے راجہ میں نے تمہیں اس لیے حکومت دی ہے کہ تو میری رعیت کی
حفاظت کرے ۔ اُن کی دولت اور طاقت بڑھائے اور میرے حکموں پر چلے " (۲/۹)
" اے انسانو ! کڑکتی ہوئی بجلیوں اور چمکتے ہوئے سورج (جو نباتات کیلئے
مدارِ حیات ہے) کی طرح تم بھی آب و تاب اور شان و شوکت حاصل کرو " (۴/۱۰)

بدکاری کی سزا: ...... "اگر تم نے میری سنتوں کو حقیر جانا ...... تو میں تم پر خوف، سِل اور تپ سوزاں مسلط کروں گا ...... تمہاری فصلیں تمہارے دشمن کھائیں گے ...... تم اپنے دشمنوں کے سامنے قتل کیے جاؤ گے وہ جو تم سے کینہ رکھتے ہیں تم پر حکومت کریں گے۔ اور تم بغیر اس کے کہ تمہیں کوئی رگیدے، بھاگتے جاؤ گے۔"

(کتاب موسیٰ، احبار ۲۶/۱۴-۱۷)

"میں تمہیں غیر قوموں میں تتر بتر کر دوں گا، تم پر پیچھے سے تلوار چلاؤں گا، تمہارے شہر اجاڑ دوں گا۔ اور تمہاری زمین ویران کر دونگا۔" (احبار ۲۶/۳۳)

"تب خداوند نے یشوع کو فرمایا! اٹھ! ...... کہ اسرائیل نے گناہ کیا ...... انہوں نے حرام کھایا، چوری کی اور ریاکاری بھی ...... اس لیے یہ اپنے دشمنوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکے۔ پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے اور ان پر میری لعنت۔"

(یشوع ۷/۱۱-۱۲)

"پھر بنی اسرائیل نے بدی کی اور خداوند نے موآب کے بادشاہ عجلون کو اسرائیل پر مسلط کر دیا۔"

(قاضیون ۳/۱۲)

"پھر بنی اسرائیل نے خدا کی نظر میں بدکاری کی اور خداوند نے انہیں چالیس برس تک فلستیوں کا غلام بنا دیا۔" (قاضیون ۱۳/۱)

"اگر کوئی خطا کرے گا، تو میں اُسے آدمیوں کے کوڑے اور بنی آدم کے تازیانوں سے پٹواؤں گا۔" (۲۔ سموئیل ۷/۱۴)

"انہوں نے اپنے گناہوں سے مجھے غصہ دلایا۔ تو دیکھ۔ میں بعشا کی نسل اور اُس کے گھرانے کو نابود کر دوں گا۔" (۱۔ سلاطین ۱۶/۲-۳)

"اگر تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے، تو میں تمہیں اس سرزمین سے جو اب تمہارے قبضے میں ہے۔ اکھاڑ کر باہر پھینک دوں گا۔" (۲۔ تواریخ ۷/۱۹-۲۰)

نہیں لوں گا۔

(یرمیاہ ۵/۹-۱۰)

"خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ ہاتھ سے تھپیڑ مار اور پاؤں سے ٹھوکر لگا۔ (یعنی اسرائیل کو) .... کہ یہ لوگ تلوار، قحط اور مری سے مریں گے"

(حزقی ایل ۶/۱۱-۱۲)

"اے بنی اسرائیل! (اور اے اہل پاکستان! برق) ...... ملک میں نہ راستی ہے نہ شفقت نہ خداشناسی۔ یہاں گالیوں، جھوٹ، خون، چوری اور حرامکاری کے بغیر کچھ نہیں ہوتا ...... اس لئے یہ زمین ماتم کرے گی۔ (پاکستانیو! کان کھول کر سنو! برق) یہاں کے رہنے والے نیز مویشی اور پرندے فنا ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ دریاؤں میں مچھلیاں بھی فنا ہو جائیں گی"

(ہوسیع ۴/۱-۳)

پاکستان میں شکار ناپید ہو چکا ہے۔ تیتر، چکور اور مرغابی تو رہی اک طرف فاختہ تک نظر نہیں آتی۔

"میں اُن (بدکاروں) کو سزا دوں گا۔ ان کا مال و اسباب لٹ جائیگا اُن کے گھر اُجڑ جائیں گے (اپنے اسی لاکھ مہاجرین سے تصدیق کرالو۔ (برق) وہ گھر بنائیں گے۔ لیکن اُن میں رہ نہیں سکیں گے۔ وہ تاکستان لگائیں گے۔ لیکن ان کی مے نہیں پئیں گے (دھن دھلکے کے لگائے ہوئے لاکھوں ایکڑ باغات کی رس آج تم پی رہے ہو۔ برق) خداوند کا دن بہت قریب ہے"

(صفنیاہ ۱/۱۳)

"ربُّ الافواج فرماتا ہے کہ میں ان کی تعمیر ڈھادوں گا"

(ملاکی ۱/۴)

حضرت مسیح فرماتے ہیں۔

،، ہاں شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائے گا ...... اسکے گھر میں تاریکی
ہو گی ...... اس کی زور آوری کے قدم چھوٹے کر دیئے جائیں گے. اس کا
منصوبہ خود اُسے ہی گرائے گا. وہ اپنے ہی جال میں پھنسے گا ...... ہر طرف
سے دہشتیں اُسے گھبرائیں گی .... اس کا زور بھوک کی وجہ سے جاتا
رہے گا .... وہ اس کے بدن کے اعضا کو کھا جائے گی. موت کا
پلوٹھا اِسے نگل جائے گا. اس کے خیمے سے بھروسے (امن) کی جڑ اکھاڑ
دی جائے گی. اور وہ ملک الہول کے سامنے حاضر کیا جائیگا ....
اس کی جڑ سوکھ جائے گی. اس کی ڈال کٹ جائے گی اور اُس کی یادگار زمین
پر سے مٹ جائیگی ؟ (ایوب ۱۸/ ۵-۱۷)

،، خداوند کے دشمن بکرے کی چربی کی طرح پگھل جائیں گے اور دھوئیں کی
مانند فنا ہو جائیں گے ؟ (زبور ۳۷/ ۲۰)

،،شریر کی بدکاریاں اُسے پکڑ لیں گی. وہ اپنے ہی گناہ کی رسیوں میں جکڑا
جائے گا. وہ بے تربیت (بے تعلیم، بے ہدایت) پائے مرے گا. اور جہالت
کی شدت میں بھٹکتا پھرے گا ؟ (امثال ۵/ ۲۲-۲۳)

،، صادق کا چراغ روشن رہے گا. پر شریروں کا دیا بجھا دیا جائے گا ؟
(امثال ۱۳/ ۹)

،، تیرے فرزندوں نے مجھے چھوڑا. اُن کی قسم کھائی جو خدا نہیں ہیں. میں
نے انہیں پیٹ بھر کر کھانا کھلایا. لیکن ان لوگوں نے زناکاری کی. اور پرے
باندھ کر قحبہ خانوں میں اکٹھے ہوئے. (پاکستانیو! سوچو! کہیں یہ تمہاری ہی
تصویر نہ ہو. مترجم) یہ پیٹ بھرے گھوڑوں کی طرح ہیں. جو صبح سویرے پڑوسی
...... کیا میں ان گناہوں کا بدلہ

"جو شخص میری باتیں سُنتا ہے اور اُن پر عمل نہیں کرتا وہ اُس بیوقوف کی طرح ہے جس نے اپنا گھر ریت پر بنایا۔ مینہ برسایا۔ پانی چڑھا۔ آندھیاں چلیں۔ اُس گھر کو صدمہ پہنچا وہ گر گیا اور بالکل برباد ہو گیا۔ (متی ۲۶-۲۷/۷)

حضرت کرشن کا ارشاد ہے:

"جو لوگ میری تعلیم پر عمل نہیں کرتے۔ یہ احمق اور فریب خوردہ لوگ تباہ ہو کر رہیں گے" (گیتا ۳/۳۲)

"بدکار لوگ انسانیت کے دشمن ہیں۔ یہ دُنیا کی تباہی کا باعث بنتے ہیں" (گیتا ۱۶/۹)۔

"جو بادشاہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ اپنی جاہ و حشمت کھو کر تباہی و بربادی کا منہ دیکھتا ہے" (رگ وید ۲۲/۳۳)

ماحصل میں نے صفحاتِ گذشتہ میں دو اور دو چار کی طرح واضح کر دیا ہے۔

اوّل: کہ اسلام آغازِ تخلیق سے ایک سا تھا۔

دوم: کہ تسلیم کا صلہ ہر زمانے میں عروج و اقبال تھا اور کفر کا نتیجہ ادبار و زوال۔

سوم: کہ اللہ اسماء و انساب کو نہیں دیکھتا۔ بلکہ صرف اعمال پہ نظر رکھتا ہے۔

چہارم: کہ اعمالِ صالحہ وہ نہیں جن کی تفصیل مُلّا پیش کرتا ہے۔ بلکہ وہ ہیں جن کی تشریح انبیاء کے سترہ صحائف میں ملتی ہے۔

پنجم: کہ اسلام کامیاب زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ کامیابی صرف دعاؤں سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے لیے بے پناہ محنت اور مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے محنت کس مقصد کے لیے؟ حصولِ علم کے لیے۔ تنظیمِ ملت کے لیے۔ تسخیرِ عناصر کے لیے۔ استیصالِ امراض کے لیے۔ افلاس کیلئے

تطہیر گردار و لباس کے لیے۔ استحکام ملک کے لیے، قیام امن کے لیے۔ اتحاد آدم کے لیے اور ایک ایسی دنیا کی تعمیر کے لیے جہاں انسانیتِ عظمیٰ اپنی تمام تر تجلیات کے ساتھ بے حجاب ہو جائے۔

آبِ روانِ اٹک! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب
عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

(اقبال بترمیم)

برقؔ
یکم ستمبر ۱۹۵۲ء
۱۰ر ذی الحجہ ۱۳۷۰ھ